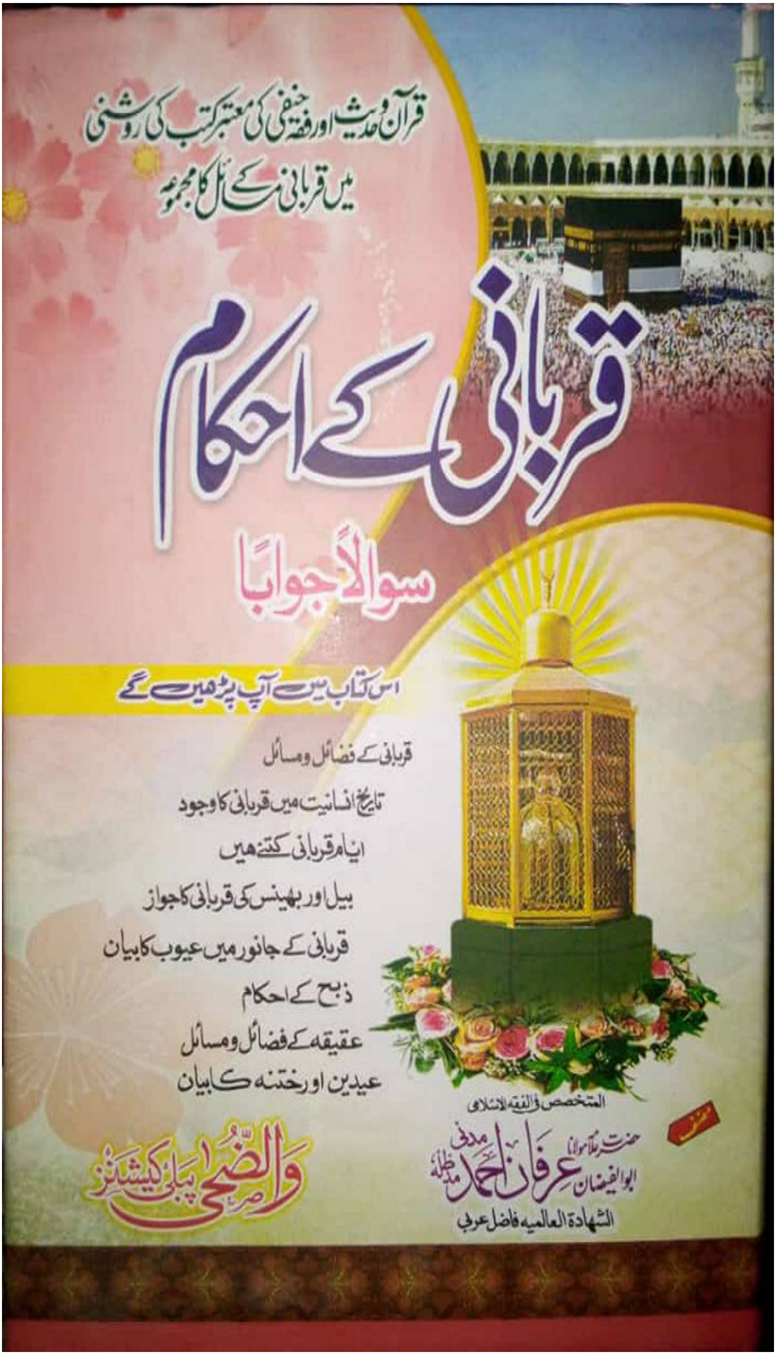

قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی معتبر کتب کی روشنی
میں قربانی مسائل کا مجموعہ
قربانی کے احکام
سوالاً جواباً
اس کتاب میں آپ پڑھیں گے
قربانی کے فضائل ومسائل
تاریخ انسانیت میں قربانی کا وجود
ایام قربانی کتنے ہیں
بیل اور بھینس کی قربانی کا جواز
قربانی کے جانور میں عیوب کا بیان
ذبح کے احکام
عقیقہ کے فضائل ومسائل
عیدین اور ختنہ کا بیان
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
حضرت علامہ مولانا
ابوالفیضان عرفان احمد مدنی مدظلہ
الشہادۃ العالمیہ فاضل عربی
والضحیٰ پبلی کیشنز

شرفِ انتساب

میں اپنی اس کتاب کوحضرتِ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرتا ہوں جنہوں نے اپنے لختِ جگر حضرتِ سیدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کو ترجیح دی اور اپنے ربّ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے عزیز بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کردیا۔

ابوالفیضان عرفان احمد مدنی

اجمالی فہرست ابواب

فہرست

حرفِ آغاز

الحمدللہ رب العالمین ○ والعاقبۃ للمتقین ○ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد!

فاعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کواشرف المخلوقات بنایااورانہیں مختلف قبیلوں، اقوام اوراُمّتوں میں تقسیم فرمایااوران کی رشدوہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً انبیائے کرام علیہم السلام کومبعوث فرمایااورسب سے آخرمیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنا محبوب بناکرمبعوث فرمایااورآپ پرسلسلۂ نبوت کوختم فرمایااوراپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّت کوسب اُمتوں پرفضیلت عطافرمائی اورانہیں سب ادیان سے اعلیٰ دین، دینِ محمدی، دینِ اسلام عطافرمایااورقرآن مجید میں ارشادفرمادیا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ [1]

''بے شک اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے''۔

لہٰذااب اگرکوئی دین اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب وپسندیدہ ہےتو وہ صرف دین اسلام ہےاورقرآن مجید میں ایک مقام پرارشادفرمایا:

---

[1] سورہ آلِ عمران، پ3، آیت 19

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[1]

''اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا''۔

اب جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا پسندیدہ دین، دین اسلام ہے اور یہی حق دین ہے اور قیامت تک یہی حق رہے گا تو یہ بات یقینی ہے کہ یہ ایسا جامع دین ہو جو قیامت تک بنی نوع انسان کو پیش آنے والے مسائل کا جامع ہو اور تمام مسائل میں شرعاً لوگوں کی رہنمائی کرے اور تشنہ باقی نہ رہنے دے تو جب اس بات پر غور کرتے ہیں تو قرآنِ کریم کی یہ آیتِ مبارکہ ذہن میں آتی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ[2]

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا''۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا یعنی ان اصولوں کو مکمل کر کے اس کو ایسا ضابطہ حیات بنادیا ہے جو رہتی دنیا تک دین اور دنیا کے ہر شعبے میں اپنے ماننے والوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے یعنی آنے والے زمانوں میں جتنے بھی مسائل پیش آئیں گے وہ دین کے انہی اصول وضوابط سے حل ہوں گے اور انہیں اصولوں کے مطابق علمائے کرام اور فقہائے عظام نے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مسائل کو اپنی کتابوں میں لوگوں کی رہنمائی کے لئے جمع کیا اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مسائل کا علم حاصل کر کے ان پر عمل کیا جائے لیکن علوم کی تعداد بے شمار ہے اور علم کی وسعت اس قدر ہے کہ اس کا احاطہ ناممکن ہے اس طرح ہر ہر علم کو کما حقہ سیکھنا انسان کی طاقت وقدرت سے باہر نظر آتا ہے۔

---

[1] سورۃ المائدۃ، پ6، آیت3

[2] سورہ المآئدۃ، پ6، آیت3

اور شریعت ہرگز ہرگز کوئی ایسا حکم نہیں دیتی جو انسان کی قوت و استطاعت سے باہر ہو اسی وجہ سے علمائے کرام نے ہر مسلمان کے لئے اتنے علم کا حصول ضروری قرار دیا ہے جو اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر سکے اور اس کی نافرمانی سے بچ کر اس کی رضا کو حاصل کر سکے جو کہ ایک مسلمان کا مقصودِ اصلی ہے لہذا ایک مسلمان پر لازم ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کو سیکھے اور یہ جانے کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کون سا حکم اس کے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے اور اس کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا اس کے لئے کتنا ضروری ہے اور پھر اس پر عمل کی کوشش کرے۔

انہیں شریعت کے مقرر کردہ احکام میں سے عیدالاضحیٰ پر مالکِ نصاب پر قربانی کی شرائط پائے جانے پر خلوصِ نیت سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں ایک جانور قربان کرنا ہے تو ضروری ہے کہ جانا جائے کہ قربانی کس پر واجب ہے اور کن شرائط کے ساتھ واجب ہے اور اس کے کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں کیا ثواب ہے؟ اور نہ کرنے پر کس طرح کی وعید کا اعلان کیا گیا ہے اور یہ بھی جانا جائے کہ جس طرح کا جانور اس کی بارگاہ میں قربان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بندہ اللہ کی بارگاہ میں قربانی تو بجالائے لیکن جانور میں پائے جانے والے کسی عیب کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو اور پھر ایک واجب کے ترک کا گناہ اس کے ذمے رہے۔

الغرض یہ کہ یہ بھی ایک ایسا حکمِ شرعی ہے جس کے بارے میں سیکھنا بے حد ضروری ہے علمائے کرام وفقہائے عظام نے اپنی کتابوں میں اس حکم شرعی کو بیان کیا لیکن اُردو زبان میں مفصّل ایسی کتابیں نظر سے نہیں گزریں جن میں قربانی کے مسائل پر تفصیل سے کلام کیا گیا ہو اور اس بارے میں لوگوں میں علم کی کمی کی وجہ سے

بہت سے گھر ایسے ہیں جہاں باوجود قربانی واجب ہونے کے کی ہی نہیں جاتی اور اکثر ایسے بھی ہیں جہاں گھر کے اکثر افراد پر واجب تو ہے لیکن صرف گھر کے سربراہ یا کسی ایک فرد کی طرف سے کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے بقیہ کی طرف سے وجوب ادا نہ ہونے کی بناء گناہ لازم آتا ہے اور اس بارے میں کسی سے پوچھنے یا اس علم کو سیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی جاتی لہذا اسی بات کے پیشِ نظر اس موضوع پر ایک ایسی کتاب لکھنے کا ذہن بنا جو نہ صرف عوام کے لئے مفید ہو بلکہ اسے عربی جزئیات سے مزیّن کیا جائے تا کہ علماء بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں اور اس کتاب میں، میں نے قربانی کے فضائل واحکام، اور اس کی اہمیت ومقصد کو بیان کیا اور اس اُمّت سے پہلے کی بعض قربانیوں کا تذکرہ بھی کیا اور قربانی کے جانور اور ان میں پائے جانے والے عیوب کا تذکرہ کیا تا کہ خریدار خریدتے وقت ان کا خیال رکھ سکے اور بیچنے والوں کے بیچنے کے برے حیلوں، بہانوں سے بچ سکے، اور ذبح کا سنت طریقہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ جانور کے کون کون سے اعضاء کھانا حلال نہیں اور مزید قربانی سے متعلق عقیقہ کی قربانی کے فضائل واحکام اور عیدین کے طریقہ واحکام اور ضمناً ختنہ کے احکام بھی بیان کر دیئے ہیں اور ان مسائل کو لکھنے میں فقہِ حنفی کی معتبر ومعتمد عربی واُردو کی کتابوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور جہاں کہیں تفصیل کی ضرورت سمجھی تو اس مسئلے کو مفصل بیان کیا۔

اور اپنی طرف سے تمام مسائل کو کافی غور وخوض کے ساتھ لکھا ہے اور پروف ریڈنگ کا بھی اہتمام کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اگر کہیں کسی طرح کی بھی کوئی غلطی نظر آئے تو رہنمائی ضرور فرما دیجیئے گا تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اسے درست کر لیا جائے، ان شاء اللہ عزوجل شکریہ کے ساتھ رجوع کرنے والا پائیں گے۔

ابوالفیضان عرفان احمد مدنی

۱۱ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ/ ۷ ستمبر ۲۰۱۴ء

پہلا باب:

قربانی کی اہمیت

قربانی حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتِ مبارکہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت کے لئے باقی رکھی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔

چنانچہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ [1]

ترجمہ: ''اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔''

اور سورۃ الانعام میں ارشاد ہوا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [2]

ترجمہ: ''تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو ربّ سارے جہان کا۔''

قربانی تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے تو اب اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمارے جانوروں کے گوشت، پوست، کھال اور بالوں کی کیا حاجت ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

---

[1] پارہ 30، سورت کوثر، آیت 2

[2] پارہ 8، سورت الانعام، آیت 162

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ [1]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کو ان (جانوروں) کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے البتہ تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے''۔

اس آیت میں جہاں زمانۂ جاہلیت کے ان کفار کا رد کیا گیا جو اپنی قربانیوں کے خون سے کعبۂ معظّمہ کی دیواروں کو آلودہ کرتے اور اس عمل کو سببِ تقرب جانتے تھے وہیں پر یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ قربانی کرنے والے صرف نیت کے اخلاص اور شروطِ تقویٰ کی رعایت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتے ہیں یعنی ہماری قربانیوں سے مقصود صرف ہمارا خلوص اور تقویٰ ہے اور ہمارے اندر جذبۂ اطاعت اور ایسے اخلاقی خصائل کو بیدار کرنا ہے کہ جس کی بناء پر ہم ہر وقت دوسروں کی مدد کے لئے تیار رہیں اور دوسروں کے لئے اپنی جان و مال کی قربانی کے لئے جذبۂ ایثار سے کام لیں اور جب بھی اسلام کو ضرورت پڑے اپنی قیمتی سے قیمتی چیز کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کریں لہذا عملی اعتبار سے تقوی اور دل میں خلوص جتنا زیادہ ہوگا بارگاہِ خداوندی میں ہماری قربانیوں کی قبولیت کا شرف بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔لہذا قربانیاں خوش دلی سے کرنی چاہیے۔

قربانی سے مقصود اللہ تعالیٰ کا ذکر اور عبادت

اور اسی طرح جہاں ہماری قربانیوں سے مقصود ہمارا خلوص اور تقویٰ ہے وہیں ان کا ایک مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت بھی ہے جس کے بارے میں قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ

[1] پارہ 17، سورۃ الحج، آیت 37

بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ [1]

ترجمہ: ''ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی مقرر کی تا کہ وہ ان جانوروں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کریں جو انہیں عنایت ہوئے ہیں۔''

اس آیۂ مبارکہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ قربانی کا مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر اوراس کی عبادت ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جتنی بھی ہدایت یافتہ اُمّتیں گزری ہیں ان کی طرف تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان اُمّتوں کی طرف یہ حکم پہنچادیا کہ میرے ذکر کے لئے میری راہ میں اپنے جانوروں کی قربانیاں پیش کرواوروہ لوگ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی رضا کی خاطراس کی راہ میں قربانیاں پیش کرتے رہے ہیں۔

تاریخِ انسانی میں قربانی کا وجود

اگرہم تاریخ انسانی کے کسی بھی دور کی طرف غور کریں توہمیں ہردور میں بایں صورت قربانی کا وجودنظرآتا ہے کہ ہرقوم، ہرقبیلے، ہرمعاشرے نے اپنے اپنے مذہبی رسم ورواج اورعقائدونظریات کے مطابق اسے اپنائے رکھا لہٰذا ہم اس باب میں بطورِمثال نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مبعوث ہونے سے پہلے کی اُمتوں کی چندایک ظاہری ومعنوی قربانیوں کا تذکرہ کریں گے۔

سب سے پہلی قربانی کس نے کی؟

سب سے پہلی قربانی حضرتِ آدم علیہ السّلام کے دوبیٹوں نے پیش کی تھی۔

ارشادِباری تعالیٰ ہے:

---

[1] پارہ 17، سورۃ الحج، آیت 34

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (۲۷) "

لَىٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۸)

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ (۲۹) "[1]

ترجمہ: ''اورانہیں پڑھ کرسناؤ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز (قربانی) پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی بولا قسم ہے میں تجھے قتل کردوں گا کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔(27) بیشک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک سارے جہاں کا۔(28) میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلے پڑے تو تو دوزخی ہوجائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے''۔(29)

تفسیر روح البیان، صراط الجنان اورخزائن العرفان وغیرہا کتب میں اس آیت کے تحت فرمایا: ''تاریخ کے علماء کا بیان ہے کہ حضرتِ حواء رضی اللہ عنہا کے ہر حمل میں ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا اور چونکہ انسان صرف حضرتِ آدم علیہ السلام کی اولاد میں منحصر تھے تو آپس میں نکاح کرنے کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہ تھی۔

---

[1] پارہ6، سورۃ المائدہ، آیت 27تا29

اسی دستور کے مطابق حضرتِ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''قابیل'' کا نکاح ''لیوذا'' سے جو''ہابیل'' کے ساتھ پیدا ہوئی تھیں اور''ہابیل'' کا''اقلیما'' سے جو قابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی کرنا چاہا۔قابیل اس پر راضی نہ ہوا اور چونکہ اقلیما زیادہ خوبصورت تھی اس لئے اس کا طلبگار رہا۔

حضرتِ آدم علیہ السلام نے فرمایا کیونکہ وہ تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے لہٰذا وہ تیری بہن ہے، اس کے ساتھ تیرا نکاح حلال نہیں۔تو قابیل کہنے لگا''یہ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا۔تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر تم یہ سمجھتے ہو تو تم دونوں قربانیاں لاؤ، جس کی قربانی قبول ہو جائے وہی اقلیما کا حق دار ہے۔

اس زمانے میں جو قربانی مقبول ہوتی تھی آسمان سے ایک آگ اتر کر اس کو کھالیا کرتی تھی قابیل نے ایک انبار گندم اور ہابیل نے ایک بکری قربانی کے لئے پیش کی آسمانی آگ نے ہابیل کی قربانی کو لے لیا اور قابیل کے گندم کو چھوڑ دیا۔اس پر قابیل کے دل میں بہت بغض وحسد پیدا ہوا۔

اور جب حضرتِ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو قابیل نے ہابیل سے کہا کہ''میں تجھ کو قتل کروں گا۔ہابیل نے کہا: کیوں؟ کہنے لگا اس لئے کہ تیری قربانی مقبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اور تو اقلیما کا مستحق ٹھہرا، اس میں میری ذلت ہے۔تو ہابیل نے جواب دیا کہ''اللہ تعالیٰ صرف ڈرنے والوں کی قربانی قبول فرماتا ہے، تو متقی ہوتا تو تیری قربانی قبول ہوتی، یہ خود تیرے افعال کا نتیجہ ہے۔اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے ابتداء ہو حالانکہ میں تجھ سے قوی وتوانا ہوں یہ صرف اس لئے کہ میں اللہ

عزوجل سے ڈرتا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا یعنی میرے قتل کرنے کا گناہ اور تیرا گناہ یعنی جو اس سے پہلے تو نے کیا کہ والد کی نافرمانی کی، حسد کیا اور خدائی فیصلہ کو نہ مانا یہ دونوں قسم کے گناہ تیرے اوپر ہی پڑ جائیں تو تو دوزخی ہو جائے''۔[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۳۰) فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ (۳۱) "[2]

ترجمہ: ''تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔ تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپا تا تو پچھتا تا رہ گیا''۔

تفسیر صراط الجنان میں اس آیت کے تحت فرمایا:

''قابیل تمام گفتگو کے بعد بھی ہابیل کے قتل کرنے کے ارادے پر ڈٹا رہا اور اس کے نفس نے اسے اس ارادے پر راضی کر لیا، چنانچہ قابیل نے ہابیل کو کسی طریقے سے قتل کر دیا لیکن پھر حیران ہوا کہ اس لاش کو کیا کرے؟ کیونکہ اس وقت تک کوئی انسان مرا ہی نہ تھا۔ مدّت تک پشت پر لادے پھرتا رہا۔ پھر جب اسے لاش کو چھپانے کا کوئی طریقہ سمجھ نہ آیا تو اللہ عزوجل نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کرید رہا تھا، چنانچہ یوں ہوا کہ دو کوے آپس میں لڑے ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار

---

[1] ملخص از تفسیر روح البیان، صراط الجنان، خزائن العرفان

[2] پارہ 6، سورۃ المائدہ، آیت 30،31

ڈالا۔ پھر زندہ کوے نے اپنی مِنقار یعنی چونچ اور پنجوں سے زمین کو کرید کر گڑھا کھودا، اس میں مرے ہوئے کوے کو ڈال کر مٹی سے دبا دیا۔ یہ دیکھ کر قابیل کو معلوم ہوا کہ مردے کی لاش کو دفن کرنا چاہیے چنانچہ اس نے زمین کھود کر دفن کر دیا''۔[1]

انہیں آیات کے تحت تفسیر مظہری، خازن اور قرطبی وغیرہا کتب میں ہے کہ ہابیل نے قابیل سے کہا کہ تم اس برے ارادے سے باز آ جاؤ ورنہ بہت خسارہ اٹھاؤ گے لیکن اسے چین نہ آیا اور صرف نسوانی حسن کے لالچ میں آ کر اس نے اپنے سگے بھائی کو قتل کر دیا اور دوزخیوں میں سے ہوگیا۔ یوں یہ روئے زمین پر پہلا قاتل تھا اور یہ پہلی قربانی تھی جو خدا کی بارگاہ میں پیش کی گئی۔[2]

روئے زمین پر قتل کا موجد اور ہر قتل پر گناہ

چونکہ روئے زمین پر قتل کا موجد قابیل تھا اس لئے روایتوں سے یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا میں جو بھی شخص کسی کو ظلماً قتل کرے گا اس کا گناہ جہاں اس قاتل کو ہوگا وہیں پر ایک حصہ قابیل کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے:

قال النبی صلی اللہ علیه وسلم لاتقتل نفس ظلماً الاکان علی ابن اٰدم الاول کفل من دمھا وذلك لانه اوّل من سنّ القتل

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس جان کو بطورِ ظلم قتل کیا جاتا ہے تو حضرتِ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قابیل) کے حصے میں اس کا خون ہوتا ہے کیونکہ اس نے قتل کے طریقہ کا آغاز کیا تھا۔[3]

---

[1] تفسیر صراط الجنان، ج2، ص417، 418

[2] خازن، ج1، ص584

[3] صحیح مسلم، ج2، ص60

ہر اُمّت کے لیے قربانی کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ [1]

ترجمہ: ''اور ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی مقرر کی تا کہ وہ ان جانوروں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کریں جو انہیں عنایت ہوئے ہیں۔''

اس آیۂ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جتنی بھی ہدایت یافتہ اُمّتیں گزری ہیں ان کی طرف تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام کے وسیلے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان اُمّتوں کی طرف یہ حکم پہنچا دیا کہ میرے ذکر کے لئے میری راہ میں اپنے جانوروں کی قربانیاں پیش کرو اور وہ لوگ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں قربانیاں پیش کرتے رہے ہیں۔

حضرتِ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی

حضرتِ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بھی قربانی کا عام رواج تھا۔

چنانچہ دائرۃ المعارف القرآن العشرین میں ہے:

وبنی نوح مذبحاً قرب فیه الی الله حیوانات کثیرة

ترجمہ: حضرتِ نوح علیہ السلام نے ایک ذبح خانہ بنا رکھا تھا جس میں آپ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کثیر جانوروں کی قربانی کیا کرتے تھے۔[2]

---

[1] پارہ 17، سورۃ الحج، آیت 34

[2] دائرۃ المعارف القرن العشرین

حضرتِ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی

حضرتِ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میرا گھر بیت المقدس تعمیر کرو تو حضرتِ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دورِ مبارک میں اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا لیکن وہ اس کو مکمل نہ کر سکے۔ عمر کا آخری حصہ تھا اور انہیں اس کے متعلق بہت زیادہ احساس اور فکر تھی کہ میں خانۂ خدا کی تکمیل نہیں کر سکا چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی ارشاد فرمایا کہ تم پریشان نہ ہو میں یہ کام تمہارے بیٹے سلیمان سے مکمل کرواؤں گا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرتِ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مبارک کام سونپا گیا اور آپ نے اس کی تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور جب تعمیر مکمل ہو چکی تو صاحبِ مجمع الزوائد فرماتے ہیں:

قرب القرابین وذبح الذبائح وجمع بنی اسرائیل [1]

یعنی اس وقت حضرتِ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور جانور ذبح کئے گئے اور خدا کی بارگاہ میں شکرانے کے طور پر قربانیاں پیش کی گئیں۔

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانیاں

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مبارک زندگی میں آزمائشوں کی بڑی بڑی کٹھن اور دشوار گزار وادیوں کو عبور کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے مختلف اوقات میں قربانیاں پیش کیں ان کی بعض قربانیاں بہت مشہور ہوئیں جن میں اعلانِ حق کی بناء پر آتشکدۂ نمرود میں جھونک دیئے جانا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح کو سننے کی غرض سے تمام مالِ حق کے اپنے آپ کو پیش کرنا، اور

---

[1] مجمع الزوائد، ج3، ص508

خاص طور پر عیدالاضحیٰ کے موقع پر حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے اس کی رضا کے لئے قربان کرنا چنانچہ حصولِ ثواب کی خاطر ان کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جان کی قربانی

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب کفار کے تمام بناوٹی خداؤں کو تباہ کر دیا اور بذریعۂ دلائل بھی ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو انہوں نے آپ سے انتقام لینے کے لئے سب سزاؤں سے سخت سزا تجویز کی اور آپ کو آگ میں جلانے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا:

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ [1]

ترجمہ: بولے اس کے لئے ایک عمارت چُنو پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔

یعنی اردگرد بہت بڑی دیوار بنا کر اس کے درمیان آگ جلا کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس میں ڈال دو۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ [2]

ترجمہ: بولے ان کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔

نمرود اور اس کے ماننے والوں کی بے وقوفی

ذرا غور تو کریں نمرود اور اس کے ماننے والے کیسے بے وقوف تھے کہ یہ بھی نہ سمجھ رہے تھے کہ جن بتوں کی ہم امداد کر رہے ہیں وہ خود اپنی کچھ مدد نہ کر سکے اور ابراہیم علیہ السلام نے انہیں توڑ دیا بھلا وہ خدا بننے کے کیسے قابل ہو سکتے ہیں؟

---

[1] پارہ 23، سورۃ الصّٰفّٰت، آیت 97

[2] پارہ 17، سورۃ الانبیآء، آیت 68

آگ کے اردگرد چاردیواری کی مقدار

آپ علیہ السلام کو آگ میں جلانے کے لئے جو چاردیواری بنائی گئی تھی اس کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ اس کی بلندی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) اور چوڑائی بیس ذراع (تیس فٹ) اور طول تیس ذراع (پینتالیس فٹ) تھا۔

تفسیر کبیر میں ہے:

قال ابن عباس بنوحائطامن حجر وله فی السماء ثلاثون ذراعاً و عرضه عشرون ذراعاً وملأوه ناراً فطرحوه فیها[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''انہوں نے پتھر کی ایک دیوار بنائی اور اس کی بلندی تیس ذراع (یعنی پینتالیس فٹ) اور چوڑائی بیس ذراع (یعنی تیس فٹ) رکھی اور اس کو انہوں نے آگ سے بھر دیا اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا۔

اور اسی آیت کے تحت ''تفسیر خزائن العرفان'' میں ہے:

پتھر کی تیس گز لمبی بیس گز چوڑی چاردیواری پھر اس کو لکڑیوں سے بھر دو اور ان میں آگ لگا دو یہاں تک کہ آگ زور پکڑے۔''[2]

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جلانے سے پہلے قید کر دیا اور پھر آگ جلانے کے لئے چار دیواری باڑہ کی طرح بنانی شروع کر دی جب باڑہ تیار ہو گیا تو پھر لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں ہر قسم کی لکڑیاں چالیس دن تک وہ سب لوگ جمع کرتے رہے یہاں تک کہ اگر کوئی بوڑھی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ بھی کہتی کہ اگر مجھے بیماری سے شفا حاصل ہو گئی تو میں بھی ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں لاؤں گی۔

---

[1] تفسیر کبیر، ج9، ص344

[2] خزائن العرفان

جب تمام لوگوں نے مل کر چالیس دن تک محنت کر کے کثیر مقدار میں لکڑیاں جمع کر لیں تو آگ جلا دی گئی آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرنے لگے اتنی عظیم اور شدید آگ تھی کہ اس کے اوپر سے فضا میں بھی کوئی پرندہ نہیں اڑ سکتا تھا۔

اور جب آگ بہت زیادہ شعلہ زن ہوگئی اس کی حرارت اتنی دور دور تک پھیل گئی کہ آگ کے قریب جانا کسی انسان کی طاقت میں نہ رہا تو وہ کفار حیران و پریشان ہوگئے کہ سب محنت ضائع جاتی ہوئی نظر آرہی ہے کیونکہ انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں کیسے ڈالا جائے؟ تو شیطان نے آکر ان کی رہنمائی کی کہ ایک منجنیق تیار کی جائے اور ابراہیم کو رسیوں سے جکڑ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا جائے۔

دنیا کی پہلی منجنیق

خیال رہے کہ سب سے پہلے دنیا میں یہی منجنیق (بڑے بڑے پتھر پھینکنے کا ایک آلہ) تیار کی گئی بعد میں اسی کو جنگوں میں استعمال کیا جاتا رہا اور منجنیق کے ذریعے پتھروں کو لوگوں کی طرف پھینکا جاتا رہا۔

حضرتِ ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب رسیوں سے باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو سوائے جنوں اور انسانوں کے اللہ تعالیٰ کی زمین و آسمان کی ساری مخلوق چلا اٹھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگی اے مولائے کائنات! زمین میں سوائے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی اور نہیں جو تیری عبادت کرے، اے اللہ! آج وہ تیرا نام لینے کی وجہ سے جلائے جارہے ہیں۔ زمین و آسمان کے فرشتے، جانور، وحوش وطیور سبھی یہ ماجرا دیکھ کر حیران و پریشان ہیں ربّ تعالیٰ کی حکمت سے بے خبر تھے، سوچ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ اللہ کا نام لینے والا تو آج جل جائے گا اب زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کون ہوگا؟

زمین وآسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ! ہمیں اجازت عطا فرما کہ ہم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کریں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت عطا فرمادی کہ اگر وہ تم سے مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تم ان کی مدد کرو اور اگر وہ میرے بغیر کسی اور سے مدد حاصل نہیں کرتے تو میں انہیں زیادہ جانتا ہوں میں ہی ان کا ولی ہوں،ان کا معاملہ مجھ پر ہی چھوڑ دو بے شک وہ میرے خلیل ہیں۔اس وقت تمام روئے زمین پر ان کے بغیر اور میرا کوئی خلیل نہیں اور میں ہی ان کا معبود ہوں میرے بغیر ان کا کوئی معبود نہیں۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہواؤں پر مقرر فرشتہ آیا اور وہ فرشتہ بھی حاضر ہوا جو پانیوں پر مقرر تھا ان دونوں نے عرض کی کہ کیا آپ ہمیں اجازت دیں گے کہ ہم آگ کو ختم کر دیں آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔

حسبی اللہ ونعم الوکیل

یعنی میرا اللہ مجھے کافی اور وہی بہتر کارساز ہے۔

آپ کے پاس حضرتِ جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کی کہ آپ کو میری مدد کی ضرورت ہو تو میں آپ کی مدد کروں آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔جبرائیلِ امین علیہ السلام نے کہا کہ اچھا تو پھر اپنے رب تعالیٰ سے ہی سوال کر لیں تو آپ نے فرمایا:

حسبی من سوالی علمه بحالی

یعنی وہ میرے حال کو جانتا ہے سوال کے بغیر ہی مجھے کافی ہے۔

سبحان اللہ! حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ پر کتنا بھروسہ تھا؟ فرشتوں سے مدد لینے کا انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے سوال بھی نہ کیا کہ آگ میں جانے سے پہلے ہی مجھے بچالے بس صرف ایک بات مدّ نظر تھی کہ ربّ تعالیٰ جس بات پر راضی ہے میں بھی اُسی پر راضی ہوں۔

جب کافروں نے آپ علیہ السلام کو باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ نے یہ الفاظ مبارکہ پڑھے:

لا الہ الا انت سبحانك لك الحمد ولك الملك لا شريك لك

یعنی تیرے بغیر کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے سب تعریفیں تیرے لئے ہی ہیں سب چیزیں تیری ہی ملک میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔

اس کے بعد کافروں نے آپ کو آگ میں پھینک دیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ [1]

ترجمہ: ہم نے فرمایا اے آگ! ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی والی ابراہیم پر۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کے ساتھ ساتھ سلامتی والی ہو جانے کا بھی حکم فرمایا تاکہ حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی قسم کا کوئی بھی نقصان نہ پہنچے۔

مسند امام احمد میں حضرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد مذکور ہے کہ ''اگر اللہ تعالیٰ آگ کو ''سَلٰمًا'' کا حکم نہ دیتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ سردی سے وفات پا جاتے۔

بعض روایات میں ہے: کہ جب حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ باہر باہر جلتی رہی لیکن حرارت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک نہ پہنچ سکی بلکہ آگ کے اندر ایک باغ بنا دیا گیا۔ یعنی جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے آپ کو پہلوؤں سے پکڑ کر ایک جگہ زمین میں بٹھا دیا جہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور ارد گرد گلاب، نرگس اور چنبیلی کے پودے اور پھول اپنا حسین

---

[1] پارہ 17، سورۃ الانبیآء، آیت 69

وجمیل منظر پیش کررہے تھے۔آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جس سے آپ کو باندھا گیا تھا اوران کے جلنے سے بھی آپ کو کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں ہوا۔[1]

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، اللہ کے خلیل ہیں

قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا[2]

ترجمہ: ''اوراللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا۔''

اس آیت کے تحت ''تفسیر نعیمی'' میں ''تفسیر روح البیان'' کے حوالے سے نقل کیا:

''اس میں حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کا ذکر ہے،آپ کی عظمت سے ملتِ ابراہیمی کی عظمت معلوم ہوتی ہے فاعل سے فعل کی اور منسوب الیہ سے منسوب کی عزت ظاہر ہوتی ہے''وَاتَّخَذَ''فعل ماضی ہے جس کے معنی ہیں کہ اوراللہ تبارک وتعالیٰ جناب ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا چکا۔[3]

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مال کی قربانی

ایک روایت کے مطابق آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل اللہ کا خطاب آپ کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے سبب ملا جیسا کہ تفسیر نعیمی میں ہے:

''آپ کے ہاں جانور بھیڑ، بکریاں، گائے اس قدر تھے کے ان کی حفاظت کے لیے پانچ ہزار کتے پالے گئے تھے،جن کے گلوں میں سونے کے پٹے تھے،ایک

---

[1] ملخص از تذکرۃ الانبیاء، ص135تا140

[2] پارہ5،سورۃ النساء،آیت125

[3] تفسیرِ نعیمی،ج،5ص431

فرشتہ بشکلِ انسانی ایک پہاڑ کے غار میں بیٹھ کر حمدِ الٰہی، بہ آوازِ بلند کرنے لگا ''سبوح قدوس ربنا و رب الملائکة والروح'' تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام آواز پر وہاں پہنچے اور بیٹھ کر سننے لگے، آپ کو وجد آ گیا، فرشتہ خاموش ہو گیا، آپ بولے یار کا ذکر اور سنا، وہ بولا اجرت دلوایئے، آپ نے اپنی ساری بکریاں اسے دے دیں، پھر اس نے کچھ ذکرِ الٰہی کیا، جب خاموش ہوا، آپ نے فرمایا: یار کا ذکر اور سنا، وہ بولا پہلی اجرت ختم ہو گئی اور اجرت لایئے، آپ نے اپنے سارے اونٹ دے دیئے، غرضیکہ اسی طرح باری باری سے جائیداد مکانات، جانور سب سامان دے دیا، آخرکار آپ نے فرمایا، اب تو مجھے اجرت میں لے لے اور ذکرِ یار سنا، تب فرشتے نے کہا آپ اللہ کے خلیل ہیں یعنی سب سے منقطع، اللہ سے واصل، اسی دن سے آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا۔ [1]

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہمان نوازی

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل اللہ کا خطاب آپ کی مہمان نوازی کے سلسلے میں پیش آنے والے ایک واقعہ کے تحت ملا جیسا کہ تفسیر نعیمی میں ہے:

تفسیر کبیر، روح المعانی اور روح البیان میں ہے کہ مصر میں آپ کا ایک دوست تھا جس سے آپ اپنے مہمانوں کے لیے گندم، آٹا وغیرہ منگایا کرتے تھے، آپ کا گھر مہمانوں کا مرکز تھا، لبِ سڑک گھر تھا، ہر راہ گیر آپ کا مہمان ہوتا تھا، اکثر اوقات مہمانوں کے میلے لگے رہتے تھے، ایک بار ملک میں قحط پڑ گیا، گندم کی بہت قلت ہو گئی آپ نے اپنے غلام اور اونٹ اس مصری بیوپاری کے ہاں گندم کے لیے بھیجے وہ بولا اگر صرف ابراہیم اپنے واسطے گندم منگاتے، میں دے دیتا، ان کے

---

[1] تفسیر نعیمی، جلد 5، صفحہ 431

بے پناہ مہمانوں کے لائق میرے پاس گندم نہیں، گندم کی ملک میں بہت تنگی ہے غلاموں نے سوچا کہ اگر خالی اونٹ ہم لے گئے تو مہمان دیکھ کر بہت مایوس ہوں گے، لاؤ ریتے سے بوریاں بھرلو تاکہ مہمان بھرے بورے، لدے اونٹ دیکھ کر کچھ تو مطمئن ہوجائیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، جب جناب ابراہیم کے گھر میں اونٹ پہنچے تو مہمانوں، مسافروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ آٹا آگیا یہ بورے گھر میں پہنچا دیئے گئے اور یہ غلام سو رہے، بی بی سارہ اسے آٹا سمجھ کر اٹھیں، بوریاں کھولیں تو سب میں نہایت نفیس گندم کا آٹا تھا چنانچہ پراٹھے، شیر مال، روٹیاں لنگر کے لیے پکنے لگے، جب جناب ابراہیم بیدار ہوئے کھانے کی خوشبو پاکر بی بی سارہ سے پوچھا آٹا کہاں سے آیا؟ بولیں تمہارے مصری خلیل کے ہاں سے، آپ بولے نہیں بلکہ میرے عرشی خلیل، ربِّ جلیل کے ہاں سے آیا ہے، یہ لفظ ربّ تعالیٰ کو ایسا پیارا لگا کہ اس دن سے آپ کو خلیل اللہ کا خطاب دیا گیا۔[1]

حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتدائی طور پر نمرودی قوم سے ہجرت کر کے اپنے چچا ہاران کے پاس حران میں آگئے۔ ہاران نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیک بختی دیکھ کر اپنی بیٹی سارا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضرتِ سارہ بہت ہی خوبصورت عورت تھیں، مردوں میں حضرتِ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عورتوں میں حضرتِ سارہ رضی اللہ عنہا بہت حسین ہوئیں، بلکہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرتِ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دادی حضرتِ سارہ رضی اللہ عنہا کے حسن سے ہی حسن ملا تھا۔

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں بھی اپنا سلسلۂ تبلیغ جاری

---

[1] تفسیر نعیمی، جلد 5، ص 431

رکھا اسلئے آپ کے چچا ہاران نے بھی آپ کو گھر سے نکال دیا۔ دورانِ ہجرت راستہ میں مصر کے ظالم بادشاہ کا واقعہ پیش آ گیا اور حضرتِ سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرتِ ہاجرہ عطا کی گئیں۔ ہجرت کرنے والا قافلہ جب حران سے چلا تھا تو صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا، ایک حضرتِ ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، دوسری حضرتِ سارہ رضی اللہ عنہا اور تیسرے حضرتِ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام، اس قافلہ کے افراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے اس وقت صرف یہی تھے۔ راستہ میں جب حضرت ہاجرہ انہیں مل گئیں تو پھر یہ چار افراد ہو گئے جو کہ تمام ہی اللہ کو ماننے والے تھے۔

مصر سے جب یہ چار افراد چل کر فلسطین پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کی قدر و منزلت کو سمجھا، اور ان کے آنے کو باعثِ برکت جانا اور بہت سی زمین آپ کی خدمت میں بطورِ نذرانہ پیش کی۔ اس زمین کی کھیتی باڑی سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت برکت عطا فرمائی، آپ کے پاس غلہ اور جانور کافی مقدار میں ہو گئے، آپ نے مسافروں اور غرباء کو رہنے اور کھانے کے لئے سہولیات عطا کیں اس طرح مہمان نوازی میں آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا۔

ایک دن حضرتِ سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ضروریاتِ دنیا میں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور رہنے کے مکانات کی تو کوئی کمی نہیں۔ البتہ اولاد کی کمی ہے، اسلئے آپ ہاجرہ سے نکاح کر لیں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد سے نواز دے یعنی ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ ہمارے لئے تسکین وراحت کا سبب بن جائے اس طرح حضرتِ سارہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر حضرتِ ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا۔[1]

حضرتِ ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی

---

[1] ملخص از تذکرۃ الانبیاء، ص 155 تا 156

بارگاہ میں دُعا کی کہ اے اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔

چنانچہ ارشاد ہوا:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○[1]

ترجمہ: الٰہی مجھے لائق اولاد دے تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی اس میں تین مطالبے تھے کہ اے اللہ! اولادِ نرینہ یعنی مذکر اولاد عطا فرما، اور وہ عقلمندی کی عمر تک پہنچے اور لائق و بردبار ہو۔ حضرتِ ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی حلیم، اور بیٹا بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حلیم عطا فرمایا جیسا کہ اوپر آیتِ مبارکہ سے ثابت ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ[2]

ترجمہ: بے شک ابراہیم ضرور بہت آہیں کرنے والا متحمل (بردبار) ہے۔

یعنی ابراہیم ''کثیر الدعا متضرع'' (بہت زیادہ دُعا اور اظہارِ عجز وخشوع کرنے والا ہے)۔[3]

اس سے پہلی آیتِ مبارکہ میں یہ ذکر ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک حلیم، عقلمند، بردبار بیٹے کی بشارت دی تو جب یہ بیٹا اس عمر کو پہنچا کہ اپنے والد محترم کے ساتھ مل کر کام کرے اور ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انہیں قربان کرنے کا حکم ہوا اور اس امتحان سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ ہم نے انہیں اتنا عظیم، صابر

---

[1] پارہ 23، سورۃ الصفٰت، 100، 101

[2] پارہ 11، سورۃ التوبہ، آیت 114

[3] خزائن العرفان، تحت الآیۃ

اور بردبار بیٹا عطا کیا ہے کہ جس نے اتنے بڑے امتحان کو صبر اور خندہ پیشانی سے پاس کیا۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ [1]

ترجمہ: پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا، کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماہِ ذوالحجہ کے سات دن گزر جانے پر رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے'' آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تردّد میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے؟ یا خواب فقط خیال تو نہیں۔ اسی وجہ سے آٹھ ذوالحجہ کا نام ''یوم الترویہ'' (یعنی سوچ بچار کا دن) رکھا گیا، آٹھ (8) تاریخ کا دن گزر جانے پر رات پھر خواب دیکھا، صبح یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ہے اسی لئے نو (9) ذوالحجہ کو ''یوم عرفہ'' (یعنی پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے، اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر آپ نے صبح اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا لہٰذا دس (10)

---

[1] پارہ 23، سورۃ الصفٰت، آیت 102

ذوالحجہ کو "یوم النحر" (یعنی ذبح کا دن) کہا جاتا ہے۔[1]

اس آیت:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ الخ"[2] کی تفسیر میں "الفتوحات الالٰہیۃ" میں ہے:

انه رأى ليلة التروية ان قائلاً يقول له ان الله يأمرك بذبح ابنك فلما اصبح فكر في نفسه انه من الله او من الشيطٰن فلما امسى رأى مثل ذلك فعرف انه من الله تعالىٰ ثم رأى مثله في الليلة الثالثة فهم بنحره

یعنی حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 8 ذوالحجہ کی رات میں خواب دیکھا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹے کے ذبح کرنے کا آپ کو حکم دیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ فکرمند ہوئے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے۔ جب دوسری رات اسی طرح کا خواب پھر دیکھا تو یقین ہوگیا کہ بیٹے کے ذبح کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ تیسری رات پھر اسی طرح کا خواب آپ نے دیکھا تو حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کا ارادہ فرمایا اور ان سے کہا کہ اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔[3]

صرف خواب کی بنیاد پر بیٹے کو قربان کرنے کی وجہ

صرف خواب کو بنیاد بناتے ہوئے بیٹے کو ذبح کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب حق ہوتے ہیں اور ان کے افعال اللہ تبارک

---

[1] تفسیر کبیر، ج9، ص346

[2] پ23، سورۃ الصٰفٰت، آیت102

[3] الفتوحات الالٰهيه، ج6ص345، زیرِ آیت

وتعالیٰ کے حکم سے ہوا کرتے ہیں۔

تفسیر جلالین میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں ہے:

رؤیا الانبیاء حق وافعالھم بامر اللہ تعالیٰ

ترجمہ: ابنیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب حق ہوتے ہیں اوران کے کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتے ہیں۔[1]

تفسیر خزائن العرفان میں ہے:

اورانبیاء علیہم السلام کی خواب حق ہوتی ہے اوران کے افعال بحکمِ الٰہی ہوا کرتے ہیں۔[2]

لٰہذا جب انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب حقیقت ہی پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کا ہر کام اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے تو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کا حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی وحی اوراس کے حکم سے ہی تھا۔

قربانی کے وقت حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر

قربانی کے وقت آپ کی عمر مبارک کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں جن میں سے بعض اہلِ علم حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس وقت حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی۔

تفسیرِ کبیر میں ہے:

قال بعضھم کان فی ذالك الوقت ابن ثلاث عشرۃ سنة

یعنی بعض اہل علم نے کہا کہ ذبح کا واقعہ درپیش آنے کے وقت حضرتِ

---

[1] تفسیر جلالین مع تفسیر جمل، ج6ص345،زیرِآیت

[2] تفسیر خزائن العرفان، زیرِآیت 102، سورۃ الصفٰت

اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ برس تھی۔[1]

بیٹے سے ذبح پر اس کی رائے پوچھنے کی وجہ

آیت میں فرمایا کہ آپ نے اپنے بیٹے کو خواب سنایا کہ میں نے دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اور پھر اس سے اس کی رائے پوچھتے ہوئے کہا

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی[2]

ترجمہ: اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا تا کہ وہ از خود اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کے لئے تیار ہو جائے اور اسے اس قربانی سے کسی بھی طرح کی وحشت نہ ہو اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں کتنا صابر ہے۔

تفسیر خزائن العرفان میں اس آیت کے تحت بیان ہوا:

''یہ آپ نے اس لئے کہا تھا کہ فرزند کو ذبح سے وحشت نہ ہو اور اطاعتِ امرِ الٰہی کے لئے وہ برغبت تیار ہو۔ چنانچہ اس فرزند ارجمند نے رضائے الٰہی پر فدا ہونے کا کمالِ شوق سے اظہار کیا''۔[3]

اس فرمانبردار اور صابر و شاکر بیٹے نے راہِ خدا عزوجل میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے اپنے شوق اور کمالِ رغبت کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کیا۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] تفسیر کبیر، ج 9، ص 346

[2] سورۃ الصّٰفّٰت، پ 23، آیت 102

[3] تفسیر خزائن العرفان، تحت الآیۃ

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ [1]

ترجمہ: کہااے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدانے چاہاتو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

حجاج کا شیطان کو کنکریاں مارنا سنتِ ابراہیمی

حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب والدِ محترم کے سامنے برغبت اس قربانی کے موقع پر اپنے صابروشاکر رہنے کا اظہار کردیا تو حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر قربان کرنے کے لئے گھر سے لے کر منیٰ کی طرف نکلے کیونکہ یہ واقعہ منیٰ میں ہوا تو راستے میں شیطان نے انہیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے سے بہکانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

حضرتِ قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''شیطان نے حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اورآپ کے بیٹے پر کامیاب ہونے کا ارادہ کیا تو ایک دوست کی شکل میں آپ کو روکنے کے لئے آیا لیکن کامیاب نہ ہوسکا پھر آپ کے بیٹے حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ان پر بھی اس کا داؤ نہ چل سکا تو اس نے بہت بڑا موٹا تازہ بن کروادی کو بھر دیا تاکہ آپ اس سے آگے نہ جاسکیں۔

حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک فرشتہ تھا جس نے آپ سے کہا کہ اسے ماریں تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ راستے سے ہٹ گیا، دوبارہ پھر آگے آنے کی کوشش کی تو آپ نے پھر کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹادیا، پھر تیسری مرتبہ اسی طرح آگے آکر راستہ بند کردیا تو آپ نے پھر اسی طرح

---

[1] سورۃ الصٰفٰت، پ23، آیت 102

سات کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا۔[1]

سبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ادائیں ایسی پسند آئیں کہ اس سنتِ ابراہیمی پر عمل کو کعبۃ اللہ کا حج کرنے والوں کے لئے لازم کر دیا اور اسے اس عظیم عبادت (حج) کا ایک حصہ بنا دیا۔

ذبح سے پہلے بیٹے کا باپ کو مشورہ

ذبح سے پہلے حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والدِ محترم حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے کہا کہ اے ابا جان! ذبح سے پہلے مجھے باندھ دیں کہیں میرا تڑپنا گرانی کا باعث نہ بنے، اپنے کپڑوں کو مجھ سے بچا کر رکھئیے گا تاکہ آپ کے کپڑے میرے خون سے آلودہ نہ ہوں اور میری والدۂ محترمہ انہیں دیکھ کر کہیں پریشان نہ ہوں، میرے حلق پر چھری جلدی جلدی چلایئے گا تاکہ مجھ پر موت آسانی سے واقع ہوجائے، جب میری والدۂ محترمہ کے پاس جائیں تو میرا سلام دیجئے گا۔

ان باتوں کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور باپ نے بیٹے کا بوسہ لیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کی۔

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ[2]

ترجمہ: اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں اپنے لختِ جگر کو ماتھے کے بل لٹایا اور پھر اس کے گلے پر چھری چلائی، قدرت الٰہی کہ چھری نے

---

[1] تفسیر روح المعانی، ج23، ص175

[2] پارہ23، سورۃ الصفٰت، آیت103

کچھ کام نہ کیا اور ارشاد ہوا:

وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝[1]

ترجمہ: اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم! (104) بیشک تو نے خواب سچ کر دکھائی ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو (105) بے شک یہ روشن جانچ تھی (106) اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے صدقہ میں دے کر اسے بچالیا (107) اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی (108)۔

حضرتِ جبرائیل علیہ السلام، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک موٹا تازہ سینگوں والا سفید سیاہی مائل دنبہ لے کر حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنبے کو حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ دے دیا گیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح ہونے سے بچا کر بھی ذبح ہوجانے کا اجروثواب عطا کیا گیا اور تاقیامت آپ کو ذبیح اللہ (اللہ کی رضا کیلئے ذبح ہونے والا) کے لقب سے متصف کر دیا گیا۔[2]

حضرتِ جبرائیل علیہ السلام جب یہ فدیہ لے کر آئے تو خیال کیا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں جلدی نہ کردیں تو آپ نے پڑھا: اللہ اکبر اللہ اکبر" حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب آسمانوں کی طرف سر اُٹھا کے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام فدیہ لے کر آرہے ہیں تو پڑھا: "لاالہ الااللہ واللہ اکبر" جب حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنا تو آپ نے پڑھا: اللہ اکبر وللہ الحمد"

ان تینوں حضرات کے مجموعۂ کلام کو تکبیراتِ تشریق کی صورت میں تاقیامت

---

[1] پارہ 23، سورۃ الصٰفٰت، آیت 104 تا 109

[2] ملخص از روح المعانی، ج23 ص174

نمازیوں پر ماہِ ذوالحج کی نو تاریخ کی نمازِ فجر سے لیکر تیرہ تاریخ کی نمازِ عصر تک واجب کر دیا گیا تاکہ یہ یادگار قائم رہے۔

یاد رہے کہ تفسیرِ مدارک میں دوسرا کلام حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، اور تیسرا کلام حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذکور ہے۔

سبحان اللہ! حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کا فعل اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اتنا محبوب ہوا کہ تا قیامت صاحبِ نصاب اور اہلِ ثروت حضرات اس سنت کو ادا کرتے رہیں گے۔[1]

دورِ ابراہیمی کی قربانیاں

دائرۃ المعارف القرن العشرین میں ہے:

کان الناس علی عهد ابراهیم یذبحون الذبائح ثم یحرقونها

ترجمہ: حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں لوگ (قربانی کے) جانور ذبح کر کے جلا دیتے تھے۔[2]

بنو اسرائیل کی قربانیاں

بنو اسرائیل کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال نہ فرمایا تھا اس لئے وہ لوگ جب بھی کوئی جنگ یا جہاد کرتے تو مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہونے والا مال و دولت، سیم و زر اور جانور وغیرہ ایک جگہ پر لا کر رکھ دیتے تھے اور اسی طرح جب بھی کوئی شخص قربانی پیش کرنا چاہتا تھا تو اس کا طریقۂ کار بھی یوں تھا کہ وہ نفیس ترین گندم یا محبوب ترین دُنبہ وغیرہ کسی کمرے میں لا کر رکھ دیتا جس کی چھت کا منہ

[1] ملخص از تذکرۃ الانبیاء، ص168

[2] دائرۃ المعارف القرن العشرین، ج7، ص736

کھلا ہوتا، اوراس وقت کے نبی علیہ السلام کمرے کے اندر تشریف فرما ہوتے اور بنی اسرائیل کمرے سے باہر اردگرد کھڑے ہوتے اور وہ نبی علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلام ہوتے اور دُعا والتجا فرماتے تو خدا تعالیٰ ان کی دُعا قبول فرماتا اور آسمان سے ایک آگ اترتی جسمیں دُھواں وغیرہ نہیں ہوتا تھا صرف کڑک کی آواز سنائی دیتی اوروہ آگ اس مالِ غنیمت یا قربانی اور گندم کے ڈھیر کو جلا کر راکھ بنا دیتی تھی۔ آگ کا اس قربانی کو جلانا قربانی کی قبولیت کی علامت ہوتا تھا اور اگر آگ اس قربانی کو نہ جلاتی تو یہ عدمِ قبولیت کی نشانی ہوا کرتی تھی۔[1]

وہ مالِ غنیمت جو بنو اسرائیل کے لئے حلال نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ اسلام پر اسے حلال کر دیا۔

صحیح مسلم میں ہے:

حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم احلت لى الغنائم ولم تحل لاحد قبلى

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے وہ کسی کے لئے حلال نہ تھا۔[2]

اس حدیثِ مبارک کے تحت مرآۃ المناجیح میں ہے:

''پچھلے دینوں میں جہاد تھے اوران جہادوں میں مالِ غنیمت بھی حاصل کیا جاتا تھا مگر یہ مالِ غنیمت کسی پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا اگر اس میں کچھ غبن نہ ہوتا تو غیبی آگ آتی اور اسے کھا جاتی اگر ذرّہ بھر بھی غبن ہوتا تو آگ نہ آتی ہمارے

---

[1] از تفسیر خازن، ج1، ص113، تفسیر مظہری، ج3، ص81

[2] صحیح مسلم، ج1، ص199

دین میں غنیمت کا مال مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے یوں ہی قربانی کا گوشت دوسرے دینوں میں کھایا نہیں جاتا تھا بلکہ پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا جسے آگ کھا جاتی تھی اسلام میں قربانی کرنے والا بھی اور دوسرے بھی کھا سکتے ہیں"۔[1]

مشرکین کی قربانیاں

زمانۂ جاہلیت میں مشرکین مکہ کے قربانی کرنے کے کئی طریقے تھے جن میں سے قرآنِ مجید میں بیان کردہ دو طریقے بیان کئے جاتے ہیں:

(۱) زمانۂ جاہلیت میں مشرکین کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی کھیتیوں اور درختوں کے پھلوں اور چوپایوں اور تمام مالوں میں سے ایک حصہ تو اللہ کا مقرر کرتے تھے اور ایک حصہ بتوں کا تو جو حصہ اللہ کے لئے مقرر کرتے تھے اس کو تو مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کردیتے تھے اور جو بتوں کے لئے مقرر کرتے تھے وہ خاص اُن پر اور ان کے خادموں پر صرف کرتے، جو حصہ اللہ کے لئے مقرر کرتے اگر اس میں سے کچھ بتوں والے حصہ میں مل جاتا تو اُسے چھوڑ دیتے اور اگر بتوں والے حصہ میں سے کچھ اس میں ملتا تو اس کو نکال کر پھر بتوں ہی میں شامل کردیتے تو اللہ تعالیٰ نے آیت میں ان کی جہالت اور بدعقلی کا ذکر فرما کر ان پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ انتہا درجہ کے جہل میں گرفتار ہیں خالقِ مُنعم کی عزت وجلال کی انہیں ذرا بھی معرفت نہیں اور فسادِ عقل اس حد تک پہنچ گیا کہ انہوں نے بے جان بتوں پتھر کی تصویروں کو کارسازِ عالم کے برابر کردیا اور جیسا اس کے لئے حصہ مقرر کیا ایسا ہی بتوں کے لئے بھی کیا۔ بیشک یہ بہت ہی بُرا فعل اور انتہا کا جہل اور عظیم خطاء ضلال (گمراہی) ہے۔[2]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج8، ص28

[2] خزائن العرفان

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآىِٕهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآىِٕهِمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝ [1]

ترجمہ: اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ان میں اسے ایک حصہ دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا تو وہ جوان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

(۲) اہلِ جاہلیت نے کعبہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ بُت نصب کئے تھے جن کی وہ عبادت کرتے اور ان کے لئے ذبح کرتے تھے اور اس ذبح سے ان کی تعظیم وتقرب کی نیت کرتے تھے۔ اور ان کے خون، گوشت بھی ان پر رکھ چھوڑتے اور خیال کرتے تھے کہ جب تک ایسا نہ کیا جائے تو ہماری قربانی قبول نہیں ہوتی۔

اس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ [2]

ترجمہ: اور جو کسی تھان (باطل معبودوں کے مخصوص نشانات) پر ذبح کیا گیا۔

حضرتِ عبدالمطلب کی قربانی

کتب سیر وتاریخ میں یہ بات موجود ہے کہ:

''حضرتِ عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں دس بیٹوں سے نوازا اور وہ سب کے سب جوان ہمت اور صحت مند ہوئے تو میں ایک بیٹے کو راہِ خدا میں قربان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرتِ عبدالمطلب کی مراد

---

[1] پارہ 8، سورۃ الانعام، آیت 136

[2] پارہ 6، سورۃ المائدہ، آیت 3

پوری ہوئی اور پھر جب سب سے چھوٹے بیٹے حضرتِ عبداللہ کی عمر تقریباً اٹھارہ یا بیس سال کی ہوئی تو آپ نے اپنے تمام بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور اپنی مانی ہوئی نذر کا قصہ سنایا۔سب بیٹوں نے عرض کیا کہ ہماری جانیں حاضر ہیں جسے آپ چاہیں قربان کرلیں چنانچہ پھر آپ خوشی خوشی اُٹھے اور بیت اللہ شریف میں فال نکالنے والے آدمی کے پاس چلے گئے تا کہ وہ فال نکلے اور جسکے نام قرعہ نکلے اسے راہِ خدا میں قربان کردیا جائے۔اتفاق سے قرعہٗ فال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام سے نکلا۔

حضرتِ عبداللہ رضی اللہ عنہ سب سے پیارے بھی تھے اور حسن وجمال کے پیکر بھی تھے لیکن آپ کے دل میں ذرا بھی نرمی پیدا نہ ہوئی کیونکہ معاملہ حضرتِ عبدالمطلب اور خدا تعالیٰ کا تھا چنانچہ حضرتِ عبدالمطلب نے چھری پکڑلی، آستینیں چڑھالیں اور حضرتِ عبداللہ کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔جونہی سردارانِ قریش کو معلوم ہوا وہ دوڑے دوڑے آئے اور کہنے لگے عبدالمطلب یہ کیا کرنے لگے ہو اپنے نورِ نظر، لختِ جگر اور چاند سے زیادہ حسین بیٹے کو ذبح کرنے لگے ہو۔نہیں نہیں ہم تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے تو آپ نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرا اور میرے پروردگار کا ہے لہٰذا تم کون ہوتے ہو اس میں دخل دینے والے؟

تو انہوں نے منت سماجت شروع کردی آخر کار بات یہ طے ہوئی کہ حجاز کی سجاح نامی عرافہ کے پاس جاؤ وہ جو فیصلہ کرے گی اسکو سب تسلیم کریں گے چنانچہ اس نے ایک دن کی مہلت کے بعد قریش سے پوچھا کہ تمہارے مقتول کی دِیت کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ دس اُونٹ۔تو وہ کہنے لگی کہ تم واپس چلے جاؤ اور ایک طرف دس اُونٹ کھڑے کردینا اور دوسری طرف عبداللہ کو پھر فال نکالنا اگر قرعہ اُونٹوں کے نام کا نکلے تو ان کو ذبح کردینا تمہاری منت پوری ہوجائے گی اور اگر قرعہ عبداللہ کے نام

کا نکلے تو پھر دس دس اُونٹ ہر مرتبہ بڑھاتے جانا اور جب اُونٹوں کے نام کا قرعہ نکلے تو انہیں ذبح کردینا تمہاری منت پوری ہوجائے گی چنانچہ وہ قافلہ یہ فیصلہ لے کر مکہ پہنچ گیا اور عرافہ کی ہدایت کے مطابق قرعہ اندازی کا سلسلہ شروع ہوگیا قرعہ حضرتِ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام کا نکلا تو وہ دس دس اُونٹ بڑھاتے رہے یہاں تک کہ سو اُونٹوں تک پہنچے اور پھر قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ اُونٹوں کے نام کا نکلا۔

حضرتِ عبدالمطلب نے فرمایا کہ تین بار قرعہ اندازی کرواور اگر تینوں بار قرعہ اُونٹوں کے نام سے نکلا تو تسلیم کروں گا ورنہ نہیں۔ کائناتِ عالم کی خوش نصیبی کہ تینوں بار قرعہ اُونٹوں کے نام کا نکلا چنانچہ وہ سو اُونٹ ذبح کردیئے گئے اور اذنِ عام دے دیا گیا کہ ان کے گوشت کو جو چاہے جتنا چاہے لے جائے، کسی کو نہ روکا جائے گا یہاں تک کہ کسی گوشت خور پرندے یا درندے کو بھی ان کا گوشت کھانے سے منع نہ کیا جائے۔[1]

زبانِ مصطفی صلی علیہ وسلم پر حضرتِ عبداللہ کی قربانی کا تذکرہ

حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ایک اعرابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ان الفاظ سے سلام پیش کیا:

السلام علیك یا ابن الذبیحین

ترجمہ: اے ذبیحین یعنی اللہ کے نام پر ذبح ہونے والی دو ہستیوں کے بیٹے! آپ پر سلام ہو۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا یہ سلام سن کر مسکرائے اور کوئی اعتراض نہ فرمایا تو حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور! وہ دو ذبح ہونے والی ہستیاں کون ہیں؟

---

[1] سیرتِ حلبیہ، ج 1، ص 48

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک حضرتِ اسماعیل علیہ السلام ہیں اور دوسرے میرے والدِ ماجد حضرتِ عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کرنے کا ارادہ کیا گیا تھا لیکن پھر سو اُونٹ آپ کے بدلے میں ذبح کئے گئے تھے لہٰذا وہ بھی ذبیح اللہ ہیں۔[1]

حضور نبی کریم ﷺ خود بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔

انا ابن الذبیحین

یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان ہونے والے دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔[2]

❀ ❀ ❀

[1] تفسیر کبیر، ج9، ص347

[2] تفسیر کبیر، ج9، ص347

دوسرا باب:

قربانی کے فضائل

قربانی کا جانور اور اس کی ہر چیز حتیٰ کہ خون بھی ایک اہمیت رکھتا ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں اُمّ المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما عمل ابن آدم یوم النحر عملا احب الی اللہ عزوجل من ھراقۃ دم وانہ لیا تی یوم القیامۃ بقرونھا واظلافھا واشعارھا وان الدم لیقع من اللہ عزوجل بمکان قبل ان یقع الارض فطیبوابھا نفسا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگ اور بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدا کے نزدیک مقامِ قبول میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا اس کو خوش دلی سے کرو۔''[1]

اور قربانی کے جانور کے بال بھی کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بھی نیکیوں کا ایک عظیم خزانہ ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ، ص226

سننِ ابنِ ماجہ میں حضرتِ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله ما هذه الاضاحی ؟ قال سنة ابيكم ابراهيم قالوافمالنا فيها يا رسول الله ؟ قال بكل شعرة حسنة قالوافا لصوف يا رسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة

صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہمارے لئے اس میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا: ہر بال کے مقابل نیکی ہے، عرض کی اُون کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلے میں نیکی ہے۔[1]

اور حکم ہوا کہ قربانی خوش دلی سے کرو کہ یہ جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا سبب ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ضحى طيبة نفسه محتسبا لاضحيته كانت حجابا من النار رواه الطبرانی

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے خوش دلی سے طالبِ ثواب ہوکر قربانی کی وہ آتشِ جہنم سے حجاب (روک) ہوجائے گی۔[2]

بلکہ قربانی کے دن قربانی کے لئے مال خرچ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔

حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اُنفِقتِ الورق فی شیء

---

[1] سنن ابن ماجہ، ص226

[2] معجم الکبیر للطبرانی، ج3، ص58

احب الی اللہ تعالیٰ مِن نُحَیرٍ یُنحرُ فی یوم عید

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: جو روپیہ عید کے دن قربانی میں خرچ کیا گیا اس سے زیادہ کوئی روپیہ پیارا نہیں۔[1]

اور جو شخص باوجودِ استطاعت بھی قربانی نہ کرے اس کے متعلق سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا

ترجمہ: جس میں وسعت ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔‘‘[2]

اور اسلام نے جہاں دیگر چیزوں کے اصول مرتب فرمائے اسی طرح قربانی کے متعلق بھی کچھ اصول مقرر فرمائے کہ اگر ان اصولوں کے تحت رہ کر قربانی کی جائے تو قربانی کہلائے گی وگرنہ وہی قربانی، قربانی نہ ہوگی بلکہ صرف گوشت ہی رہ جائے گی۔

صحیح بخاری میں حضرتِ براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اوّل مانبدأبہ فی یومنا ھذا ان تصلی ثم نرجع فننحر من فعلہ فقد اصاب سنتنا ومن ذبح قبل فانما ھو لحم قدمہ لاھلہ لیس من النسك فی شیء فقام ابوبردۃ بن نیار وقد ذبح فقال ان عندی جذعۃ قال اذبحھا ولن تجزی عن احد بعدك وقال مطرف عن عامر عن البراء قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم من ذبح بعد الصلوۃ تم نسکہ و اصاب سنۃ المسلمین

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا سب سے پہلے جو کام آج ہم کریں

---

[1] معجم الکبیر للطبرانی، ج 11، ص 08

[2] سنن ابن ماجہ، ص 226

گے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں پھر اس کے بعد قربانی کریں گے جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت (طریقہ) کو پالیا اور جس نے پہلے ذبح کرلیا وہ گوشت ہے جو اس نے پہلے سے اپنے گھر والوں کے لئے تیار کرلیا قربانی سے اسے کچھ تعلق نہیں۔ ابو بردہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور یہ پہلے ہی ذبح کر چکے تھے (اس خیال سے کہ پڑوس کے لوگ غریب تھے انھوں نے چاہا کہ ان کو گوشت مل جائے) اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے پاس بکری کا چھ ماہ کا ایک بچہ ہے فرمایا تم اسے ذبح کرلو اور تمہارے سوا کسی کے لئے چھ ماہ کا بچہ کفایت نہیں کرے گا۔

اور حضرت مطرف نے فرمایا حضرت عامر سے روایت کرتے ہوئے اور انہوں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز عید کے بعد قربانی کی تو اس کی قربانی مکمل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقے کو پالیا۔[1]

اور قربانی والی سنت اتنی عظیم سنت ہے کہ اس کو خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھوں سے ادا فرماتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین املحین اقرنین ذبحھما بیدہ وسمی وکبر ووضع رجلہ علی صفاحھما[2]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو، سینگوں والے چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی انہیں اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیا اور بسم اللہ واللہ اکبر کہا، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا آپ نے اپنا پاؤں ان کے پہلوؤں پر رکھا“۔

---

[1] صحیح بخاری، ج2، ص832

[2] صحیح بخاری، ج2، ص835

سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين اقرنين املحين موجؤين فلما وجههما قال انى وجهت وجهى للذى فطر السمٰوات والارض على ملّة ابراهيم حنيفاً وما انا من المشركين ان صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى لله رب العالمين لاشريك له وبذٰلك امرت وانا من المسلمين اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله الله اكبر ثم ذبح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذبح کے دن سینگھوں والے دو چتکبرے خصی کئے ہوئے مینڈھے ذبح کئے جب ان کا موںھ قبلہ کی طرف کیا تو یہ پڑھا:

انى وجهت وجهى للذى فطر السمٰوات والارض على ملّة ابراهيم حنيفاً وما انا من المشركين ان صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى لله رب العالمين لاشريك له وبذٰلك امرت وانا من المسلمين اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله الله اكبر[1]

پھر ذبح فرمایا''۔

اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی نگاہوں میں تو قربانی کا اتنا مقام تھا کہ وہ حضراتِ قدسیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ ظاہری کے بعد بھی آپ کی طرف سے قربانی ادا کرتے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت حنش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رأيت علياً رضى الله عنه يضحى بكبشين فقلت له ماهذا؟ فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اوصانى ان اضحى عنه فانا اضحى عنه

کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے ہیں

---

[1] سنن ابوداؤد، ج2، ص38، باب مایستحب من الضحایا

میں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں حضور کی طرف سے قربانی کروں لہٰذا میں حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں''۔[1]

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ قربانیاں

احادیثِ مبارکہ میں جن جانوروں کی قربانی کا تذکرہ ہوا ''فی نفسہ'' سب ہی کی قربانی جائز ودرست اور پسندیدہ ہے لیکن بعض ایسی بھی ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں افضل اور زیادہ پسندیدہ فرمایا گیا ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے:

ان احب الضحایا الی اللہ اغلاھا اسمنھا

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ قربانی وہ ہے جو باعتبارِ قیمت اعلیٰ ہو اور خوب فربہ ہو''۔[2]

☆ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان افضل الضحایا اعلاھا واسمنھا

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: افضل قربانی وہ ہے جو باعتبارِ قیمت کے اعلیٰ ہو اور خوب فربہ ہو''۔[3]

☆ حضرتِ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الثنی احب الی اللہ من الھرم

---

[1] سننِ ابوداؤد، ج2، ص37

[2] السنن الکبریٰ للبیہقی، ج14، ص192

[3] المستدرک، کتاب الاضاحی، ج5، ص327، دار المعرفۃ،

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بوڑھے جانور کی بجائے ثنی (جوان) کی قربانی زیادہ پسندیدہ ہے''۔[1]

☆ حضرتِ ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خیر الضحایا الکبش الاقرن

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہترین قربانی سینگوں والے دنبے کی ہے''۔[2]

☆ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعمت الاضحیۃ الجزع من الضنان

''کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ بھیڑ کے چھ سات ماہ کے جانور کی قربانی اچھی ہے''۔[3]

☆ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دم عفرآء احب الی اللہ من دم سوداوین

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفید رنگ کے جانور کی قربانی سیاہ رنگ کے دو جانوروں کی قربانی سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔[4]

لہٰذا قربانی کرتے وقت کم از کم ہمیں یہ چاہیے کہ ایسا جانور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کریں کہ جو خوب موٹا تازہ ہو اور قیمت کے اعتبار سے بھی مہنگا ہو۔

❀ ❀ ❀

---

[1] السنن الکبری للبیہقی، ج 14، ص، 195

[2] ابن ماجہ، کتاب الاضحیۃ، باب مایستحب من االاضاحی، ص 226

[3] جامع ترمذی، ابواب الاضاحی، باب الجذع من الضان، ج 1، ص 408

[4] السنن الکبری للبیہقی، ج 14، ص 195

تیسرا باب:

قربانی کے احکام

سوال: قربانی کسے کہتے ہیں؟

جواب: قربانی کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے صاحبِ بنایہ کچھ یوں لکھتے ہیں:

والاضحیة فی اللغة اسم ما یذبح فی یوم الاضحی

ترجمہ: اضحیہ یعنی قربانی لغت میں ہر اس چیز کا نام ہے جس کو قربانی کے دن میں ذبح کیا جائے۔[1]

اور شرعی اعتبار سے مخصوص جانور کو مخصوص دن اور مخصوص وقت میں بہ نیتِ تقرب (یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے یا نیکی کی نیت سے) ذبح کرنا قربانی کہلاتا ہے۔

درمختار میں ہے:

ذبح حیوان مخصوص بنیة القربة فی وقتٍ مخصوص

یعنی مخصوص جانور کو مخصوص وقت میں بنیتِ تقرب ذبح کرنا۔[2]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وھی فی الشرع لحیوان مخصوص بسن مخصوص یذبح بنیة القربة فی یوم مخصوص عند وجود شرائطھا وسببھا

---

[1] البنایہ فی شرح الھدایہ، ج11، ص03

[2] درمختار، ج9، ص519

یعنی شریعت میں قربانی ایک خاص عمر کے مخصوص جانور کا نام ہے جسے اس کے اسباب وشرائط پائے جانے کے وقت مخصوص دن میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا جاتا ہے۔[1]

سوال: قربانی کی شرعی حیثیت کیا ہے (یعنی کس پر واجب ہے)؟

جواب: ہر بالغ، مقیم، مالک نصاب، آزاد، مسلمان مرد وعورت پر قربانی کرنا واجب ہے۔

ہدایہ میں ہے:

الاضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر في يوم الاضحى عن نفسه

یعنی ہر آزاد، مقیم مسلمان (مرد وعورت) مالکِ نصاب پر عیدالاضحیٰ کے دن اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔[2]

سوال: قربانی واجب ہونے کا سبب کیا ہے؟

جواب: قربانی واجب ہونے کا سبب وقت ہے جب وہ وقت آیا اور شرائطِ وجوب پائے گئے تو قربانی واجب ہوگئی۔

دُرمختار میں ہے:

﴿وسببها الوقت﴾ وهو ايام النحر

اور اسکا (یعنی قربانی کا) سبب وقت ہے اور وہ ایام نحر ہیں۔"[3]

سوال: قربانی واجب ہونے کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: قربانی واجب ہونے کے لئے درج ذیل شرائط ہیں۔

---

[1] عالمگیری، ج5، ص291

[2] ھدایہ، ج4، ص443

[3] درمختار، ج9، ص453

1: مسلمان ہونا (خواہ مرد ہو یا عورت)، 2: مقیم ہونا (یعنی مسافر نہ ہو)، 3: آزاد ہونا (یعنی غلام نہ ہو) 4: مالک نصاب ہونا۔ (جیسا کہ اوپر گزرا) 5: بالغ ہونا (کیونکہ نابالغ پر قربانی واجب نہیں)۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں:

(۱) اسلام یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔

(۲) اقامت یعنی مقیم ہونا، شرعی مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

(۳) تونگری یعنی مالک نصاب ہونا یہاں مالداری سے مراد وہی ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، وہ مراد نہیں جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

(۴) حریت یعنی آزاد ہونا جو آزاد نہ ہو اس پر قربانی واجب نہیں کہ غلام کے پاس مال ہی نہیں لہذا عبادت مالیہ اس پر واجب نہیں۔

مرد ہونا اس کے لئے شرط نہیں۔ عورتوں پر واجب ہوتی ہے جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے۔

(۵) اس کے لئے بلوغ شرط ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور نابالغ پر واجب ہے تو آیا خود اس کے مال سے قربانی کی جائے گی یا اس کا باپ اپنے مال سے قربانی کرے گا۔ ظاہر الراویہ یہ ہے کہ نہ خود نابالغ پر واجب ہے اور نہ اس کی طرف سے اس کے باپ پر واجب ہے اور اسی پر فتوی ہے۔''[1]

اور درمختار میں نابالغ پر قربانی واجب نہ ہونے کے بارے میں لکھا ہے:

وھو المعتمد لما فی متن مواھب الرحمٰن من انه اصح مایفتٰی به

یعنی اور نابالغ پر قربانی واجب نہ ہونے کا قول ہی معتمد ہے بوجہ اس بات کے

---

[1] ماخوذ از بہار شریعت، ج3، ص332

جو مواہب الرحمٰن کے متن میں موجود ہے یعنی کہ یہی قول صحیح ہے جس پر فتویٰ ہے۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''نابالغ اگرچہ کسی قدر مالدار ہو نہ اس پر قربانی ہے نہ اس کی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر''۔[2]

بالغ کسے کہتے ہیں؟

بالغ کے معنی: پہنچنا، سیانا، اور جوان مرد کے ہیں کمافی فیروز اللغات۔

ردالمحتار میں ہے:

والبلوغ لغۃ الوصول، واصطلاحاً انتہاء حد الصغر

یعنی لغوی اعتبار سے بلوغ پہنچنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی اعتبار سے صغر یعنی چھوٹے پن کی انتہا کو کہتے۔''[3]

شرعی نقطۂ نگاہ سے لڑکے (مرد) کی بلوغت کی کم از کم عمر 12 سال اور لڑکی (عورت) کی بلوغت کی کم از کم عمر 9 سال ہے اور پھر نو یا بارہ سال سے 15 سال کے درمیان جب بھی بلوغت کی علامات پائی جائیں تو انہیں بالغ کہا جائے گا اور پندرہ سال کے بعد بھی کسی کو اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تب بھی اسے بالغ یا بالغہ ہی تصور کیا جائے گا، اور اگر یہ دونوں اپنے بالغ ہونے کا اقرار کریں اور ان کا ظاہری حال اس کی تکذیب نہ کرتا ہو تو انہیں بالغ ہی قرار دیا جائے گا۔

بلوغت کی علامتیں

بلوغت کی چند علامتیں ہیں:

---

[1] درمختار مع تنویر الابصار، ج9، ص458

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص369

[3] (ردالمحتار، ج9، ص225

(۱) انہیں سوتے، خواہ جاگتے میں احتلام وانزال ہوجائے۔

(۲) عورت کوحیض آجائے یا یہ حاملہ ہوجائے۔

(۳) مرد جماع سے کسی عورت کوحاملہ کردے۔

درمختار میں ہے:

بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيهما فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى وادنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين

یعنی لڑکے کا بالغ ہونا احتلام ہونے، کسی عورت کوحاملہ کرنے یا انزال کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے اور لڑکی کا بالغ ہونا احتلام، حیض اور حاملہ ہونے سے ظاہرہ لڑکے اورلڑکیوں میں کوئی علامت نہیں پائی گئی یہاں تک کہ وہ پندرہ سال کے ہوگئے تو وہ بالغ ہیں اوراسی پرفتوی دیاجاتا ہے۔لڑکے میں بالغ ہونے کی ادنیٰ مدّت بارہ سال ہے جبکہ لڑکی کی نوسال ہے۔''[۱]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''لڑکا بارہ (12) سال، اورلڑکی نو برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ وبالغہ نہ ہوں گے، اورلڑکا لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعاً بالغ وبالغہ ہیں، اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں، یعنی خواہ لڑکے، خواہ لڑکی سوتے خواہ جاگتے میں انزال ہو، یا لڑکی کوحیض آئے، یا جماع سے لڑکا حاملہ کردے یا لڑکی کوحمل رہ جائے، تو یقیناً بالغ وبالغہ ہیں، اوراگرآثار نہ ہوں، مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ وبالغہ ہیں، اورظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو، توبھی بالغ وبالغہ سمجھے جائیں گے اورتمام احکامِ بلوغ نفاذ پائیں گے''۔[۲]

---

[۱] درمختار، ج9، ص225، 226

[۲] فتاوی رضویہ، ج19، ص630

سوال: مرد کے داڑھی مونچھ کا نکل آنا اور عورت کے پستان میں اُبھار کا پیدا ہونا بلوغت کے آثار کے سلسلے میں معتبر ہے یا نہیں؟

جواب: مرد کے داڑھی مونچھ کا نکل آنا اور عورت کے پستان میں اُبھار کا پیدا ہونا بلوغت کے آثار کے سلسلے میں معتبر نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانة ولااللحی، واما نهود الثدی ففی الحموی انه لایحکم به فی ظاهر روایة، وکذا ثقل الصوت کمافی شرح النظم الهاملی، ابوالسعود، وکذا شعر الساق والابط والشارب

ترجمہ: زیر ناف بالوں اور داڑھی کا اعتبار نہیں ہے، اور لڑکی کے پستانوں کا ابھرنا تو حموی میں کہا ظاہر روایت میں بلوغ کا حکم نہ ہوگا، اور یوں ہی آواز بھاری ہونا بھی معتبر نہیں، جیسا کہ ہاملی کی نظم کی شرح میں ہے، ابوالسعود اور یونہی پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بال بھی معتبر نہیں۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''داڑھی مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں''۔[2]

سوال: قربانی واجب ہونے میں مالکِ نصاب ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا سونا چاندی نصاب سے کم ہوں، لیکن جس قدر ہیں، ان دونوں کو ملا کر یا سونے یا چاندی کو کسی دوسرے مال کے ساتھ ملا کر، اُن دونوں کی مجموعی قیمت عیدالاضحیٰ کے ایام میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، یوں ہی حاجت اصلیہ (یعنی وہ چیزیں جن کی انسان کو حاجت رہتی ہے، جیسے رہائش گاہ، خانہ داری

---

[1] ردالمحتار، ج9، ص226

[2] فتاوی رضویہ، ج19، ص630

کے وہ سامان جن کی حاجت ہو،سواری اور پہننے کے کپڑے وغیرہ ضروریاتِ زندگی) سے زائد اگر کوئی ایسی چیز مِلکیت میں ہو،جس کی قیمت تنہا یا سونے یا چاندی کے ساتھ ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو،تو وہ نصاب کا مالک ہے اور اُس پر قربانی واجب ہے

قربانی واجب ہونے کے نصاب کے بارے میں بدائع الصنائع میں ہے:

فلا بد من اعتبار الغنی وهو أن یکون فی ملکه مائتا درهم أو عشرون دینارا أو شیء تبلغ قیمته ذلك سوی مسکنه ومایتأثث به وکسوته وخادمه وفرسه وسلاحه و مالایستغنی عنه وهونصاب صدقة الفطر

ترجمہ: (قربانی میں) غنی یعنی مالداری کا اعتبار ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی ملکیت میں دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) یا بیس دینار (ساڑھے سات تولہ سونا) ہوں یا رہائش، خانہ داری کے سامان، کپڑے، خادم، گھوڑا، ہتھیار اور وہ اشیاء جن کے بغیر گزارہ نہ ہو،ان کے علاوہ کوئی ایسی چیز ہو، جو اس (دوسو درہم یا بیس دینار) کی قیمت کو پہنچتی ہو اور یہ ہی صدقہ فطر کا نصاب ہے۔[1]

اور سونے کو چاندی کے ساتھ ملانے کے حوالے سے تبیین الحقائق میں ہے:

ویضم الذهب الی الفضة بالقیمة فیکمل به النصاب لأن الکل جنس واحد

ترجمہ: سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا، کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں۔[2]

---

[1] بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، جلد4، صفحہ 196، مطبوعہ کوئٹہ

[2] تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، جلد2، صفحہ 80، مطبوعہ کوئٹہ

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں: "قربانی واجب ہونے کے لیے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ 56 روپیہ (اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے دور میں رائج چاندی کا نصاب) کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت، کاشتکار کے ہل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، ان کا شمار نہ ہو۔"[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''جو شخص دوسو درہم (ساڑھے باون تولے چاندی) یا بیس دینار (ساڑھے سات تولے سونا) کا مالک ہو یا حاجت کے سوا کسی ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت دوسو درہم ہو وہ غنی ہے اس پر قربانی واجب ہے۔ حاجت سے مراد رہنے کا مکان اور خانہ داری کے سامان جن کی حاجت ہو اور سواری کا جانور اور خادم اور پہننے کے کپڑے ان کے سوا جو چیزیں ہوں وہ حاجت سے زائد ہیں''۔[2]

یہ بات یادر ہے کہ حاجت سے مراد وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کی عموماً انسان کو ضرورت ہوتی ہے اور ان کے بغیر گزر اوقات میں شدید تنگی ہوتی ہے جیسے رہنے کا مکان اور خانہ داری کے سامان جن کی حاجت ہو اور سواری کا جانور یا گاڑی اور خادم اور پہننے کے کپڑے اور علمِ دین سے متعلق کتابیں اور پیشے سے متعلق اوزار وغیرہ بھی حاجت میں داخل ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ اپنی حاجتِ اصلیہ سے زائد مال کو شمار کرنے میں غلطی کر جاتے ہیں، کیونکہ عام طور پر کچھ نہ کچھ حاجت اصلیہ سے زائد چیزیں موجود ہوتی ہی ہیں، جن کو سونے یا چاندی کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے، تو قربانی کا نصاب بن جاتا ہے، لیکن لوگ توجہ نہیں کرتے۔ جیسے اضافی کپڑے، جوتے یا گھر میں سجاوٹ کا سامان یا تفریح کے لیے خریدا گیا ٹی وی وغیرہا، لہٰذا ان چیزوں کا

---

[1] فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 370

[2] بہار شریعت، ج 03، ص 333

ضرور خیال رکھا جائے اور کسی مفتی صاحب سے مل کر مکمل معلومات لے لی جائیں۔

سوال: جس کی ملکیت میں صرف ایک سے ڈیڑھ تولہ سونا ہے، اس کے علاوہ چاندی یا رقم وغیرہ کچھ بھی اس کی ملکیت میں نہ ہو، یہاں تک کہ روزانہ کے اخراجات کے لیے بھی کوئی پیسہ نہ ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب: جس کے پاس صرف سونا ہی ہو، ساتھ چاندی، رقم، پرائز بانڈز یا کوئی اور ایسا مال نہ ہو، جس کے ساتھ مل کر مجموعی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو جیسا کہ اوپر مالکِ نصاب ہونے کے حوالے سے ذکر ہوا تو اس پر قربانی واجب نہیں۔

سوال: ایک مالکِ نصاب شخص نے قربانی کا جانور خریدا لیکن ذبح سے پہلے جانور گم ہو گیا یا مر گیا تو کیا اسے پھر نیا جانور خریدنا پڑے گا جبکہ یہ شخص ابھی بھی مالکِ نصاب ہے اور نیا جانور بھی خرید کر قربان کر سکتا ہے؟

جواب: قربانی کا جانور اگر مر جائے یا گم ہو جائے تو غنی (جو ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے مساوی قیمت یا مالِ تجارت کا مالک ہوتا ہے) پر دوسرے جانور کی قربانی کرنا واجب ہے۔

درمختار میں ہے:

لوماتت فعلی الغنی غیرھا لا الفقیر

اگر قربانی کا جانور مر جائے تو غنی پر دوسرے جانور کی قربانی کرنا واجب ہوگی نہ کہ فقیر پر۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

"قربانی کا جانور مر گیا تو غنی پر لازم ہے کہ دوسرے جانور کی قربانی کرے اور فقیر کے ذمہ دوسرا جانور واجب نہیں"۔[2]

---

[1] درمختار مع درالمحتار، ج9، ص471

[2] بہار شریعت، ج03، ص342

سوال: فقیر نے بنیتِ قربانی جانور خریدا لیکن اب چاہتا ہے کہ اسے ذبح نہ کرے تو کیا ایسا کرسکتا ہے؟

جواب: فقیر نے جانور اگر قربانی کی نیت سے خریدا تو اسی جانور کی قربانی کرنا اس پر واجب ہے اب نہ اسے بدل سکتا ہے اور نہ ہی رکھ سکتا ہے۔

درمختار میں ہے:

تصدق بها ناذر وفقير شراها لوجوبها عليه بذلك ﴿ملخصا﴾

یعنی نذر والا اور فقیر جس نے قربانی کی نیت سے خریدا تھا، یہ صدقہ کرینگے کیونکہ نذر اور خریدنے کی بنا پر ان پر واجب ہو گیا تھا (ملخصا)۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''فقیر اگر بہ نیت قربانی خریدے اس پر خاص اس جانور کی قربانی واجب ہوجاتی ہے''۔[2]

سوال: اگر جانور فقیر کے پاس پہلے سے ہی گھر میں موجود ہو اور اسی کی قربانی کی نیت کرلے تو کیا پھر بھی اس پر اس کی قربانی واجب ہوجاتی ہے؟

جواب: جی نہیں! ایسی صورت میں فقیر پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔

ردالمحتار میں ہے:

فلو كانت في ملكه فنوى أن يضحي بها، أو أشتراها، ولم ينو الاضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك لا يجب، لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر

یعنی اگر بکری اپنی ملک میں تھی تو نیت کرلی کہ اس کی قربانی کرے گا یا

---

[1] درمختار، ج9، ص465

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص451

خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ کی ہو پھر بعد میں قربانی کی نیت کی تو اس سے اس پر قربانی واجب نہ ہوگی کیونکہ خریدتے وقت ساتھ نیت نہ کی لہذا بعد کی نیت معتبر نہ ہوگی۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''اگر جانور اس کی ملک میں تھا اور قربانی کی نیت کرلی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیتِ قربانی نہ تھی، تو اس پر وجوب نہ ہوگا''۔[2]

سوال: کیا مقروض (جس کے ذمے لوگوں کا قرض ہو) پر بھی قربانی واجب ہوتی ہے؟

جواب: اگر قرض کی رقم منہا کرنے کے بعد اس مقروض کے پاس اتنا مال بچتا ہو جو نصاب (یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا حاجت اصلیہ کے علاوہ اتنی قیمت کے مساوی سامان) کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

الغنی، وهو أن يكون فی ملكه مائتا درهم أوعشرون دينارا أوشیء تبلغ قيمته ذلك۔ ولوعليه دين بحيث لوصرف اليه بعض نصابه ينقص نصابه لاتجب لأن الدين يمنع وجوب الزكاة فلأن يمنع وجوب الأضحية أولی

یعنی غنی وہ شخص ہوتا ہے جس کی ملکیت میں دو سو درھم (ساڑھے باون تولے چاندی) یا بیس دینار (ساڑھے سات تولے سونا) ہو یا اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے مساوی ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اور اگر اس پر اتنا قرض ہے کہ نصاب کا کچھ حصہ اگر قرض میں دیا جائے تو

---

[1] ردالمحتار، ج9، ص465

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص452

نصاب باقی نہیں رہتا تو قربانی واجب نہیں ہوگی کیونکہ جب قرض کی وجہ سے زکاۃ واجب نہیں ہوتی تو قربانی بدرجہ اولی واجب نہیں ہوگی۔''[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولوكان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لاتجب

اور اگر اس پر اتنا دین (قرض) ہو کہ اگر مال اس میں صرف کیا جائے تو نصاب کم ہو جائیگا تو اس پر قربانی واجب نہیں۔''[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''کسی شخص پر دین (قرض) ہو اور اس کے اموال سے دین کی مقدار مجرا کی جائے تو نصاب نہیں باقی رہتا تو اس پر قربانی واجب نہیں۔''[3]

سوال: جس شخص پر قربانی واجب ہو مثلاً دس تولے سونا ہو اور اس وقت اس کے پاس اتنے روپے نہ ہوں کہ جن سے قربانی کر سکے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: جس پر قربانی واجب ہو لیکن اس وقت نقد رقم موجود نہ ہو تو اسے چاہیے کہ پاس موجود سونا یا سامان وغیرہ میں سے کچھ بقدرِ ضرورت فروخت کر کے قربانی کرے یا کسی سے قرض لے کر کرے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''اور جس پر قربانی واجب ہے اور اس وقت نقد اس کے پاس نہیں، وہ چاہے قرض لے کر کرے، یا اپنا کچھ مال بیچے''۔[4]

فتاوی امجدیہ میں ہے:

---

[1] بدائع الصنائع، ج4، ص196

[2] فتاوی عالمگیری ج5، ص292

[3] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص333

[4] فتاوی رضویہ، ج20، ص370

''اگر قربانی اس پر واجب ہے اور اس وقت اس کے پاس روپیہ نہیں تو قرض لے کر یا کوئی چیز فروخت کر کے قربانی کا جانور حاصل کرے اور قربانی کرے''۔[1]

وقار الفتاوی میں ہے:

''جو صاحب نصاب ہے، اس پر قربانی واجب ہے، قربانی کرنے کے لئے اپنا سونا چاندی فروخت کرے یا قرض لے کر کرے، دونوں صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کرے۔''[2]

سوال: یہ بھی بتایئے کہ ایک شخص کم وبیش دو لاکھ روپے کا مالک ہے لیکن اس نے کسی دوسرے شخص کو بطورِ قرض دیئے ہوئے ہیں اور طے یہ پایا کہ مقروض دو سال کے بعد واپس کرے گا، جبکہ ابھی قربانی کے ایام قریب ہیں اور اس کے پاس کوئی اور مال نہیں ہے اور جو اس کی اپنی رقم تھی وہ ابھی ان دنوں میں نہیں مل سکتی، تو کیا اس پر قربانی کرنا لازم ہے یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں شخصِ مذکور پر لازم ہے کہ مقروض سے اتنی رقم کا مطالبہ کرے، جس سے قربانی ہو سکے گی، جبکہ اسے ظنِ غالب ہو کہ وہ اس کے مانگنے پر دے گا اور اگر کوئی صورت نہ بنے کہ نہ تو اس کو ایام قربانی میں وہ رقم مل سکتی ہے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی اور مال ہے، جس سے جانور خرید سکے، تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ اس صورت میں اس پر قرض لے کر قربانی کرنا بھی لازم نہیں اور نہ ہی قرض ملنے کے بعد قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:

له دين حال على مقر وليس عنده مايشتريها به لايلزمه

---

[1] فتاوی امجدیہ، ج3، ص315

[2] وقار الفتاوی، جلد2، صفحہ 470، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی

الاستقراض ولا قیمۃ الاضحیۃ اذا وصل الدین الیہ ولکن یلزمہ ان یسال منہ ثمن الاضحیۃ اذا غلب علی ظنہ انہ یعطیہ

ترجمہ: صاحب نصاب کا کسی ایسے شخص پر قرض فوری ہے، جس کا وہ اقرار کرتا ہے اوراس کے پاس کوئی ایسی شے نہیں کہ جس سے وہ قربانی کے لیے جانور خرید سکے، تواس پر قربانی کے لیے قرض لینا لازم نہیں اور نہ ہی قرض واپس ملنے پر قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے، لیکن اس کے لیے قربانی کی قیمت جتنی رقم کا سوال کرنا لازم ہے، جبکہ اس کو ظن غالب ہو کہ وہ دے دے گا۔[1]

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو کان علیہ دین بحیث لو صرف فیہ نقص نصابہ لا تجب وکذا لو کان لہ مال غائب لا یصل إلیہ فی أیامہ

ترجمہ: اگرکسی شخص پر اتنا دَین ہو کہ وہ اپنا مال اس دَین کی ادائیگی میں صرف کرے، تو نصاب باقی نہ رہے، تواس پر قربانی نہیں ہے۔ اسی طرح جس شخص کا مال اس کے پاس موجود نہیں اور قربانی کے ایام میں وہ مال اسے ملے گا بھی نہیں (بلکہ ایام قربانی کے بعد ملے گا، تواس پر بھی قربانی واجب نہیں)۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''اوس شخص پر دَین ہے اور اوس کے اموال سے دَین کی مقدار مُجرا کی جائے تو نصاب نہیں باقی رہتی، اوس پر قربانی واجب نہیں اور اگر اس کا مال یہاں موجود نہیں ہے اور ایامِ قربانی گزرنے کے بعد وہ مال اوسے وصول ہوگا تو قربانی واجب نہیں۔''[3]

---

[1] فتاوی بزازیہ مع عالمگیری، جلد6، صفحہ 287، کوئٹہ

[2] فتاوی عالمگیری، کتاب الاضحیۃ، جلد5، صفحہ 292

[3] بہار شریعت، جلد3، حصہ 15، صفحہ 333

سوال: ایک شخص ملازمت کرتا ہے لیکن اس سے ملنے والی تنخواہ سے گزر بسر نہیں ہو رہا، اس کے پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ ایک اور زائد مکان بھی ہے جسے اس نے خرچہ پورا کرنے کے لئے کرائے پر دیا ہوا ہے، اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے اس مکان کی آمدنی بچنے کی بھی امید نہیں ہے، تو کیا اس مکان کی وجہ سے قربانی کرنا لازم ہو گی یا نہیں؟

جواب: اگر قربانی واجب کرنے والا کوئی اور سبب موجود نہ ہو تو صرف اس کرائے والے مکان کی وجہ سے قربانی لازم نہیں ہو گی، ہاں اگر آئندہ کبھی اس سے ملنے والی آمدنی بچ جائے اور وہ نصاب کے برابر ہوئی یا حاجت اصلیہ سے زائد کسی چیز سے مل کر نصاب کے برابر پہنچ گئی، اور قربانی کی دیگر شرائط بھی پائی گئیں تو قربانی لازم ہو جائے گی۔

کرائے پر دیئے جانے والے مکان کے بارے میں ردالمحتار میں ہے:

سئل محمد عمن له ارض يزرعها او حانوت يستغلها او دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفى لنفقته ونفق عياله سنة يحل له اخذ الزكاة وان كانت قيمتها تبلغ الوفاوعليه الفتوى

ترجمہ: امام محمد علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ جس کے پاس زمین ہے اور وہ اس میں کھیتی باڑی کرتا ہے یا کرائے پر دی ہوئی دکان یا گھر ہے اور ان کی آمدن تین ہزار روپے ہے اور یہ آمدن اسے اور اس کے اہل وعیال کے لئے کافی نہیں ہے تو اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ (تو آپ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا:) اسے زکوۃ لینا حلال ہے اگرچہ اس جائداد کی قیمت نصاب کے برابر پہنچتی ہو، اور اسی قول پر فتوی ہے۔[1]

---

[1] ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، ج3، ص 347

فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا جس کے پاس کرائے پر دی ہوئی جائداد ہے اور اس کی تمام آمدن خرچ ہو جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ، فطرہ و قربانی واجب ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا:

''شوہر پر صدقہ و اضحیہ بھی نہیں، اگرچہ زیور مذکور بھی اسی کی ملک ہو کہ تمام کا قرض محیط ہے، مگر ان علما کے نزدیک کہ ایجاب صدقہ واضحیہ میں قیمت جائداد کا اعتبار کرتے ہیں، اور راجح و مفتی بہ اول ہے''۔ واللہ تعالی اعلم۔[1]

یونہی اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''واجب ہے، جب کہ وہ مکان تنہا یا اس کے اور مال سے حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، مل کر چھپن روپے) یعنی اتنی مالیت کہ جو ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو(کی قیمت کو پہنچے، اگرچہ ان مکانوں کو کرائے پر چلاتا ہو یا خالی پڑے ہوں یا سادی زمین ہو بلکہ اگر مکانِ سکونت اتنا بڑا ہے کہ اس کا ایک حصہ اس (شخص) کے جاڑے یعنی سردی اور گرمی دونوں کی سکونت کے لئے کافی ہو اور دوسرا حاجت سے زائد ہو اور اس (دوسرے حصے) کی قیمت تنہا یا اسی قسم کے (حاجتِ اصلیہ) سے زائد مال سے مل کر نصاب تک پہنچے، جب بھی قربانی واجب ہے، اسی طرح صدقۂ فطر بھی''۔[2]

سوال: والد صاحب فوت ہوئے، ترکے میں جو زمین حصے آئی، ورثا مل کر استعمال کر رہے ہیں، جو فصل ہوتی ہے اسی سے کھاتے ہیں، لیکن صرف زمین پر ہی انحصار نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی آمدنی کے ذرائع ہیں جن سے ان کی گزر بسر ہوتی ہے، ان کا اس زمین میں بننے والا حصہ ان کی حاجتِ اصلیہ سے زائد

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص367

[2] رضویہ، ج20، ص361

اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے، اس زمین کے علاوہ ان کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی مالیت کے برابر حاجتِ اصلیہ سے زائد مال نہیں ہے تو کیا اس زمین کی وجہ سے ان پر قربانی لازم ہوگی یا نہیں؟

جواب: دریافت کردہ صورت میں ان ورثا پر قربانی واجب ہوگی کیونکہ وراثت شریعت کی طرف سے مقرر کردہ جبری ولازمی حق ہے جس میں مورث (یعنی اصل مالک) کے فوت ہوتے ہی وارث کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اگرچہ قانونی طور پر ابھی وارث کے نام نہ کیا گیا ہو۔ اور تقسیم سے پہلے مالِ وراثت، مالِ شرکت ہوتا ہے اور مالِ شرکت میں جس شریک کا اس کی حاجتِ اصلیہ (یعنی جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہوتا ہے، جیسے رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، کھانے کے لیے غلہ وغیرہ) سے زائد حصہ تنہا یا اس کی دیگر حاجتِ اصلیہ سے زائد مال وسامان کے ساتھ مل کر قربانی کے نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو، اس پر قربانی واجب ہوتی ہے۔

وجوبِ قربانی کے لیے نصاب کے بارے میں بدائع الصنائع میں ہے:

فلا بد من اعتبار الغنٰی وھو أن یکون فی ملکه مائتا درھم أو عشرون دینارا أو شئ تبلغ قیمته ذلك سوی مسکنه وما یتأثث به وکسوته وخادمه وفرسه وسلاحه و ما لا یستغنی عنه وھو نصاب صدقة الفطر

ترجمہ: (قربانی کے وجوب کے لیے) مال داری کا اعتبار ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی ملکیت میں دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) یا بیس دینار (ساڑھے سات تولہ سونا) ہوں یا اس کی رہائش کے مکان، خانہ داری کے سامان، کپڑے، خادم، گھوڑا، ہتھیار اور وہ چیزیں جن کے بغیر گزارا نہ ہو، کے

علاوہ کوئی ایسی چیز ہو، جو اس (دوسو درہم یا بیس دینار) کی قیمت کو پہنچتی ہو اور یہی صدقۂ فطر کا نصاب ہے۔[1]

اور مورث کے فوت ہوتے ہی مالِ وراثت میں وارث کی ملکیت ثابت ہو جانے کے بارے میں فتاوی رضویہ میں ہے: "ارث جبری ہے کہ موتِ مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصۂ شرعی کا مالک ہوتا ہے، مانگے خواہ نہ مانگے، لے یا نہ لے، دینے کا عرف ہو یا نہ ہو، اگرچہ کتنی ہی مدت ترک کو گزر جائے، کتنے ہی اشتراک در اشتراک کی نوبت آئے، اصلاً کوئی بات میراثِ ثابت کو ساقط نہ کرے گی، نہ کوئی عرف فرائض اللہ کو تغیر کرسکتا ہے، یہاں تک کہ نہ مانگنا درکنار، اگر وارث صراحۃً کہہ دے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا، جب بھی اس کی ملک زائل نہ ہوگی۔"[2]

اور مالِ وراثت کے مالِ شرکت ہونے کے بارے میں ردالمحتار میں ہے:

یقع کثیرا من الفلّاحین و نحوهم ان احدهم یموت فتقوم اولادہ علی ترکته بلا قسمة و یعملون فیها من حرث و زراعة و بیع و شراء و استدانة و نحو ذلك .... هی شرکة ملك کما حررته فی تنقیح الحامدیة، ثم رأیت التصریح به بعینه فی فتاوی الحانوتی، ملخصا

ترجمہ: کسانوں وغیرہ میں کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک فوت ہوتا ہے تو اس کی اولاد اس کا ترکہ تقسیم کیے بغیر اسے استعمال کرتی ہے اور وہ اس میں کاشت، کھیتی باڑی، خرید و فروخت، قرض کا لین دین اور اسی طرح کے دیگر کام کرتے ہیں، .... یہ (یعنی مالِ وراثت میں ان کی شرکت) شرکتِ ملک ہے، جیسا کہ میں نے اسے تنقیح الحامدیہ میں تحریر کیا ہے، پھر میں

---

[1] بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، ج4، ص196، مطبوعہ کوئٹہ

[2] فتاوی رضویہ، ج26، ص113

نے فتاوی حانوتی میں اس کی بعینہٖ صراحت دیکھی۔[1]

فتاوی رضویہ میں مالِ وراثت کے مالِ شرکت ہونے کے بارے میں فرمایا:

"اکثر ورثاء میں معمول ہوتا ہے کہ مورث مر گیا، اس کے مال دیہات، دکانات یوں ہی شرکت پر بلاتقسیم رہتے ہیں اور من جملہ ورثہ بعض وارث باقیوں کے اجازت و رضا مندی سے ان میں تصرف کرتے ہیں، شرکتِ عقد نہیں، شرکتِ ملک ہی ہے۔"[2]

مزید اسی فتاوی رضویہ میں مالِ شرکت میں قربانی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"مالِ شرکت میں جس کا حصہ بقدرِ نصاب نہ ہو، نہ اس کے پاس اپنا اور کوئی خاص مال اتنا ہو کہ حصہ کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے، اس پر قربانی واجب نہیں یعنی نہ کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا۔"[3]

اسی میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"قربانی واجب ہونے کے لیے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایامِ قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ 56 روپیہ (اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے دور میں رائج چاندی کا نصاب) کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ (یعنی اصلی حاجتوں کے علاوہ) مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت۔ کاشتکار کے ہَل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، ان کا شمار نہ ہو۔"[4]

---

[1] رد المحتار، کتاب الشرکۃ، مطلب فیما یقع کثیرا فی الفلاحین الخ، ج 6، ص472

[2] فتاوٰی رضویہ، ج16، ص 107

[3] فتاوٰی رضویہ، ج20، ص372

[4] فتاوٰی رضویہ، ج20، ص370

سوال: قربانی واجب ہونے کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

جواب: قربانی واجب ہونے کا وقت دسویں ذوالحجہ کی فجر کے طلوع ہونے سے شروع ہوجاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ووقت الاضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر

یعنی قربانی کا وقت یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کی فجر طلوع ہونے سے داخل ہوجاتا ہے۔[1]

سوال: جس مسلمان پر قربانی واجب ہو تو کیا وہ جیسے ہی دسویں ذوالحجہ کی فجر طلوع ہو قربانی کرسکتا ہے؟

جواب: قربانی کا وقت اگرچہ دسویں ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے شروع ہوجاتا ہے لیکن پھر بھی شہر والوں کے لئے اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں جب تک امام عید کی نماز نہ پڑھالے۔

ووقت الاضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر الا انه لايجوز لاهل الامصار الذبح حتى يصلى الامام العيد فاما اهل السواد فيذبحون بعد الفجر

یعنی قربانی کا وقت یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کی فجر طلوع ہونے سے داخل ہوجاتا ہے مگر تحقیق کہ شہریوں کے لئے ذبح جائز نہیں، یہاں تک کہ امام عید کی نماز پڑھے پس بہرحال گاؤں والے وہ فجر کے بعد ذبح کرسکتے ہیں۔[2]

سوال: شہریوں کو نماز عید سے پہلے قربانی کرنے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟

---

[1] هدايه، ج4، ص445

[2] هدايه، ج4، ص445

جواب: شہریوں کو امام کے نمازِ عید پڑھنے سے پہلے قربانی کرنے کی ممانعت چونکہ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اس لئے فقہائے کرام نے بھی اس سے منع فرمادیا۔

صحیح بخاری میں ہے:

عن البراء قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال ان اوّل ما نبداء من یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد اصاب سنتنا و من نحر فانما هو لحم یقدمه لاهله لیس من النسك فی شیئ

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا پہلی چیز جس سے آج ہم ابتداء کریں گے یہ ہے کہ ہم نماز ادا کریں گے پھر ہم لوٹیں گے پھر ذبح کریں گے پس جس نے اس طریقہ کو اپنایا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جس نے اس کے خلاف کیا تو وہ صرف گوشت ہی ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے پہلے تیار کرلیا قربانی سے اسے کچھ تعلق نہیں۔[1]

ہدایہ میں ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ذبح قبل الصلوٰة فلیعد ذبیحته ومن ذبح بعد الصلوٰة فقد تم نسکه و اصاب سنة المسلمین وقال d ان اوّل نسکنا فی هذا الیوم الصلوٰة ثم الاضحیة

جس نے ذبح کیا نماز عید سے پہلے تو وہ اپنے ذبیحہ کا اعادہ کرے (یعنی دوبارہ قربانی کرے) اور جس نے ذبح کیا نمازِ عید کے بعد پس اس کی قربانی تام ہوگئی

---

[1] صحیح البخاری، ج2، ص834

اوراس نے مسلمانوں کے طریقے کو پالیا۔اورفرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہمارا پہلا کام آج کے دن نماز ہے پھر قربانی کرنا۔[1]

قربانی کا وقت کب سے کب تک ہے؟

قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یعنی تین دن دوراتیں ہیں اوریہی صحیح ہے۔

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

عن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان یقول الاضحی یومان بعد یوم الاضحی

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: قربانی (کا وقت) قربانی والے دن (دس ذوالحجہ) کے بعد دودن ہے۔[2]

اسی ''السنن الکبریٰ'' کی ایک اورروایت کے الفاظ یہ ہے: ''عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الذبح بعد النحر یومان''

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ (قربانی کا جانور) ذبح کرنا یوم النحر (یعنی دسویں ذوالحجہ) کے بعد دودن ہے۔[3]

ہدایہ میں ہے: وھی جائزۃ فی ثلاثۃ ایام یوم النحر ویومان بعدہ......ولنا ماروی عن عمر وعلی وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم انھم قالوا ایام النحر ثلاثۃ افضلھا اوّلھا

ترجمہ: اورقربانی تین دن میں جائز ہے، (اوروہ یہ ہیں) یوم النحر اوردودن اس کے

---

[1] ہدایہ، ج4، ص446

[2] السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الضحایا، ج14، ص248

[3] السنن الکبریٰ، ج14، ص248

بعد............اور ہماری دلیل وہ ہے جو حضرت عمر،علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قربانی کے تین دن ہیں،ان میں سے پہلا دن افضل ہے۔[1]

مذکورہ بالاعبارت کی تشریح کرتے ہوئے''صاحبِ بنایہ'' کچھ یوں تحریر کرتے ہیں۔

أی قال ''القدوری'' الاضحیة جائزة فی ثلاثة ایام، یوم النحر اوّلھایوم، والثانی والثالث وھما یومان بعدہ یوم النحر......وقال محمد فی کتاب الآثار اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراھیم عن علقمة قال الاضحی ثلاثة ایام یوم النحر ویومان بعدہ

یعنی امام قدوری علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں کہ قربانی تین دن جائز ہے، یوم النحر اس کا پہلا دن ہے،اور دوسرا اور تیسرا دن یوم النحر کے بعد دو دن ہیں۔اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے''کتاب الآثار''میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے امام حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے اور انہوں نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی فرمایا کہ قربانی تین دن ہے، یوم النحر اور دو دن اس کے بعد۔[2]

''کتاب الاختیار''میں ہے:

وتختص بایام النحر،وھی ثلاثةعاشرذی الحجةوحادی عشرة وثانی عشرة افضلھا اوّلھا

ترجمہ: اورقربانی ایامِ نحرکیساتھ خاص ہے،اوروہ تین ہیں:دسویں،گیارھویں اور بارھویں ذوالحجہ،ان ایام میں سے افضل پہلا(دسویں ذوالحجہ کا)دن

---

[1] ہدایہ،ج4،ص446

[2] البنایہ علی الھدایہ، کتاب الاضحیة،ج11،ص29،31

ہے۔[۱]

بحر الرائق میں ہے:

ووقتها ثلاثة ايام، اوّلها افضلها، ويجوز الذبح فی لياليها الا انه يكره لاحتمال الغلط فی الظلمة

ترجمہ: اور قربانی کا وقت تین دن ہیں، اور اس کا پہلا دن (یعنی دسویں ذوالحجہ) افضل ہے، اور اس کی راتوں میں ذبح کرنا جائز ہے، مگر اندھیرے میں ذبح میں غلطی کے احتمال کی وجہ سے مکروہ ہے۔[۲]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''قربانی یومِ نحر تک یعنی دسویں سے بارھویں تک جائز ہے، آخر ایامِ تشریق تک کہ تیرھویں ہے، جائز نہیں''۔[۳]

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے یعنی تین دن دو راتیں، اور ان دنوں کو ایامِ نحر کہتے ہیں، اور گیارہ سے تیرہ تک تین دنوں کو ایامِ تشریق کہتے ہیں، لہٰذا بیچ کے دو دن ایامِ نحر و ایامِ تشریق دونوں ہیں، اور پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ صرف یوم النحر ہے اور پچھلا دن یعنی تیرھویں ذی الحجہ صرف یوم التشریق ہے''۔[۴]

قربانی چار دن ہونے کے بارے میں ''فتاوی فقیہِ ملت'' میں ہے:

''اگر قربانی ۱۰ ذولحجہ سے ۱۳ ذوالحجہ تک چار دن تک جائز ہوتی تو ایامِ تشریق

---

۱ کتاب الاختیار، کتاب الاضحیۃ، الجزء الخامس، ص23

۲ بحر الرائق، کتاب الاضحیۃ، ج8، ص322

۳ فتاوی رضویہ، ج20، ص354

۴ بہار شریعت، ج03، ص336

بھی چاردن ہوتے حالانکہ وہ صرف تین دن ہیں۔اس لئے کہ تشریق کا معنی ہے گوشت کے ٹکڑے کرنااوردھوپ میں خشک کرناچونکہ عرب والے ۱۰ذوالحجہ کا گوشت ۱۱ کواور۱۱ کا ۱۲ کواور ۱۲ذوالحجہ کا گوشت ۱۳ کودھوپ میں خشک کرتے تھے۔اس لئے ۱۱ سے ۱۳ذوالحجہ تک کل تین دن ایام تشریق ہوئے۔

مصباح اللغات میں ہے:

''شرق اللحم'' گوشت کے ٹکڑے کرنااودھوپ میں خشک کرنا۔المنجد میں ہے:''التشریق ھی ثلاثة ایام بعدعید الاضحی لان لحوم الاضاحی تشرق فیھا،اھ''یعنی ایامِ تشریق عیدالاضحیٰ کے بعدتین دن ہیں اس لئے کہ قربانی کا گوشت ان دنوں میں خشک کیا جاتا ہے۔اورصراح میں ہے:ایامِ تشریق سہ روز بعد ازنحر''اورمصباح اللغات میں ہے:''ایام تشریق عیدالاضحیٰ کے بعدتین دن اس لئے کہ ان دنوں میں قربانی کا گوشت خشک کیا جاتا ہے''......اورجب ایامِ تشریق تین ہی دن ہیں توقربانی کے دن بھی تین ہی ہیں۔اگرقربانی کے چاردن ہوتے تویقیناایامِ تشریق بھی چاردن ہوتے۔اس لئے کہ جب 10ذوالحجہ پہلے دن کا گوشت عرب ولے 11 کوسکھاتے تھےتوکئی دن مسلسل گوشت کھانے کے بعد 13ذوالحجہ کا گوشت 14 کوبدرجۂ اولیٰ سکھاتے۔اس طرح تین دن کی بجائے چاردن ایامِ تشریق ضرورہوجاتے۔لیکن وہ تین ہی دن ہیں جس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن بھی تین ہی ہیں''۔[1]

سوال: اگرکسی نے نمازعید سے پہلے قربانی کی تواسکا کیاحکم ہے۔نیزشہرمیں مختلف مقامات پرعیدہوتی ہےتوکیاقربانی کرنے کے لئےسب کاانتظارکرناضروری ہے؟

جواب: شہرمیں قربانی کی جائے توشرط یہ ہے کہ نمازعیدہوچکے پھرقربانی کرے۔

---

[1] فتاوی فقیہِ ملت،ج2،ص243

لہٰذا نمازِ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے پہلے ذبح کرڈالا وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے پہلے ہی سے کرلیا۔ قربانی سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اوّل مانبدأبه فی یومناهذاان نصلی ثم نرجع فننحرمن فعله فقداصاب سنتناومن ذبح قبل فانماهولحم قدمه لاهله لیس من النسك فی شیئ

ترجمہ: سب سے پہلے جو کام آج ہم کریں گے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں پھر اس کے بعد قربانی کریں، جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جس نے پہلے ذبح کرلیا وہ گوشت ہے جو اس نے پہلے اپنے گھر والوں کے لئے تیار کرلیا قربانی سے اسے کوئی تعلق نہیں۔[1]

البتہ دیہات میں جہاں عید کی نماز نہ ہوتی ہو وہاں بہتر یہ کہ طلوعِ آفتاب کے بعد قربانی کی جائے۔ اور شہر میں بہتر یہ کہ عید کا خطبہ ہو چکنے کے بعد کی جائے، اگر شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہو تو پہلی جگہ نمازِ عید ہو جانے کے بعد قربانی جائز ہے سب جگہوں کا انتظار کرنا ضروری نہیں''۔

درمختار میں ہے:

واوّل وقتهابعدالصلوٰۃ ان ذبح فی مصرای بعداسبق صلاۃ عید،

اور قربانی کا اوّل وقت نمازِ عید کے بعد ہے اگر شہر میں ذبح کیا جائے۔ یعنی عید کی نماز ہو چکنے کے بعد۔[2]

---

[1] بخاری، ج2، ص832

[2] درمختار، ج9، ص 527

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والوقت المستحب للتضحية فی حق اهل السواد بعد طلوع الشمس وفی حق اهل المصر بعد الخطبة کذا فی الظهيرية

اور قربانی کا وقت مستحب دیہات والوں کے حق میں سورج طلوع ہونے کے بعد ہے۔اور شہر والوں کے حق میں خطبہ کے بعد ہے ایسے ہی ظہیر یہ میں ذکر کیا گیا۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''شہر میں قربانی کی جائے تو شرط یہ ہے کہ نماز (عید) ہو چکے، لہٰذا نماز عید سے پہلے شہر میں قربانی نہیں ہوسکتی، اور دیہات میں چونکہ نماز عید نہیں ہے، یہاں طلوع فجر کے بعد سے ہی قربانی ہوسکتی ہے، اور دیہات میں بہتر یہ ہے کہ بعد طلوع آفتاب قربانی کی جائے، اور شہر میں بہتر یہ ہے کہ عید کا خطبہ ہو چکنے کے بعد قربانی کی جائے''۔[2]

اور ایک جگہ عید کی نماز ہوجانے کے بعد قربانی کرنے کے بارے میں بہارِ شریعت میں ہے:

''اگر شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہو تو پہلی جگہ نماز ہو چکنے کے بعد قربانی جائز ہے یعنی یہ ضرور نہیں کہ عید گاہ میں نماز ہو جائے جب ہی قربانی کی جائے بلکہ کسی مسجد میں ہوگئی اور عید گاہ میں نہ ہوئی جب بھی ہوسکتی ہے''۔[3]

سوال: کوئی شخص اگر بیرون ملک ہو اور وہاں سے اپنی طرف سے قربانی کرنے کے لیے رقم بھیجے کہ میری طرف سے یہاں پاکستان میں قربانی کردو تو کیا ہم یہاں پاکستان میں نمازِ عید پڑھ کر اس کی طرف سے جانور قربان کرسکتے ہیں؟ حالانکہ

---

[1] عالمگیری، ج5، ص295

[2] بہارشریعت، ج03، ص337

[3] بہارِشریعت، جلد3، ص337

بیرون ملک میں ابھی دس ذوالحجہ کی صبح صادق نہیں ہوئی؟

جواب: سوال میں بیان کردہ صورت میں بیرون ملک سے اپنی قربانی کے لیے وکیل بنانے والے شخص کی طرف سے قربانی کرنا جبکہ جس جگہ وہ رہتا ہے وہاں ابھی دس ذوالحجہ کی صبح طلوع نہ ہوئی ہوتو اس کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں اور اگر کردی تو اس کی طرف سے واجب قربانی ادا نہ ہوگی کیونکہ قربانی کے وجوب کا سبب وقت ہے اور وہ وقت دس ذوالحجہ کی صبح صادق طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے، لہذا دس ذوالحجہ کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے قربانی ابھی واجب ہی نہ ہوئی، تو جب قربانی واجب ہی نہ ہوئی تو وجوب سے پہلے ہی کی گئی قربانی سے، بعد میں واجب ہونے والی قربانی ادا نہیں ہوگی، اگرچہ پاکستان میں دیہات میں قربانی کرنے کی صورت میں صبح صادق طلوع ہوچکی ہو، یا شہر میں قربانی کرنے کی صورت میں یہاں شہر کے کسی مقام پر عید کی نماز ہوچکی ہو۔

ہاں البتہ بیرون ملک والا شخص جہاں موجود ہے، اگر وہاں دس ذوالحجہ کی صبح صادق کا وقت ہوگیا ہے، تو اب پاکستان کے دیہات میں قربانی کرنے کی صورت میں یہاں دس ذوالحجۃ الحرام کو طلوع فجر کے بعد اور شہر میں قربانی کرنے کی صورت میں یہاں اس شہر کے کسی مقام پر نماز عید ہو چکنے کے بعد قربانی کی، تو ادا ہو جائے گی اگرچہ جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے، جہاں وہ شخص موجود ہے، وہاں ابھی تک عید کی نماز نہ ہوئی ہو، کیونکہ اس میں قربانی والی جگہ کا اعتبار ہے، قربانی کرنے والے کے شہر کا اعتبار نہیں ہے۔

قربانی کے وجوب کا سبب وقت ہونے کے حوالے سے درمختار میں ہے:

و سببها الوقت و هو أيام النحر

اور اس کے وجوب کا سبب وقت ہے اور وہ ایام النحر کا وقت ہے۔

اس عبارت کے تحت علامہ شامی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

ذکر فی النهاية أن سبب وجوب الأضحية و وصف القدرة فيها بأنها ممكنة أو ميسرة لم يذكر لا في أصول الفقه و لا في فروعه، ثم حقق أن السبب هو الوقت، لأن السبب إنما يعرف بنسبة الحكم إليه و تعلقه به، إذ الأصل في إضافة الشئ إلى الشئ أن يكون سبباً

ترجمہ: نہایہ میں ذکر کیا ہے کہ قربانی کے وجوب کا سبب اور اس میں ممکن اور آسان ہونے کے اعتبار سے قدرت کا وصف ذکر نہیں کیا گیا، نہ اصول فقہ میں اور نہ ہی اس کی فروعات میں۔ پھر انہوں نے تحقیق فرمائی کہ اس کے وجوب کا سبب وقت ہے، اس لیے کہ سبب کی پہچان، اس کی طرف حکم کی نسبت اور اس کے ساتھ حکم کے تعلق سے ہوتی ہے، اس لیے کہ ایک شے کی دوسری شے کی طرف اضافت میں اصل یہی ہے کہ وہ دوسری شے کے لیے سبب ہو۔[1]

درمختار مع ردالمحتار میں ہے:

أول وقتها بعد الصلوة إن ذبح في مصر وبعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح في غيره والمعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه

یعنی قربانی کا وقت نماز کے بعد ہے، اگر شہر میں کرے اور اگر گاؤں میں ذبح کرنی ہو تو عید کے روز صبح طلوع ہونے کے بعد اور قربانی میں ذبح کرنے کی جگہ معتبر ہے، قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں۔[2]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

إن الرجل إذا كان في مصر و أهله في مصر آخر فكتب إليهم ليضحوا عنه فإنه يعتبر مكان التضحية فينبغي أن يضحوا عنه بعد فراغ الإمام

---

[1] الدر المختار مع رد المحتار، جلد 9 ص 520

[2] الدر المختار مع رد المحتار، جلد 9، ص 527 تا 529

من صلاتہ فی المصر الذی یضحی عنہ فیہ

یعنی اگر ایک شخص ایک شہر میں ہو اور اس کے اہل دوسرے شہر میں ہوں، وہ اپنے گھر والوں کو کہے کہ میری طرف سے قربانی کریں، تو بے شک اس میں قربانی والی جگہ کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی اس کے اہل کے لیے اجازت ہو گی کہ وہ جس شہر میں قربانی کر رہے ہیں، اس شہر میں امام کے نماز عید سے فارغ ہونے کے بعد، اس شخص کی طرف سے قربانی کر دیں۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

"قربانی واجب ہونے کا سبب وقت ہے، جب وہ وقت آیا اور شرائط وجوب پائے گئے، قربانی واجب ہو گئی"۔[2]

مزید اسی میں ایک مقام پر فرمایا:

"قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے"۔[3]

مزید ایک اور جگہ فرمایا:

''یہ جو شہر اور دیہات کا فرق بتایا گیا ہے، یہ مقام قربانی کے لحاظ سے ہے، قربانی کرنے والے کے اعتبار سے نہیں، یعنی دیہات میں قربانی ہو تو وہ وقت ہے، اگرچہ قربانی کرنے والا شہر میں ہو اور شہر میں ہو تو نماز کے بعد ہو، اگرچہ جس کی طرف سے قربانی ہو وہ دیہات میں ہو''۔[4]

سوال: کیا مسافر پر بھی قربانی واجب ہے؟

---

[1] فتاوی عالمگیری، جلد 5، ص 296

[2] بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 333

[3] بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 336

[4] بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 337

جواب: مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ولیس علی الفقیر والمسافر اضحیة لما بینا و ابوبکر و عمر کانا لایضحیان اذا کانا مسافرین عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیس علی المسافر جمعة ولا اضحیة

اور فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں اس دلیل کی وجہ سے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی جب سفر میں ہوتے تھے تو قربانی نہیں کرتے تھے اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسافر پر نہ جمعہ ہے اور نہ قربانی ہے۔[1]

سوال: مسافر پر قربانی کے عدمِ وجوب کی وجہ کیا ہے؟

جواب: فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مسافر پر قربانی واجب نہ ہونے کی وجہ تو حضراتِ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا عمل ہے جیسا کہ ماقبل سوال کے جواب میں گزر چکا۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے قربانی کی ادائیگی کو جن اسباب کے ساتھ مختص کیا ہے مسافر پر بوقتِ سفر انہیں پورا کرنا دشوار ہوتا ہے اور چونکہ وقت ختم ہونے سے قربانی بھی فوت ہوجاتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ ابھی یہ سفر ہی میں ہو اور قربانی کا وقت نکل جائے لہذا اسے مسافر پر جمعہ کے عدمِ وجوب کے درجے میں رکھا گیا۔

ہدایہ میں ہے:

ان الاداء یختص باسباب یشق علی المسافر استحضارها ویفوت بمضی الوقت فلایجب علیه بمنزلة الجمعة

---

[1] ھدایہ، ج4، ص446

یعنی قربانی کی ادائیگی ایسے اسباب کے ساتھ مختص ہے کہ جن کو حاضر کرنا مسافر پر شاق (دشوار) ہوتا ہے اور یہ وقت کے گزر جانے سے فوت ہو جاتی ہے تو مسافر پر واجب نہ ہوگی مسافر پر جمعہ کے وجوب کی طرح۔[1]

سوال: مسافر کے لئے قربانی کے عدمِ وجوب کے لئے کتنی مسافت ضروری ہے؟

جواب: سفر کی مسافت ساڑھے ستاون میل یعنی 92 کلومیٹر ہو تو وہ شرعاً مسافر ہوگا۔

مسافتِ سفر کے بارے میں فتاوی رضویہ میں ہے:

''شرعاً مسافر وہ شخص ہے جو ساڑھے 57 میل (تقریباً 92 کلومیٹر) کے فاصلے تک جانے کے ارادے سے اپنے مقام اقامت مثلاً شہر یا گاؤں سے باہر ہو گیا ہو۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''کوس کا اعتبار نہیں کہ کوس کہیں چھوٹے ہوتے ہیں کہیں بڑے بلکہ اعتبار تین منزلوں کا ہے اور خشکی میں میل کے حساب سے اس کی مقدار 357/8 میل ہے۔[3]

حاجی اور بقرہ عید کی قُربانی

سوال: جو لوگ حج کے لئے جاتے ہیں کیا ان پر بھی بقرعید کی قربانی واجب ہوتی ہے؟

جواب: عیدالاضحیٰ کی قربانی ہر مسلمان، مقیم مالکِ نصاب پر واجب ہے لہٰذا جو حاجی ازروئے شرع مطہرہ مقیم اور مالکِ نصاب ہو تو دورانِ حج اس پر بھی عیدالاضحیٰ کی قربانی واجب ہوگی اور جس حاجی پر ازروئے شرع مسافر کی تعریف صادق آتی ہو تو اس

---

[1] ھدایہ، ج4، ص443، 444

[2] فتاوی رضویہ، ج8 ص270

[3] بہار شریعت، ج1 حصہ4 ص44

پر بقرعید کی قربانی واجب نہیں ہوگی۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

’’اب قربانی میں مشغول ہو یہ وہ قربانی نہیں جو عید میں ہوتی ہے کہ وہ تو مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگرچہ حج میں ہو‘‘۔[1]

رفیق الحرمین میں بقرعید کی قربانی کے بارے میں فرمایا:

’’مُقِیم مالدار حاجی پر واجِب ہے، مُسافِر حاجی پر نہیں اگرچِہ مالدار ہو۔ بَقَرہ عید کی قربانی کا حَرَم شریف میں ہونا ضَروری نہیں، اپنے مُلک میں بھی کسی کو کہہ کر کروائی جاسکتی ہے۔ البتّہ دن کا خیال رکھنا ہوگا کہ جہاں قربانی ہونی ہے وہاں بھی اور جہاں قربانی والا ہے وہاں بھی دونوں جگہ ایّا م قربانی ہوں۔ مُقِیم حاجی پر قربانی واجِب ہونے کے بارے میں ’’اَلْبَحرُ الرَّائق‘‘ میں ہے: اگر حاجی مسافر ہے تو اُس پر قربانی واجِب نہیں ہے، ورنہ وہ (یعنی مقیم حاجی) مکّی کی طرح ہے اور (غنی ہونے کی صورت میں) اُس پر قربانی واجِب ہے۔[2]

عُلَماء کرام نے جس حاجی پر قربانی واجِب نہ ہونے کا قَول کیا ہے اس سے مُراد وہ حاجی ہے جو مسافِر ہو۔ چُنانچِہ ’’مَبسُوط‘‘ میں ہے: قربانی شہر والوں پر واجِب ہے، حاجیوں کے علاوہ اور یہاں شہر والوں سے مُراد مُقیم ہیں اور حاجیوں سے مُراد مسافِر ہیں، اہلِ مکہ پر قُربانی واجِب ہے اگرچِہ وہ حج کریں۔[3]

سوال: کیا گھر کے کسی ایک فرد کی طرف سے قربانی کر لینا کافی ہے؟

جواب: جی نہیں! گھر کے جتنے افراد میں مذکورہ شرائط پائی جائیں گی ان تمام پر قربانی

---

[1] فتاوی رضویہ، ج 10، ص 751

[2] اَلبَحرُ الرّائق ج ۲ ص ۲۰۶

[3] (المبسوط للسرخسی ج ۲، الجزء الثانی عشر ص ۲۴)‘‘۔ (رفیق الحرمین، ص 194)

واجب ہے اور ایک ہی کی طرف سے ادا کر لینے سے سب بری الذمہ نہ ہوں گے۔

ہدایہ میں ہے:

ویذبح عن کل واحد منھم شاۃ

اوران میں سے ہر ایک کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہوسکتی ہے، نہ وہ سوائے مالکِ نصاب کے کسی اور پر واجب ہے اگر اس کی بالغ اولاد میں کوئی خود صاحبِ نصاب ہوتو وہ اپنی قربانی جدا کرے''۔[2]

سوال: اگر قربانی کی جگہ اُتنے پیسے اللہ کی راہ میں صدقہ کردیئے جائیں تو کیا شرعاً یہ درست ہوگا؟

جواب: جی نہیں! قربانی کے وقت میں قربانی کرنا ہی لازم ہے کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ مثلاً قربانی کی بجائے بکرا یا اس کی قیمت صدقہ کردی جائے یہ ناکافی ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی حدیثِ مبارکہ نقل کرتے ہیں:

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم انہ لیاء تی یوم القیامۃ بقرونھا واشعارھا واظلافھا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بھا نفساً

یعنی حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یوم النحر میں ابنِ آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں

---

[1] ھدایہ، ج4، ص444

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص369

اوروہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگ اور بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدا کے نزدیک مقامِ قبول میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا اس کو خوش دلی سے کرو۔[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

انه لایقوم غیرهامقامهافی الوقت حتّٰی لوتصدق بعین الشاة اوقیمتهافی الوقت لایجزئه عن الاضحیة

یعنی بیشک قربانی کے وقت میں قربانی کے علاوہ کوئی اور چیز قربانی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ اگر کسی معین بکری یا اس کی قیمت کو قربانی کے وقت میں صدقہ کر دیا تو یہ قربانی کے مقابلہ میں کافی نہ ہوگا۔[2]

سوال: اگر کوئی شخص اپنے صاحبِ نصاب بالغ لڑکوں یا صاحبِ نصاب بیوی کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو کیا کرسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! کرتو سکتا ہے لیکن ان سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اور بغیر ان کی اجازت کے اگر کردی تو استحساناً جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کی عیال (پرورش) میں ہوں، دلالۃً ان کی اجازت ثابت ہونے کی بناء پر اور اگر یہ اس کی عیال میں نہ ہوں تو اجازت کے بغیر درست نہیں۔

درمختار میں ہے:

لاعن زوجته وولده الکبیر العاقل ولوادی عنهمابلااذن اجزا استحسانالللاذی عادة أی لوفی عیاله والافلا،قسهتانی عن المحیط، فلیحفظ

---

[1] جامع الترمذی، کتاب الاضاحی،باب ماجاء فی فضل الاضحیة، ج 1، ص407

[2] عالمگیری،ج5،ص293،294

یعنی بیوی اور عاقل بالغ بیٹے کی طرف سے اس پر واجب نہیں، اور اگر ان دونوں کی طرف سے اجازت کے بغیر ادا کر دے تو استحساناً جائز ہے عادتاً اجازت ہونے کی بناء پر یعنی جب عاقل بالغ بیٹا اس کی عیال میں شامل ہو ورنہ اجازت کے بغیر نہیں، یہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے، تو تم اس کو محفوظ کر لو۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''قربانی وصدقہ فطر عبادت ہے اور عبادت میں نیت شرط ہے تو بلا اجازت ناممکن ہے۔ ہاں اجازت کے لئے صراحۃً ہونا ضروری نہیں دلالت کافی ہے۔ مثلاً زید اس کے عیال میں ہے اس کا کھانا پہننا سب اس کے پاس سے ہوتا ہے۔ یا یہ اس کا وکیل مطلق ہے۔ اس کے کاروبار کیا کرتا ہے۔ ان صورتوں میں ادا ہو جائے گی''۔[2]

سوال: باپ اگر اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے بھی قربانی کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟

جواب: نابالغ اولاد کی طرف سے اگرچہ واجب نہیں مگر کر دینا مستحب عمل ہے، کرے گا تو ثواب پائے گا اور نہ کرے تو گنہگار نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وفی الولد الصغیر تستحب ولا تجب

اور (قربانی) نابالغ بچے کی طرف سے مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔[3]

فتاوی خانیہ میں ہے:

وفی الولد الصغیر عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی روایتان فی ظاهر الروایۃ یستحب ولا یجب بخلاف صدقۃ الفطر وروی الحسن عن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی انہ یجب أن یضحی عن ولدہ الصغیر وولد ولدہ

---

[1] درمختار، ج3، ص370

[2] فتاوی رضویہ، ج20 ص453

[3] عالمگیری، ج5، ص293

الذی لاأب له والفتوی علی ظاهرالروایة

ترجمہ: نابالغ بچے پرقربانی واجب ہونے کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دوروایتیں ہیں: ظاہرالروایہ میں ہے کہ والد پر بچے کی قربانی مستحب ہے ،واجب نہیں بخلاف صدقہ فطراورامام حسن نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ والد پراپنے چھوٹے بچے اورایسے پوتے جس کاوالدنہ ہو، کی طرف سےقربانی واجب ہےاورفتوی ظاہرالروایہ(واجب نہیں) پر ہے۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''اولادِصغارکی طرف سےقربانی اپنے مال سے کرناواجب نہیں،ہاں مستحب ہے۔اورقربانی جس پرواجب ہےاس پرایک ہی واجب ہےزیادہ نفل ہے۔چاہے ہزارجانورقربانی کرے گاثواب ہے۔نہ کرے گا کچھ مواخذہ نہیں۔

فی الدرالمختار تجب التضحیة عن نفسه لاعن طفله علی الظاهر بخلاف الفطرة،شاة اوسبع بدنه اه ملتقطا،وفی الخانیة فی ظاهر الروایة یستحب ولایجب بخلاف صدقة الفطر-والفتویٰ علی ظاهر الروایة اه ملخصا

درمختارمیں ہے:قربانی خوداپنی طرف سے واجب ہے،نابالغ اولادکی طرف سےاس پرواجب نہیں،ظاہرقول کےمطابق،بخلاف فطرانہ کے،قربانی کے لئے بکری یااونٹ یاگائے کاساتواں حصہ واجب ہے۔اھ ملتقطا،اورخانیہ میں ہے کہ ظاہرالروایۃ یہ کہ نابالغ کی طرف سے مستحب ہے واجب نہیں بخلاف صدقۂ فطر کے،اورفتویٰ ظاہرروایۃ پرہےاھ ملخصا۔[2]

سوال: جس پرقربانی واجب ہووہ اگراپنے گھرکےکسی فردکی طرف سے کردے

---

[1] فتاوی خانیه، کتاب الاضحیة،ج03،ص345

[2] فتاوی رضویه،ج20،ص454

لیکن اپنی طرف سے نہ کرے تو کیا اس کا واجب ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب: جس پر قربانی واجب ہے، اس کو خود اپنے نام سے قربانی کرنی واجب ہے اپنی طرف سے نہ کرے اور گھر کے کسی فرد کی طرف سے کر دے تو اس کے ذمہ سے واجب ساقط نہ ہوگا۔

فتاوی امجدیہ میں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ہے:

''جس پر قربانی واجب ہے، اس کو خود اپنے نام سے قربانی کرنی چاہیے۔ لڑکے یا زوجہ کی طرف سے کریگا تو واجب ساقط نہ ہوگا۔ اپنے سے کرنے کے بعد جتنی قربانیاں کرے، مضائقہ نہیں۔ مگر واجب کو ادا نہ کرنا اور دوسروں کی طرف سے نفل ادا کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ پھر بھی دوسروں کی طرف سے جو قربانی کی، ہو گئی اور ایامِ نحر باقی ہوں تو یہ خود قربانی کرے، گزرنے پر قیمت اضحیۃ تصدق کرے''۔ [1]

فوت شدہ والدین یا رشتہ داروں کی طرف سے قربانی

مسلمان والدین یا رشتہ داروں کے نام ایصالِ ثواب کے لئے قربانی کرنا جائز ہے کہ قربانی کرنا کارِ ثواب ہے اور آدمی اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا تصدق بصدقةٍ تطوعاً فليجعلها عن ابويه فيكون لهما اجرها فلا ينقص من اجره شيء

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص نفلی صدقہ کرے اسے چاہیے کہ اپنے ماں باپ کی طرف سے کر دے کہ انھیں اس کا ثواب ملے گا اور اس شخص کے ثواب میں سے بھی کچھ کم نہ ہوگا۔ [2]

---

[1] فتاوی امجدیہ، ج3، ص314

[2] مجمع الزوائد، کتاب الزکوۃ، باب الصدقة علی االمیت، ج3، ص253

فتاوی رضویہ میں ''ہدایہ'' کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الاصل فی ھذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ او صوما او صدقۃ او غیرھا عن اھل السنۃ گ وفی ملتقی الابحر آخر الباب للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ فی جمیع العبادات

ترجمہ: اس باب میں اصل یہ ہے کہ اہلِ سنت کے نزدیک انسان اپنے ہر عمل کا ثواب دوسرے کیلئے کرسکتا ہے نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کچھ......اور ملتقی الابحر باب مذکور کے آخر میں ہے انسان کو تمام عبادات پر اختیار رہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کیلئے کردے۔[1]

سوال: کیا اسلام میں ایسی کوئی اصل موجود ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کی طرف سے بھی قربانی کرسکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! حضور نبی کریم ﷺ جب قربانی کرتے تو اپنی اُمت پر شفقت کرتے ہوئے قربانی کا ایک جانور اُمت کی طرف سے بھی قربان کرتے اور اس طرح اپنی قربانی میں اپنی اُمت کے ناداروں کو بھی شامل فرمالیتے تھے۔

سننِ ابوداؤد میں ہے:

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال شھدت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الاضحی فی المصلیٰ فلما قضی خطبتہ نزل من منبرہ واتی بکبش فذبحہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدہ وقال بسم اللہ واللہ اکبر ھذا عنی وعمن لم یضح من اُمتی

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا جب آپ خطبہ سے فارغ

---

[1] فتاوی رضویہ، ج9ص639

ہوئے تو منبر سے اتر آئے اور ایک مینڈھا لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمایا اور کہا: اللہ کے نام سے شروع اور اللہ بہت بڑا ہے، یہ میری طرف سے ہے اور میرے ہر اس اُمتی کی طرف سے جو قربانی نہ کر سکے۔[1]

اور سننِ ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اراد ان یضحی اشتری کبشین عظیمین اقرنین املیحین موجوئین فذبح احدھما عن اُمتہ لمن شھد للہ بالتوحید و شھد لہ بالبلاغ وذبح الأخر عن محمد و عن اٰل محمد صلی اللہ تعالیٰ وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو مینڈھے خریدتے جو موٹے تازے، سینگوں والے اور کالے سیاہ رنگدار ہوتے، ایک اپنی اُمت کی جانب سے ذبح کرتے جو بھی اللہ کو ایک مانتا ہو اور رسول کی رسالت کا قائل ہو۔ اور دوسرا محمد اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورضوان اللہ علیہم الرضون) کی جانب سے ذبح فرماتے۔[2]

اور اسی ابن ماجہ میں ہے:

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحر عن اٰلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع بقرۃ واحدۃ

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔[3]

---

[1] ابوداؤد، ج2، ص40

[2] ابن ماجہ، ص225

[3] (ابن ماجہ، ص226

سوال: کیا ہم بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! ہم بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہر سال ایک دنبے کی قربانی اپنی طرف سے کرتے اور ایک دنبے کی قربانی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی کیا کرتے تھے۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

عن حنش قال رایت علیا رضی اللہ عنہ یضحی بکبشین فقلت لہ ماھذافقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ

حضرت حنش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو دو دنبے قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو عرض کی کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی تھی چنانچہ میں ایک قربانی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کرتا ہوں۔[1]

سوال: جس شخص پر قربانی واجب تھی اس کے گھر پر اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا اس شخص پر قربانی کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے؟

جواب: جی نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ جس شخص پر ایامِ قربانی میں قربانی کی شرائط پائی گئیں اس پر قربانی کرنا لازم ہوگا، نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا اور پھر اگر جانور خرید چکا تھا تو ایامِ نحر گزر جانے پر اس جانور کو ورنہ بکرے کی قیمت صدقہ کرنا ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولولم یضح حتی مضت أیام النحرفقدفاتہ الذبح فان کان أوجب

---

[1] سنن ابوداؤد ج2ص 37

على نفسه شاة بعينها بأن قال لله على أن اضحى بهذه الشاة سواء كان الموجب فقيراأوغنياأوان كان المضحى فقيراوقداشترى شا ة بنية الاضحية فلم يفعل حتى مضت أيام النحر تصدق بهاحية وان كان من لم يضح غنياولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترى أولم يشتركذافى العتابيه

اوراگر قربانی نہیں کی کہ ایام نحر (قربانی کے دن) گزر گئے۔ تو تحقیق اس نے قربانی کو فوت کر دیا۔ پس اگر اس نے اپنے لیے کسی معین بکری کو لازم کیا تھا اس طور پر کہ اس نے کہا کہ میں اس بکری کو اللہ عزوجل کے لیے ذبح کروں گا۔ برابر ہے کہ قربانی کو واجب کرنے والا فقیر ہو یا غنی۔ اور اگر قربانی کرنے والا فقیر ہو اور اس نے اپنے لیے ایک بکری قربانی کی نیت سے خریدی مگر اس کو ذبح نہ کیا یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے۔ تو اسے چاہیے کہ اس زندہ بکری کو ہی صدقہ کر دے۔ اور اگر جس نے قربانی نہ کی وہ غنی ہو اور اس نے قربانی کے لیے کسی معین بکری کو لازم بھی نہ کیا ہو تو اسے چاہیے کہ ایک بکری کی قیمت صدقہ کر دے اگر چہ اس نے قربانی کے لئے بکری خریدی ہو یا نہ خریدی ہو۔[1]

اور بہار شریعت میں ہے کہ ''ایام نحر گزر گئے اور جس پر قربانی واجب تھی اس نے نہیں کی ہے تو قربانی فوت ہوگئی اب نہیں ہوسکتی پھر اگر اس نے قربانی کا جانور معین کر رکھا ہے مثلاً معین جانور کے قربانی کی منت مان لی ہے وہ شخص غنی ہو یا فقیر بہر صورت اسی معین جانور کو زندہ صدقہ کرے اور اگر ذبح کر ڈالا تو سارا گوشت صدقہ کرے اس میں سے کچھ نہ کھائے اور اگر کچھ کھالیا ہے تو جتنا کھایا ہے اس کی قیمت صدقہ کرے۔''[2]

---

[1] عالمگیری، ج5، ص296

[2] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص338

سوال: جس پر قربانی واجب تھی اگر وہ کسی وجہ سے نہ کر سکا اور ایامِ قربانی گزر گئے تو اب اس کے لئے شریعت کی طرف سے کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی کے ایام گزر گئے اور جس پر قربانی واجب تھی اس نے نہیں کی تو اس کی قربانی فوت ہوگئی اور اب نہیں ہوسکتی اور اسکی جگہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر اس نے قربانی کا جانور لے رکھا تھا تو اسے صدقہ کردے اور اگر نہیں خریدا تھا تو بکری کی قیمت صدقہ کردے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو لم یضح حتی مضت ایام النحر فقد فاته الذبح فان کان اوجب علی نفسه شاة بعینها بان قال لله علی ان اضحی بهٰذه الشاة سواء کان الموجب فقیرا او غنیا اوکان المضحی فقیرا وقد اشتری شاة بنیة الاضحیة ولم یفعل حتی مضت ایام النحر تصدق بها حیة وان کان من لم یضح غنیا ولم یوجب علی نفسه شاة بعینها تصدق بقیمة الشاة اشتری او لم یشتر

اور اگر قربانی نہیں کی کہ ایام نحر (قربانی کے دن) گزر گئے۔ تو تحقیق اس نے قربانی کو فوت کردیا۔ پس اگر اس نے اپنے لیے کسی معین بکری کو لازم کیا تھا اس طور پر کہ اس نے کہا کہ میں اس بکری کو اللہ عزوجل کے لیے ذبح کروں گا۔ برابر ہے کہ قربانی کو واجب کرنے والا فقیر ہو یا غنی۔ اور اگر قربانی کرنے والا فقیر ہو اور اس نے اپنے لیے ایک بکری قربانی کی نیت سے خریدی مگر اس کو ذبح نہ کیا یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے۔ تو اسے چاہیے کہ اس زندہ بکری کو ہی صدقہ کردے۔ اور اگر جس نے قربانی نہ کی وہ غنی ہو اور اس نے قربانی کے لیے کسی معین بکری کو لازم بھی نہ کیا ہو تو اسے چاہیے کہ ایک بکری کی قیمت صدقہ کردے اگرچہ اس نے قربانی کے لئے بکری خریدی

ہو یا نہ خریدی ہو۔[1]

سوال: ایک شخص پر قربانی واجب تھی اس نے قربانی نہیں کی اور اس کی قیمت بھی صدقہ نہ کی یہاں تک کہ دوسری عید آ گئی تو کیا اب اس قربانی کی قضا کر سکتا ہے؟

جواب: قربانی کے دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی اور جانور یا اس کی قیمت کو صدقہ بھی نہیں کیا یہاں تک کہ دوسری بقرعید آ گئی اب یہ چاہتا ہے کہ سال گزشتہ کی قربانی کی قضا اس سال کر لے یہ نہیں ہو سکتا بلکہ اب بھی وہی حکم ہے کہ جانور خریدا تھا تو وہی صدقہ کر دے اور اگر نہیں خریدا تھا تو بکری کی قیمت صدقہ کر دے جیسا کہ اوپر دلائل سے یہ بات بیان ہوئی۔

سوال: قربانی کے لیے جو جانور خریدا تھا اسے بیچ ڈالا اور قربانی نہیں کی تو اب اس رقم کا کیا کرے؟

جواب: جس جانور کی قربانی واجب تھی ایام نحر گزرنے کے بعد اسے بیچ ڈالا تو ثمن کا صدقہ کرنا واجب ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

سوال: صاحب نصاب تھے لیکن قربانی نہ کی، اس طرح سابقہ چار، پانچ سالوں کی قربانیاں رہتی ہوں تو کیا اب کی بار قربانی پر گائے وغیرہ بڑا جانور لے کر اس سال کی قربانی کا بھی حصہ رکھ لیں اور سابقہ ان سالوں کی قربانی کے لیے ہر سال کا حصہ شامل کر لیں، تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟

جواب: دریافت کردہ صورت میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کے بدلے میں اس سال بڑے جانور میں حصے کی صورت میں یا بکرا، بکری قربان کر دیں، اس طرح کرنے سے سابقہ قربانیاں ادا نہیں ہو سکتیں بلکہ ان سابقہ سالوں کی قربانی نہ کرنے کی وجہ سے ان سالوں کی قربانیوں کے بدلے بکریوں کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے کیونکہ صاحبِ

[1] عالمگیری، ج5، ص296

نصاب پر قربانی کے ایام اگر گزر جائیں اور جانور بھی قربانی کے لیے نہ خریدا ہو، تو پھر بکری کی قیمت صدقہ کرنا لازم آتی ہے اور اگر اس سال گزشتہ سالوں کی نیت سے بڑے جانور میں حصہ ڈالیں گے، تو موجودہ سال کی قربانی تو ادا ہو جائے گی مگر باقی سابقہ سالوں کی طرف سے ادا نہ ہوگی، محض نفلی ہوں گی اور ایسی صورت میں سارے کا سارا گوشت (یعنی موجودہ سال والی اور دوسری قربانیوں کا گوشت) بھی صدقہ کرنا ہوگا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

انها لاتقضی بالاراقة لأن الاراقة لا تعقل قربة وانما جعلت قربة بالشرع فی وقت مخصوص فاقتصر کونها قربة علی الوقت المخصوص فلا تقضی بعد خروج الوقت

ترجمہ: قربانی کی قضا خون بہانے (یعنی جانور ذبح کرنے) سے نہیں ہوسکتی، کیونکہ خون بہانا عقلاً قربت نہیں ہے، اسے شرع کی وجہ سے ایک وقت مخصوص میں قربت قرار دیا گیا ہے، تو اس کا قربت ہونا وقت مخصوص تک ہی محدود ہوگا، وقت کے ختم ہونے کے بعد اس طرح قضا نہیں ہوسکتی۔[1]

اسی میں ایام نحر کے بعد قیمت لازم ہونے کے بارے میں ہے:

وان کان لم یوجب علی نفسه ولا اشتری وهو موسر حتی مضت أیام النحر تصدق بقیمة شاة تجوز فی الأضحیة

ترجمہ: اگر قربانی اپنے اوپر خود واجب نہیں کی تھی اور نہ ہی قربانی کے لیے جانور خریدا تھا اور وہ صاحب نصاب بھی تھا (اور اس نے قربانی نہیں کی) یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے، تو اب ایک ایسی بکری کی قیمت صدقہ کرے گا جس کی قربانی

---

[1] الصنائع، جلد4، صفحہ 202، مطبوعہ کوئٹہ

جائز ہوتی ہو۔[1]

سابقہ یعنی گزشتہ سالوں کی نیت سے حصہ ڈالنے کے متعلق ردالمحتار میں ہے:

لو کان أحدهم مریدا للأضحیة عن عامه وأصحابه عن الماضی تجوز الأضحیة عنه ونیة أصحابه باطلة وصاروا متطوعین ، وعلیهم التصدق بلحمها وعلی الواحد

ترجمہ: (بڑے جانور میں) شرکاء میں سے کسی ایک نے موجودہ سال کی قربانی کی نیت کی اور باقیوں نے گزشتہ سالوں کی، تو موجودہ سال والے کی نیت درست ہوجائے گی اور اس کے ساتھیوں کی نیت باطل ہوگی اور ان کی قربانیاں نفل ہوں گی اوران پراوراس اکیلے پر (جس نے موجودہ سال کی نیت کی تھی، ان سب پر) گوشت صدقہ کرنا لازم ہوگا۔[2]

بہارشریعت میں ہے:

''غنی نے قربانی کے لیے جانور خریدلیا ہےتو وہی جانور صدقہ کردے اور ذبح کرڈالاتو وہی حکم ہے جومذکور ہوااور خریدا نہ ہوتو بکری کی قیمت صدقہ کرے۔''[3]

مزید اسی میں ہے:

''قربانی کے دن گزر گئے اوراس نے قربانی نہیں کی اور جانور یااس کی قیمت کوصدقہ بھی نہیں کیا یہاں تک کہ دوسری بقرعید آ گئی اب یہ چاہتا ہے کہ سال گزشتہ کی قربانی کی قضااس سال کرلے، یہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اب بھی وہی حکم ہے کہ جانور یااس کی قیمت صدقہ کرے۔[4]

---

[1] بدائع الصنائع، جلد4، صفحہ 203، مطبوعہ کوئٹہ

[2] ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، جلد9، صفحہ 540

[3] بہارشریعت، جلد3، حصہ 15، صفحہ 338

[4] بہارشریعت، جلد 3، حصہ 15، صفحہ 339، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی

گزشتہ سالوں کی قربانی کی نیت سے حصہ ڈالا تو اس کے متعلق بہارِ شریعت میں ہی ہے:

"شرکا میں سے ایک کی نیت اس سال کی قربانی ہے اور باقیوں کی نیت سال گزشتہ کی قربانی ہے، تو جس کی اس سال کی نیت ہے اوس کی قربانی صحیح ہے اور باقیوں کی نیت باطل، کیونکہ سال گزشتہ کی قربانی اس سال نہیں ہوسکتی۔ ان لوگوں کی یہ قربانی تطوّع یعنی نفل ہوئی اور ان لوگوں پر لازم ہے کہ گوشت کو صدقہ کر دیں، بلکہ ان کا ساتھی جس کی قربانی صحیح ہوئی ہے، وہ بھی گوشت صدقہ کر دے۔"[1]

سوال: ہمارے والد صاحب غنی ہیں ان پر قربانی واجب ہے انہوں نے قربانی کے لیے ایک بہت پیارا جانور خریدا، گھر لے آئے لیکن ہمارے ایک پڑوسی ہیں، انہیں وہ پسند آ گیا وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ مجھے بیچ دیں اور اپنے لیے دوسرا خرید لیں، کیا وہ جانور ہم انہیں بیچ سکتے ہیں، انہیں بیچنے پر ہمیں کچھ نفع بھی مل جائے گا؟

جواب: غنی نے قربانی کی نیت سے جو جانور خریدا اگر وہ اسے بیچتا ہے اور اس کی قیمت میں سے کچھ رقم کم کر کے بقیہ کا دوسرا جانور خریدے، تو بیچنا ناجائز ہوا اور اس پر یہ گنہگار بھی ہوگا، اور بچائی ہوئی رقم صدقہ کرنا لازم ہوگا اور اگر اسے بیچ کر اس کی مثل دوسرا جانور لانا چاہتا ہو، تو بھی بیچنا مکروہ تحریمی و گناہ ہے، ہاں اگر اس سے بہتر جانور لانا چاہتا ہو، تو بیچنا جائز ہے۔

قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور بدلنے سے متعلق جد الممتار میں ہے:

اقول تقدم فیما اذا ضلت فشری اخری فوجد الاولی فذبح الثانیة و ھی اقل قیمة من الاولی تصدق بالفضل، و ذلك لانھا و ان لم تتعین فی حق الغنی الغیر الناذر لکنه لما شراھا للاضحیة فقد نوی اقامة القربة

---

[1] بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، صفحہ 343، مکتبۃ المدینہ، کراچی

بها ،فاذا ابدلها بما دونها کان رجوعاً عن بعض ما نوی فامر بالتصدق ،و قد مر فی الشرح بلفظ ﴿ضمن الزائد﴾ و فی حاشیة عن البدائع بلفظ ﴿علیه ان یتصدق بافضلها﴾ گ و قال فی الهدایة و التبیین ﴿انها تعینت للاضحیة حتی وجب ان یضحی بها بعینها فی ایام النحر ،و یکره ان یبدل بها غیرها﴾ قال فی العنایة ﴿بعینها فی ایام النحر فیما اذا کان المضحی فقیراً و یکره ان یبدل اذا کان غنیا﴾ و مطلق الکراهة التحریم بل زاد سعدی افندی بعد قوله اذا کان غنیا ﴿ولکن یجوز استبدالها بخیر منها عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالیٰ﴾ خصهما لانها عند ابی یوسف کالوقف ،فدل علی ان الاستبدال بغیر الخیر لا یجوز۔

وقال فی العنایة ﴿لو اشتری اضحیة ثم باعها و اشتری مثلها لم یکن به بأس ﴾ فافهم ان لو کانت ادون منها کان به بأس، ولا بأس فی المکروه تنزیها فیکره تحریما بل قال علیه سعدی افندی ﴿اقول فیه بحث ﴾ ای فی المثل ایضاً بأس بل یشترط للجواز الخیرة کما قدّمنا عنه

ترجمہ: میں کہتا ہوں: پہلے جو مسئلہ گزرا کہ جب قربانی کا جانور گم ہوگیا اور مالک نے دوسرا جانور خرید لیا اور پھر پہلا مل گیا اور اس نے دوسرا جانور، جو پہلے سے کم قیمت کا ہے، ذبح کر دیا، تو وہ شخص (پہلے جانور کی دوسرے سے) زائد قیمت صدقہ کر دے اور یہ حکم اس لیے ہے کہ اگرچہ پہلا جانور جس غنی نے نذر نہ مانی ہو، اس کے حق میں متعین نہیں ہوا تھا، لیکن جب اس نے قربانی کے لیے جانور خریدا، تو اس جانور کے ذریعے اس نے قربت قائم کرنے کی نیت کر لی اور جب وہ اس سے کم تر کے ساتھ بدلے گا، تو یہ (بدلنا) اس کے بعض سے رجوع کرنا ہوگا، جس میں اس نے (قربت کی) نیت کی تھی، لہٰذا اسے صدقہ

کرنے کا حکم دیا گیا اور شرح میں ان الفاظ کے ساتھ گزرا ہے کہ وہ زائد کا ضامن ہے اور حاشیہ میں بدائع کے حوالے سے یہ الفاظ ہیں کہ اس پر لازم ہے، وہ دونوں کے درمیان جو زیادتی ہے، اس کو صدقہ کرے...... ہدایہ اور تبیین میں فرمایا: (جو جانور پہلے خریدا تھا) وہ قربانی کے لیے معین ہو گیا حتی کہ اس پر واجب ہے کہ قربانی کے دنوں میں بعینہ اسی جانور کی قربانی کرے اور اس کو دوسرے جانور سے بدلنا مکروہ ہے ۔عنایہ میں فرمایا: اگر قربانی کرنے والا شخص فقیر ہے، تو قربانی کے دنوں میں بعینہ اسی جانور کی قربانی کرے اور اگر غنی ہے، تو اس کے لیے جانور بدلنا مکروہ ہے اور مطلق مکروہ، مکروہ تحریمی ہوتا ہے ۔ بلکہ سعدی آفندی علیہ الرحمۃ نے صاحب عنایہ کے قول: ''اذا کان غنیا'' کے بعد یہ زائد کیا۔ ''لیکن امام اعظم و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے لیے خریدے ہوئے، جانور کو اس سے بہتر سے بدلنا جائز ہے۔'' تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بہتر کے علاوہ سے بدلنا جائز نہیں اور سعدی آفندی نے (بہتر سے بدلنے کے جواز کو) ان دونوں (یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد) کے ساتھ خاص اس لیے کیا، کیونکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک قربانی کا جانور وقف کی طرح ہے۔

اور عنایہ میں فرمایا: اگر قربانی کا جانور خریدا، پھر اسے بیچ دیا اور اس کی مثل خریدا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔تو تم اس بات کو سمجھو کہ اگر دوسرا جانور پہلے سے کم تر ہو، تو اس میں حرج ہے اور (حرج ہونا قرار دینے کا مطلب ہوا کہ یہ مکروہ تحریمی ہو گا کیونکہ) مکروہ تنزیہی میں کوئی حرج نہیں ہوتا، لہٰذا (حرج قرار دینے کا مطلب ہوا کہ دوسرے کا پہلے سے کم تر ہونا) مکروہ تحریمی ہے، بلکہ سعدی آفندی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: میں کہتا ہوں: اس مسئلے میں بھی بحث ہے یعنی دوسرے جانور کا پہلے کی مثل

ہونے میں بھی حرج ہے، بلکہ (جانور بدلنے) کے جواز کے لیے (دوسرے کا) بہتر ہونا شرط ہے، جیسا کہ ہم ان کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔[1]

قربانی کے لیے خریدی ہوئی گائے کسی کو دے کر دوسرا جانور قربان کرنے سے متعلق فتاوی رضویہ میں ہے: ''وہ گائے کہ بہ نیتِ قربانی خریدی، اس کا دوسری گائے سے بدلنا بھی منع ہے کہ اللہ کے واسطے اس کی نیت کر کے پھرنا معیوب ہے۔''[2]

سوال: کیا کسی کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت کر سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! کسی دوسرے کو اپنی طرف سے قربانی کی وصیت کر سکتے ہیں شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: کسی نے قربانی کی وصیت کی مگر وضاحت نہ کی کہ کونسے اور کتنی قیمت والے جانور کی قربانی کرنی ہے تو اس کی طرف سے کس جانور کی قربانی کی جائے؟

جواب: کسی شخص نے یہ وصیت کی کہ اس کی طرف سے قربانی کر دی جائے اور یہ نہیں بتایا کہ گائے یا بکری کس جانور کی قربانی کی جائے اور نہ قیمت بیان کی کہ اتنے کا جانور خرید کر قربانی کی جائے یہ وصیت جائز ہے اور بکری قربان کر دینے سے وصیت پوری ہو گئی اور اگر کسی کو وکیل کیا کہ میری طرف سے قربانی کر دینا اور گائے یا بکری کا تعین نہ کیا اور قیمت بھی بیان نہیں کی تو یہ توکیل صحیح نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولوأوصی بأن یضحی عنه ولم یسم شاۃ ولابقرۃ ولاغیرذلك ولم یبین الثمن أیضاً جاز و تقع علی الشاۃ بخلاف ما اذا و کل رجلا بأن یضحی عنه ولم یسم شیأ ولاثمنافانه لایجوز کذافی البدائع

---

[1] جد الممتار، کتاب الاضحیة، جلد6، صفحه 459، 460

[2] فتاوی رضویه، جلد14، صفحه 577

اور کسی شخص نے وصیت کی کہ اسکی طرف سے قربانی کردی جائے مگر یہ نہیں بتایا کہ بکری یا گائے یا ان کے علاوہ کوئی جانور کرے اور نہ ہی قیمت بیان کی تو یہ وصیت جائز ہے اور یہ وصیت بکری قربان کرنے سے پوری ہوجائے گی بخلاف اس مسئلے کے کہ جب کسی نے دوسرے کو وکیل بنایا کہ میری طرف سے قربانی کردینا اور کسی جانور کا تعین نہ کیا اور نہ ہی اس کی قیمت بیان کی تو یہ وکالت جائز نہیں ایسے ہی بدائع میں ہے۔[1]

سوال: جس شخص پر مالکِ نصاب ہونے کی وجہ سے اپنی قربانی واجب تھی لیکن اس نے کسی کام کے لئے قربانی کی منت بھی مان لی تو کیا بقرعید پر صرف ایک قربانی کرنے سے دونوں ادا ہوجائیں گی؟

جواب: جی نہیں! ایسے شخص پر لازم ہوگا کہ وہ دو قربانیاں کرے ایک سے مالکِ نصاب ہونے کی وجہ سے جو واجب تھا وہ ادا کرے اور دوسری سے اپنی منت پوری کرے۔

ردالمحتار میں ہے:

لو نذر قبل ایام النحر ان یضحی شاۃ لزمہ شاتان احدھما بالنذر والاخری بالغنی لعدم احتمال الصیغۃ الاخبار عن الواجب، اذلاوجوب قبل الوقت

''اگر مالک نصاب نے قربانی کے ایام سے پہلے بکری ذبح کرنے کی منت مان لی تو اس پر دو قربانیاں لازم ہوگئیں ایک منت کی اور دوسری غنی ہونے کی وجہ سے کیونکہ واجب کی خبر دینے کا تو صیغہ میں احتمال ہو نہیں سکتا کہ وقت سے پہلے وجوب کیسا''۔[2]

---

[1] عالمگیری، ج5، ص297

[2] ردالمحتار، ج9ص480

بہارِ شریعت میں ہے:

''مالک نصاب نے قربانی کی منت مانی تو اس کے ذمہ دو قربانیاں واجب ہوگئیں ایک وہ جو غنی پر واجب ہوتی ہے اور ایک منت کی وجہ سے دو یا دو سے زیادہ قربانیوں کی منت مانی تو جتنی قربانیوں کی منت ہے سب واجب ہیں''۔[1]

قربانی کے دن کا مشہور روزہ

عید کے دن کا روزہ حرام ہے ہاں قربانی کے دن جو روزہ مشہور ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے اور جب قربانی ہو چکے تو پہلے اس کے گوشت میں سے کچھ کھائے کیونکہ عید الاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ نماز ادا کرنے سے پہلے کچھ نہ کھائے اگرچہ قربانی نہ کرنی ہو اور اگر کھا لیا تو کچھ کراہت نہیں۔

حدیث مبارک میں ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایخرج یوم الفطر حتیٰ یطعم ولا یطعم یوم الاضحی حتیٰ یصلی

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عید الفطر کے دن نہ نکلتے یہاں تک کہ کچھ کھا لیتے اور عید الاضحیٰ کے دن نہ کھاتے یہاں تک نماز عید ادا کر لیتے۔[2]

فتاوی تتارخانیہ میں ہے:

من صام یوم النحر الی ان یصلی صلوٰۃ العید فکانما عبد اللہ ستین الف سنۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے عید الاضحیٰ کو نماز عید پڑھنے تک

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص352

[2] الترمذی، ج1، ص234

روزہ رکھا تو گویا کہ اس نے ساٹھ ہزار برس اللہ کی عبادت کی۔[1]

البحرالرائق میں ہے:

انه یستحب یوم الاضحی ان لا یاکل اولا الا من اضحیته

یوم اضحیٰ (یعنی عیدالاضحیٰ) کے دن مستحب یہ ہے کہ اولا کچھ نہ کھائے مگر یہ کہ اپنی قربانی سے۔[2]

غنیۃ المستملی میں ہے:

والمستحب یوم الاضحی تاخیرالاکل الی ما بعد الصلوٰۃ

عیدالاضحیٰ کے دن کھانے کو نمازعید کے بعد تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔[3]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے، ہاں پہلی سے نویں تک کے روزے بہت افضل ہیں، اس پر قربانی ہو یا نہ ہو، اور سب نفلی روزوں میں بہتر روزہ عرفہ کے دن کا ہے، ہاں قربانی والے کو یہ مستحب ہے کہ عید کے دن قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے قربانی ہی کے گوشت میں سے پہلے کھائے، مگر یہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کی نیت جائز، کہ اُس دن اور اس کے تین دن روزہ حرام ہے''۔[4]

بہارِ شریعت میں ہے:

''عیداضحیٰ تمام احکام میں عیدالفطر کی طرح ہے صرف بعض باتوں میں فرق ہے، اس میں مستحب یہ ہے کہ نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے اگرچہ قربانی نہ کرے

---

[1] فتاوی تتارخانیه، ج2، ص71

[2] البحر الرائق، ج2، کتاب الصلوٰۃ، ص57

[3] غنیۃ المستملی، فصل فی صلوٰۃ العید، ص487

[4] فتاوی رضویه، ج20، ص444

اور کھالیا تو کراہت نہیں''۔[1]

سوال: سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مذکورہ جزئیہ سے پتہ چلا کہ سب نفلی روزوں میں بہتر روزہ عرفہ کا روزہ ہے تو وضاحت فرمادیں کہ عرفہ کا روزہ کس دن ہوتا ہے اور اس کے فضائل کیا ہیں؟

جواب: عرفہ کے روزے سے مراد نویں 9 ذی الحجہ کا روزہ ہے۔ اور اس بارے میں کئی ایک فضائل وارد ہیں۔

عرفہ کے روزے کے فضائل

حضرتِ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صِيامُ يوم عرفةَ انى احتسب على الله ان يكفر السنة التى قبله والتى بعده

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے گمان ہے کہ عرفہ کا روزہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ مٹا دیتا ہے۔[2]

حضرتِ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صام يوم عرفةَ غُفر له ذنبُ سنتين متتابعتين

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عرفہ کے دن روزہ رکھے گا اس کے مسلسل دو سالوں کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔[3]

حضرتِ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

[1] بہارشریعت، عیدین کا بیان، حصہ 4، ج 1، ص 784

[2] سننِ ابن ماجہ، ج 1 ص 125

[3] الترغیب والترھیب، ج 2 ص 112، باب الترغیب فی صیام یوم عرفة

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام یوم عرفۃَ غُفرلہ سنۃ اَمَامَہ وسنۃ خلفہ ومن صام عاشوراء غفرلہ سنۃ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عرفہ کے دن روزہ رکھے گا اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف ہوجائیں گے اور جو عاشوراء کا روزہ رکھے گا اس کے ایک سال کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔[1]

حضرتِ سعید بن جُبَیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سأل رجل عبدَاللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عن صوم یوم عرفۃ فقال کنا ونحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعدلہ بصوم سنتین

ترجمہ: ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرفہ کے روزے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اسے دوسال کے روزوں کی برابر گردانتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے۔[2]

حضرتِ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سُئل عن صیام یوم عرفۃ قال السنۃ التی انت فیھا والسنۃ التی بعدھا

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرفہ کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کا روزہ موجودہ اور آئندہ سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔[3]

---

[1] الترغیب والترہیب، ج2ص 112، باب الترغیب فی صیام یوم عرفۃ

[2] الترغیب والترہیب، ج2ص 113، باب الترغیب فی صیام یوم عرفۃ

[3] الترغیب والترہیب، ج2ص 113، باب الترغیب فی صیام یوم عرفۃ

اُمّ المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول صیام یوم عرفۃَ کصیام الف یوم

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ کے دن کے روزے کو ہزار دن کے روزوں کے برابر بتاتے تھے۔[1]

سوال: سنا ہے کہ حج کرنے والوں کے لئے عرفات میں عرفہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: جی ہاں! یہ بات درست ہے کہ حدیث میں حج کرنے والوں کو عرفات میں اس روزے کے رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صوم یوم عرفۃ بعرفۃ

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کے دن عرفہ میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔[2]

اورانہی سے ''سننِ کبریٰ'' میں مروی ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صوم یوم عرفۃ بعرفات

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کے دن عرفات میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔[3]

---

[1] الترغیب والترھیب، ج2 ص112، باب الترغیب فی صیام یوم عرفۃ

[2] سنن ابوداؤد، ج1، ص331

[3] سننِ کبری للبیہقی، ج6، ص35

چاند نظر آنے کے بعد ذوالحجہ کے 10 دنوں میں ناخن، بال کاٹنے کا حکم

سوال: ماہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال، ناخن ترشوانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: جو لوگ قربانی کا ارادہ رکھتے ہوں ان کے لئے مستحب یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال، ناخن نہ ترشوائیں تا کہ حاجیوں سے مشابہت ہو جائے کیونکہ وہ احرام کی حالت میں حجامت نہیں کروا سکتے تا کہ قربانی ہر بال، ناخن کا فدیہ بن جائے۔

صحیح مسلم میں ہے:

حضرتِ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من کان لہ ذبح یذبحہ فاذا اھل ھلال ذی الحجۃ فلایخذن من شعرہ ولا من اظفارہ شیئا حتی یضحی

جس کے پاس قربانی کے لیے جانور ہو، تو جب ذو الحجہ کا چاند طلوع ہو جائے تو وہ قربانی کرنے تک اپنے بالوں اور ناخنوں کو بالکل نہ کاٹے۔[1]

جامع ترمذی میں ہے:

انہی حضرتِ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من رأی ھلال ذی الحجۃ وارادان یضحی فلایخذن من شعرہ ولا من اظفارہ

جو ذوالحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ

---

[1] مسلم، ج 2، ص 160

کاٹے۔‘‘ (یعنی جب تک قربانی نہ کرلے بال اور ناخنوں کو نہ کاٹے)۔[1]

مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ القوی مذکورہ حدیثِ مبارک کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

’’یعنی جو امیر وجوباً یا فقیر نفل قربانی کا ارادہ کرے وہ بقرعید کا چاند دیکھنے سے قربانی کرنے تک ناخن، بال اور مردار کھال وغیرہ نہ کاٹے نہ کٹوائے تاکہ حاجیوں سے قدرے مشابہت ہو جائے کیونکہ وہ احرام میں حجامت نہیں کروا سکتے تاکہ قربانی ہر بال، ناخن کا فدیہ بن جائے۔ یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں لہٰذا قربانی والے کا حجامت نہ کرانا بہتر ہے لازم نہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھوں کی مشابہت بھی اچھی ہوتی ہے۔ بلکہ جو قربانی نہ کر سکے وہ بھی اس عشرہ میں حجامت نہ کرائے، بقرعید کے دن بعد نماز حجامت کرائے تو انشاء اللہ قربانی کا ثواب پائے گا۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے‘‘۔[2]

فتاوی رضویہ میں ہے:

’’یہ حکم صرف استحبابی ہے کرے تو بہتر ہے نہ کرے تو مضائقہ نہیں، نہ اس کو حکم عدولی کہہ سکتے ہیں نہ قربانی میں نقص آنے کی کوئی وجہ، بلکہ اگر کسی شخص نے ۳۱ دن سے کسی عذر کے سبب خواہ بلا عذر ناخن تراشے ہوں نہ خط بنوایا ہو کہ چاند ذی الحجہ کا ہو گیا تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس مستحب پر عمل نہیں کر سکتا اب دسویں تک رکھے گا تو ناخن و خط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہو جائے گا۔

اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے۔ فعلِ مستحب کے لئے گناہ نہیں کر سکتا۔

---

[1] جامع ترمذی، ج1، ص411

[2] مرآۃ المناجیح، ج2، ص370

فی ردالمحتار فی شرح المنیۃ وفی المضمرات،عن ابن المبارک فی تقلیم الاظفار وحلق الراس فی عشر ذی الحجۃ،قال لاتؤخر السنۃ،وقد ورد ذٰلك ولایجب التاخیر اھ فھذا محمول علی الندب بالاجماع الاان نفی الوجوب لاینافی الاستحباب فیکون مستحباالاان استلزم الزیادۃ علی وقت اباحۃ التاخیر، ونھایۃ مادون الاربعین، فلا یباح فوقھا، اھ مختصرا

”ردالمحتار میں ہے کہ منیہ کی شرح اور مضمرات میں ابن مبارک سے نقل کیا کہ ناخن کاٹنا اور سر منڈانا ذوالحجہ کے دس دنوں میں،آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ سنت کو مؤخر نہ کیا جائے جبکہ اس کے متعلق حکم وارد ہے تاہم تاخیر واجب نہیں ہے اھ تو یہ بالاجماع استحباب پر محمول ہے مگر یہ کہ وجوب کی نفی استحباب کے منافی نہیں ہے لہذا مستحب ہے ہاں اگر اباحت کی مدت پر تاخیر کو مستلزم ہو تو مستحب نہ ہوگا،اباحت کی مدّت کی انتہا چالیس روز ہے تو اس سے زیادہ تاخیر مباح نہ ہوگی اھ مختصرا“۔[1]

سوال: جولوگ قربانی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں،اگر وہ بھی نمازِ عید کے بعد حجامت وغیرہ کروائیں تو کیا انہیں بھی ثواب ملے گا؟

جواب: علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جولوگ قربانی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں اگر وہ بھی اس عشرہ (یعنی ذوالحجہ کے ان دس دنوں) بال اور ناخن نہ کاٹیں، اور پھر بقرعید کے دن نمازِ عید کے بعد حجامت وغیرہ کروائیں گے تو ان شاء اللہ عزوجل وہ بھی قربانی کا ثواب پائیں گا۔

سنن ابوداؤد ونسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] فتاوی رضویہ،ج20،ص353

امرت بيوم الاضحى عيداً، جعله الله عزوجل لهذه الامة، فقال الرجل ارايت ان لم اجد الّا منيحة انثى، افاضحى بها قال لا، لكن تاخذ من شعرك وتقلم اظفارك وتقص شاربك وتحلق عانتك، فذلك تمام اضحيتك عند الله عزوجل

ترجمہ: مجھے یوم اضحیٰ کا حکم دیا گیا،اس دن کواللہ پاک نے اس امت کے لیے عید بنایا۔ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اگر میرے پاس منیحہ (یعنی ادھار لیے گئے جانور) کے سوا کوئی جانور نہ ہو،تو کیا اسی کی قربانی کردوں؟ فرمایا:نہیں۔ہاں!تم اپنے بال، ناخن اور مونچھیں تراشواور موئے زیرناف مونڈھ لو،اسی میں تمہاری قربانی اللہ پاک کے ہاں پوری ہوجائے گی۔"[1]

مرآۃ المناجیح میں ہے:

"جوقربانی نہ کرسکے،وہ بھی اس عشرہ میں حجامت نہ کرائے،بقرعید کے دن بعدِ نماز حجامت کرائے،توان شاءاللہ ثواب پائے گا،جیسا کہ بعض روایت میں ہے"۔[2]

بہارِشریعت میں مذکورہ حدیثِ پاک ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یعنی جس کوقربانی کی توفیق نہ ہو،اسے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب حاصل ہوجائے گا"۔[3]

❀ ❀ ❀

---

[1] سنن نسائی، کتاب الضحایا، باب من لم یجد الاضحیۃ، جلد2، صفحہ 201

[2] مرآۃ المناجیح، جلد2، صفحہ 370

[3] بہارشریعت، حصہ 15، صفحہ 330

چوتھا باب:

قربانی کے جانوروں کا بیان

سوال: قربانی کے جانور کتنی اقسام کے ہوتے ہیں؟

جواب: قربانی کے جانوروں کی تین اقسام ہیں۔

1: بکری، 2: گائے، 3: اونٹ۔

ہدایہ میں ہے:

والاضحیة من الابل والبقر والغنم لانها عرفت شرعا

اوراضحیہ (یعنی قربانی کے جانوروں میں سے) اونٹ، گائے، اور بکری ہیں۔ اس وجہ سے کہ شرعاً یہی معروف ہیں۔[1]

☆ بکری میں اس کی تمام اقسام شامل ہیں مثلاً نر، مادہ، خصی اور غیر خصی، بھیڑ اور دنبہ سب اس میں شامل ہیں۔ اور بیل، بھینس گائے میں شمار ہیں ان کی بھی قربانی ہوسکتی ہے جیسا کہ عنقریب ان کی تفصیل آئے گی۔

(1) قربانی کے لیے بکرے کی عمر

بکرا یا بکری کی عمر ایک سال ہونی چاہئے۔ ایک سال سے کم عمر کی قربانی جائز نہیں۔

---

[1] ھدایہ، ج4، ص449

درمختار میں ہے:

صح ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقر والجاموس وحول من الشاۃ والمعز

یعنی پانچ سال کا اونٹ، دوسال کی گائے اور بھینس، اور ایک سال کی بکری اور بھیڑ، کی قربانی صحیح ہے۔[1]

قربانی کے لیے بھیڑ یا دنبے کی عمر

دنبہ یا بھیڑ کا 6 ماہ کا بچہ اگر اتنا بڑا ہو کہ سال والوں کے ساتھ ملا کر کھڑا کیا جائے تو دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو اسکی قربانی جائز ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

عاصم بن کلیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

قال کنامع رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لہ مجاشع من بنی سلیم فعزت الغنم فا مرمنادیا فنادٰی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول ان الجذع یوفی منہ الثنی

ترجمہ: فرمایا کہ ہم اصحابِ رسول میں سے مجاشع نامی ایک شخص کے ساتھ تھے، جو کہ بنی سلیم سے تعلق رکھتے تھے، ان دنوں بکریاں گراں قیمت تھیں، ان صاحب نے ایک منادی کو حکم دیا اور اس نے اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جذعہ (چھ ماہ کا دنبہ) ایک سالہ بکری کے برابر ہے۔[2]

قربانی کے لیے بھیڑ یا دنبے میں ضروری شرط

چھ ماہ کے دنبے یا بھیر کی قربانی کرنے میں یہ ضروری ہے کہ وہ اتنا فربہ

---

[1] درمختار، کتاب الاضحیۃ، ج9، ص533

[2] سنن ابی داؤد، ج2، ص38

اورقدآور ہو کہ سال والوں کے ساتھ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا لگے۔ اگر 6 ماہ بلکہ سال میں ایک دن بھی کم عمر کا دنبہ یا بھیڑ کا بچہ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا نہیں لگتا تو اس کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:''

وهٰذا اذا كانت عظيمة بحيث لو خلط بالثنيان يشتبه على الناظر من بعيد

اور یہ اس وقت ہے کہ جب وہ (وہ چھ ماہ کا بچہ) بڑا ہو (دکھنے میں) اس حیثیت سے کہ اگر اس کو دوسرے سال والے دنبوں میں ملا دیا جائے تو دور سے دیکھنے والے پر مشتبہ ہو جائے۔ (کہ یہ چھ ماہ کا ہے یا سال دو سال کا)۔[1]

اور درمختار میں ہے:

و صح الجذع ذو ستة اشهر ان كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التميز من بعد

اور جذع یعنی چھ ماہ کے دنبے کی قربانی صحیح ہے۔ مگر اس حیثیت سے کہ اگر اس کو ثنایا (ایک سال کا دنبہ) میں ملا دیا جائے تو بعد میں امتیاز ممکن نہ ہو۔''[2]

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن بھیڑ اور دنبہ کے ایک ہی نوع ہونے اور دونوں میں چھ ماہ کا بچہ دکھنے میں سال والا معلوم ہو تو قربانی کے لئے جائز ہونے کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''ششماہہ بھیڑ کی قربانی بلا شبہ جائز ہے جبکہ یکسالہ ہم جنسوں میں دور سے متمیز نہ ہو سکے......یہی شرط دنبہ میں ہے، اور دنبہ اور بھیڑ ایک ہی نوع ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے، اس قدر میں تو کسی کو کلام ہو ہی نہیں سکتا کہ جواز ششماہہ کا حکم احادیثِ صحیحہ

---

[1] هدايه، ج 4، ص 449

[2] درمختار، ج 9، ص 465

وکتب فقھیہ سب میں بلفظِ ضان وارد ہے۔‘‘[1]

اوراسی میں فرماتے ہیں:

’’چھ مہینے تک کا ایسا فربہ مینڈھا کہ سال بھر والوں کے ساتھ ہوتو دور سے تمیز نہ ہواس کی قربانی جائز ہے اگرچہ خصی ہو۔اور بکرا سال بھر سے کم کا جائز نہیں اگرچہ خصی ہو۔‘‘[2]

چھ ماہہ بکری کی قربانی اور اختیاراتِ مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

حضرتِ براء رضی اللہ عنہٗ بیان کرتے ہیں:

ضحی خال لی یقال له ابوبردہ قبل الصلوٰۃ فقال له رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم شاتك شاۃ لحم فقال یا رسول الله ان عندی داجنا جذعة من المعزقال اذبحها ولا تصلح لغیرك

یعنی فرماتے ہیں کہ میرے ماموں ابوبردہ نے نمازِ عید سے قبل ہی قربانی کرلی،تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: کہ تیری بکری گوشت کے لئے ہے(یعنی قربانی نہیں ہوئی) تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میرے پاس ایک چھ،سات ماہ کا بکری کا بچہ ہے،تو آپ نے فرمایا کہ تو اسے ذبح کرلے،تیرے علاوہ دوسروں کے لئے اتنی عمر کی بکری کی قربانی صحیح نہیں۔‘‘[3]

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

ولا تجزی عن احد بعدك

یعنی تیرے بعد کسی اور کے لئے اتنی عمر کا جانور قربانی کے لئے دینا جائز

---

[1] فتاوی رضویه،ج20ص436

[2] فتاوی رضویه،ج20ص442

[3] بخاری،ج2،ص833،834

نہیں۔'' [1]

یعنی یہ صرف تیرے لئے رخصت ہے، کسی اور کیلئے جائز نہیں۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ آپ جس کیلئے چاہیں شریعت کا حکم خاص فرما دیں۔

چنانچہ ارشاد الساری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے:

خصوصیة له لاتکون لغیره اذکان له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان یخص من شآء بمن شآء من الاحکام

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کیلئے درست نہیں کہ بکری چھ ماہ کے جانور کی قربانی کی اجازت دے سکے، یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت واختیار ہے، کسی اور کا نہیں ہے۔ [2]

نیز حدیث صحیحین میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کے لئے جانور عطا فرمائے ان کے حصے میں ششماہہ بکری آئی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حال عرض کیا۔تو آپ فرمایا: ''ضح بھا'' تم اسی کی قربانی کردو۔ [3]

سنن بیہقی میں بسند صحیح اتنا اور زائد ہے:

ولا رخصة فیها لاحد بعدك

یعنی تمہارے بعد اور کسی کے لیے اس میں رخصت نہیں''۔ [4]

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

---

[1] مسلم، ج2ص154، ترمذی، ج1ص409، بخاری، ابوداؤد

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج2، ص657

[3] مسلم، ج2ص155، بخاری، ج2ص833

[4] سنن کبری، ج12، ص309

''اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو یہ حق حاصل ہے کہ بعض احکام اشخاص کے لئے خاص کردیں کیونکہ جملہ احکام قولِ صحیح کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سپرد کردیئے گئے ہیں''۔[1]

سوال: کوئی جانور بکرا یا بکری سال بھر سے کم عمر کا قربانی کے لئے خرید لیا جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: بکرا یا بکری سال بھر سے کم عمر کی قربانی ہرگز جائز نہیں، نہ ہی اس پر قربانی کی نیت صحیح ہے اور وہ خریدنے والے کی ملک ہوگا جو چاہے کرے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''بکرا بکری ایک سال سے کم کا قربانی میں ہرگز جائز نہیں، نہ اس پر قربانی کی نیت صحیح وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے، قربانی کے لئے دوسرا جانور لے ہاں اگر یہ نیت کی ہو کہ آئندہ سال اس کی قربانی کروں گا تو اسے قربانی ہی کے لئے رکھے، اس کا بدلنا مکروہ ہے''۔[2]

سوال: ایک بکرا جس کی عمر ایک سال سے کچھ زائد ہوگئی ہے لیکن ابھی تک اس کے دو دانت نہیں نکلے تو کیا اس کی قربانی کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: قربانی کے لئے بکرے کی عمر کم ازکم ایک سال ہونا ضروری ہے، معروف معنوں میں دو دانت والا ہونا ضروری نہیں، لہٰذا اگر بکرا واقعی سال بھر کا ہو چکا ہے تو اس کی قربانی کرسکتے ہیں اگرچہ ابھی اس کے معروف دو دانت نہ نکلے ہوں۔

فتاوی فیض الرسول میں ہے:

''قربانی کا بکرا کم سے کم سال بھر کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ دانت والا ہو یا نہ

---

[1] اشعۃ اللمعات، ج2، ص686

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص443

ہو"۔[1]

سوال: اچھا جو بکرا یا بکری دِکھنے میں ایک سال بلکہ اس سے بھی زیادہ کے لگیں لیکن ان کی عمر ابھی ایک سال پوری نہ ہوئی ہو تو کیا ان کی قربانی ہو سکتی ہے؟

جواب: ایسے بکرے یا بکری کی قربانی جائز نہیں اگرچہ وہ دِکھنے میں ایک سال بلکہ اس سے بھی زیادہ کے لگیں، کیونکہ قربانی کے لیے اونٹ کی عمر کم از کم پانچ سال، گائے بھینس کی دو سال اور بکرے بکری کی عمر ایک سال ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر کسی جانور کی عمر اس سے کم ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں، سوائے دنبے یا بھیڑ کے چھ ماہہ بچے کے، اس میں بھی اتنا بڑا ہونا ضروری ہے کہ اگر سال والے جانوروں میں ملایا جائے، تو سال بھر کا لگے، تو اس کی قربانی جائز ہے، بہر حال بکرا بکری میں پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے، حتیٰ کہ سال بھر سے ایک دن بھی کم ہو، تو شرعاً اس کی قربانی جائز نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاتذبحوا الا مسنة، الا ان یعسر علیکم، فتذبحوا جذعة من الضان

ترجمہ: تم صرف مسنہ (یعنی ایک سال کی بکری، دو سال کی گائے اور پانچ سالہ اونٹ) کی قربانی کرو، ہاں اگر تم کو دشوار ہو، تو دنبے یا بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ ذبح کر دو"۔[2]

لفظ مسنہ کے تحت علامہ شرف الدین نووی و علامہ علی القاری علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوی فیض الرسول، ج 2، ص 454

[2] صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب سن الاضحیہ، جلد 2، صفحہ 155

واللفظ للنووی قال العلماء المسنة هی الثنیة من کل شئی من الابل والبقر والغنم فما فوقها

ترجمہ: علماء نے فرمایا: مسنہ سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہر ایک میں ثنی (دوندا) یا اس سے بڑا ہونا ہے۔'' [1]

ثنیہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

والثنی من الشاۃ والمعز ما تم له حول وطعن فی السنة الثانیة، ومن البقر ما تم له حولان وطعن فی السنة الثالثة، ومن الابل ما تم له خمس سنین وطعن فی السنة السادسة، وتقدیر هذه الاسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزیادة، حتی لو ضحی باقل من ذلك سنا لا یجوز ولو ضحی باکثر من ذلك سنا یجوز ویکون افضل

ترجمہ: بکری اور بھیڑ میں ثنی (دوندا) اسے کہتے ہیں، جس کی عمر ایک سال پوری ہو گئی ہو اور دوسرے میں داخل ہو چکی ہو، گائے میں وہ ہے جس کے دو سال پورے ہونے کے بعد تیسرے میں داخل ہو گئی ہو، یونہی وہ اونٹ جو پانچ سال کا ہونے کے بعد چھٹے میں لگ گیا ہو، ہمارا ان عمروں کو بیان کرنا اس سے کم عمر جانوروں کی قربانی کو منع کرنے کے لیے ہے، نہ کہ زیادہ عمر کی ممانعت کے لیے، حتّٰی کہ اگر کسی نے بیان کردہ سے کم عمر جانور کو قربان کیا، تو جائز نہیں اور اگر زیادہ عمر والے کی قربانی کی تو جائز، بلکہ افضل ہے۔'' [2]

لہٰذا سال سے کم بکرے کی قربانی درست نہیں، برخلاف بھیڑ و دنبے کے، اور بھیڑ یا دنبے میں بھی سال بھر کا دِکھنا ضروری ہے،

---

[1] المنهاج شرح مسلم، کتاب الاضاحی، باب سن الاضحیه، جلد 13، صفحه 117، مطبوعه بیروت

[2] بدائع الصنائع، کتاب التضحیه، محل اقامة الواجب، جلد 4، صفحه 206

محیط برہانی میں ہے:

الجذع من الضان اذا كان عظيما، ومعناه انه اذا اختلط مع الثنيان يظن الناظر اليه انه ثني

ترجمہ: بھیڑ، دنبے کا چھ ماہہ بچہ بڑا ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ جب اسے سال بھر والوں کے ساتھ ملا دیا جائے تو دیکھنے والا دونْدا (سال بھر کا) ہی گمان کرے۔"[1]

سوال: کیا بکری کی قربانی بھی ہو سکتی ہے یا بکرا ہی کرنا ضروری ہوگا؟

جواب: بکری کی قربانی بالکل جائز ہے، شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے قربانی کے جانوروں کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں، (1) بکری۔ (2) گائے۔ (3) اونٹ۔

ہدایہ میں ہے:

والاضحية من الابل والبقر والغنم، لانها عرفت شرعا ولم تنقل التضحية بغيرها من النبي عليه الصلوة والسلام ولا من الصحابة رضي الله عنهم

ترجمہ: اُضحیہ (یعنی قربانی کے جانوروں میں سے) اونٹ، گائے اور بکری ہیں، کیونکہ شرعاً یہی معروف ہیں اور ان جانوروں کے علاوہ کسی کی قربانی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

"قربانی کے جانور تین قسم کے ہیں (1) اونٹ، (2) گائے، (3) بکری، ہر

---

[1] محیط برھانی، کتاب الاضحية، فصل الخامس فی بیان ما یجوز فی الضحایا وما لا یجوز، جلد 8، صفحہ 466

[2] ھدایہ، ج 4، ص 449

قسم میں اس کی جتنی نوعیں ہیں، سب داخل ہیں، نر اور مادہ، خصی اور غیرِ خصی، سب کا ایک حکم ہے یعنی سب کی قربانی ہوسکتی ہے۔ بھینس گائے میں شمار ہے، اس کی بھی قربانی ہوسکتی ہے، بھیڑ اور دنبہ، بکری میں داخل ہیں، ان کی بھی قربانی ہوسکتی ہے۔"[1]

(2) قربانی کے لئے گائے اور بھینس کی عمر

قربانی کے لئے گائے یا بھینس کی عمر 2 سال ہونی چاہئے۔ اور اس سے کم عمر کی گائے یا بھینس کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

دُرمختار میں ہے:

وصح ......حولین من البقر والجاموس

یعنی دو سال کی گائے اور بھینس کی قربانی صحیح ہے۔[2]

سوال: گائے کی حلت کا حکم کس وقت سے جاری ہوا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں بھی اسے ذبح کیا گیا؟ اور آپ علیہ السلام نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا یا نہیں؟

جواب: گائے کی حلت ماقبل شریعتوں سے ہی چلتی آ رہی ہے اور ہماری شریعت میں بھی اس کی ممانعت نہ ہوئی۔ اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی اور اس کا گوشت کھانے کا حکم بھی دیا لیکن خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تناول فرمایا بھی کہ نہیں؟ اس کی تصریح کتب میں نظر سے نہیں گزری اور ہاں اگر تناول نہ بھی فرمایا ہو تو تب بھی اس کی حلت میں کوئی کلام نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے ذبح کرنے اور تناول کرنے کا حکم تو ارشاد فرمایا اور پھر دنیا کی ہزاروں نعمتیں ایسی ہیں جنہیں حلال تو فرمایا لیکن آپ

---

[1] بہار شریعت، حصہ 15، ج 3، ص 339

[2] دُرمختار، ج 9، ص 466

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود قصداً تناول نہ فرمایا۔

قرآنِ مجید میں گائے کی حلت کے واضح ثبوت پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۘ ○ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۚ ○ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ○'' [1]

ترجمہ: یعنی اے محبوب! کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی، جب وہ اس کے پاس آ کر بولے سلام، کہا سلام ناشناسا لوگ ہیں پھر اپنے گھر گیا، تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا۔

دوسری جگہ فرمایا: ''بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ○'' [2]

ترجمہ: ایک بھنا بچھڑا۔

سننِ ابوداؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال كنا نتمتع فی عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نذبح البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة نشترك فيها

فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حج تمتع کیا تو ہم نے مشترکہ طور پر سات لوگوں کی طرف سے گائے کو ذبح کیا اور سات لوگوں کی طرف سے اونٹ کو نحر کیا۔ [3]

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''احادیثِ مبارکہ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے قربانی کی، اور قربانی کا گوشت کھانے

---

[1] پارہ 26، سورہ الذاریات، آیت، 24 تا 26

[2] پارہ 12، سورہ ھود، آیت 69

[3] سنن ابوداؤد، ج 2، ص 40

کا حکم فرماتے، مگر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تناول فرمایا یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی تصریح حدیث اس وقت پیش نظر نہیں''۔[1]

مزید اسی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے گائے کی قربانی فرمائی اور اس کے کھانے کھلانے کا حکم فرمایا خود بھی ملاحظہ فرمایا یا نہیں، اس کا ثبوت نہیں، دنیا کی ہزاروں نعمتیں ہیں کہ حضور نے قصداً تناول نہ فرمائیں، گوشت گاؤ کی مذمت میں جو حدیث ذکر کی جاتی ہے صحیح نہیں''۔[2]

سوال: کیا وحشی جانور نیل گائے، اور ہرن کی قربانی ہوسکتی؟

جواب: وحشی جانور نیل گائے، اور ہرن کی قربانی نہیں ہوسکتی، وحشی اور گھریلو جانور سے مل کر جو بچہ پیدا ہوا مثلاً ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اس میں ماں کا اعتبار ہے یعنی اس بچہ کی ماں اگر بکری ہے تو جائز ہے اور بکرے اور ہرنی سے جو بچہ پیدا ہوا تو اس کی قربانی ناجائز ہے۔

چنانچہ ''فتاوی رضویہ'' میں آیتِ مبارکہ

"وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ"[3]

ترجمہ: ''ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی مقرر کی تا کہ وہ ان جانوروں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کریں جو انہیں عنایت ہوئے ہیں۔'' اس (آیت) کے تحت بیان فرمایا:

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص321

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص321

[3] پ17، سورۃ الحج، آیت34

فقدافادجل جلاله ان الانعام کلهامحل المنسك،وانهاالتی یتقرب بنحرهاوذبحهاالی ربناوربهادون سائرالبهائم والحیوانات،قال الامام محی السنة البغوی،فی معالم التنزیل لیذکرواااسم الله علی مارزقهم من بهیمة الانعام عند نحرها و ذبحها، و سماها بهیمة الانعام، لانهالاتتکلم، وقال بهیمة الانعام ،قیدبالنعم لان من البهائم مالیس من الانعام کالخیل والبغال والحمیر،لایجوز ذبحهافی القرابین

ترجمہ: اللہ جل جلالہ کے فرمان کا مفاد یہ ہے کہ بیشک انعام جانور سارے قربانی کا محل ہیں اورانہیں کے نحراور ذبح سے اپنے رب کا قرب حاصل ہوتا ہے نہ کہ تمام بہائم اورحیوانات،امام محی السنہ بغوی نے معالم التنزیل میں کہا:ان کے نحراور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے،اوران جانوروں کوانعام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بولتے نہیں اورانعام کی قیداس لئے لگائی کہ وہ بہائم جوانعام نہیں ہیں جیسے گھوڑا، خچر، گدھاانہیں قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

بدائع الصنائع میں ہے:

وان ضحی بظبیة وحشیة ألفت أوبقرة وحشیة ألفت لم یجز لأنهاوحشیة فی الأصل

ترجمہ: اوراگرکسی نے وحشی مانوس ہرن یاوحشی مانوس گائے کی قربانی کی تو جائزنہیں کیونکہ وہ اصل میں وحشی جانور ہیں۔[2]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولایجوزفی الاضاحی شی من الوحشی فان کان متولدامن الوحشی

---

[1] فتاوی رضویہ،ج02،ص359

[2] بدائع الصنائع، کتاب الاضحیة،ج04،ص205

والانسی فالعبرة للام فان كانت أهلية تجوز والافلا

یعنی وحشی جانوروں میں سے کسی کی قربانی کرنا جائز نہیں، وحشی اور گھریلو جانور سے مل کر جو بچہ پیدا ہوا تو اس میں ماں کا اعتبار ہے پس اگر بچے کی ماں پالتو جانوروں میں سے ہے تو اس کی قربانی جائز ورنہ جائز نہیں۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''وحشی جانور جیسے (جنگلی) گائے اور ہرن ان کی قربانی نہیں ہوسکتی۔''[2]

بیل اور بھینس کی قربانی

یاد رہے کہ فی زمانہ بعض لوگ بیل اور بھینس کی قربانی پر مختلف قسم کے حیلے بہانے کرتے ہوئے اعتراضات کرتے ہیں اور مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں ڈال کر ایک حکمِ شرعی پر عمل کرنے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ بیل اور بھینس بھی گائے کی ہی ایک قسم ہونے کی وجہ سے اس میں شامل ہیں لہذا ان کی قربانی بھی جائز ہے شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور ان کی قربانی اس وجہ سے بھی جائز ہے کہ یہ ''بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ'' میں داخل ہیں۔ اور ''بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ'' کی قربانی کرنے کے بارے میں قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ[3]

ترجمہ: ''ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی مقرر کی تاکہ وہ ان جانوروں کو اللہ کا نام

---

[1] عالمگیری، ج5، ص297

[2] بہارشریعت،، ج03، ص340

[3] 17، سورة الحج، آیت34

لے کر ذبح کریں جو انہیں عنایت ہوئے ہیں۔''

فتاوی خانیہ میں ہے:

الاضحیة تجوز من أربع من الحیوان الضأن والمعز والبقر والابل ذکورھا واناثھا وکذلك الجاموس لانه نوع من البقر الاھلی

جانوروں میں سے چار کی قربانی جائز ہے، بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ ان کے مذکر اور مؤنث اور اسی طرح بھینس کی قربانی بھی جائز ہے کیونکہ وہ پالتو گائے کی ایک قسم ہے۔[1]

ہدایہ میں ہے:

ویدخل فی البقر الجاموس لأنه من جنسه

اور گائے میں بھینس داخل ہے کیونکہ بھینس گائے کی جنس میں سے ہے''۔[2]

ردالمحتار میں ہے:

الجاموس نوع من البقر

بھینس گائے کی ایک قسم ہے۔[3]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والجاموس نوع من البقر

بھینس گائے کی ایک نوع (قسم) ہے یعنی اسی میں شامل ہے۔[4]

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

اتفق العلماء علی أن الأضحیة لاتصح الامن نعم ابل و بقر و

---

[1] فتاوی خانیہ، ج03، ص348

[2] ھدایہ مع فتح القدیر، ج09، ص531

[3] ردالمحتار، ج09، ص466

[4] عالمگیری، ج5، ص297

منها الجاموس وغنم ومنها المعز بسائر أنواعها، فيشمل الذكر والأنثى، والخصى والفحل، فلايجزئ غيرالنعم من بقرالوحش وغيره، الظباء وغيرها، لقوله تعالیٰ ''وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ''

ترجمہ: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صرف مویشی جانوروں کی قربانی جائز ہے (ان کے علاوہ کسی کی جائز نہیں): اور وہ یہ ہیں اونٹ، گائے اور بھینس بھی گائے میں شامل ہے، بکری اور بھیڑ بھی اس میں شامل ہے اپنی تمام اقسام کے ساتھ، اور مذکر، مؤنث، خصی اور غیر خصی سب اس میں شامل ہیں، پس ان مویشی جانوروں کے علاوہ وحشی گائے اور ہرن وغیرہ کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (ترجمہ: اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر)۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''بھینس گائے میں شمار ہے اس کی بھی قربانی ہوسکتی ہے۔ بھیڑ اور دنبہ بکری میں داخل ہیں ان کی بھی قربانی ہوسکتی ہے۔''[2]

(3) قربانی کے لئے اونٹ کی عمر

قربانی کے لئے اونٹ کی عمر 5 سال ہونی چاہئے، اس سے کم عمر کا ہو تو قربانی جائز نہیں ہوگی جیسا کہ اوپر گزرا۔

و صح الثني و الثني هو ابن خمس من الابل

---

[1] الفقہ الاسلامی وادلة، ج 04، ص 2719

[2] بہار شریعت، ج 03، حصہ 15، ص 339

اور ثنی کی قربانی صحیح ہے۔اور ثنی اونٹ کے پانچ سالہ بچے کو کہتے ہیں۔''[1]

عمریں بیان کرنے کی حکمت

قربانی کے جانوروں کی عمریں بیان کرنے کا مقصد بیان کردہ عمروں میں کمی کو روکنا ہے یعنی مقصود یہ ہے کہ اونٹ پانچ سال سے کم اور گائے، بھینس دو سال سے کم اور بکری ایک سال سے کم قربانی کے لئے جائز نہیں البتہ مذکورہ جانور اگر ان عمروں سے بڑے ہوں تو کوئی حرج نہیں بلکہ افضل ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع تقدیرھذہ الاسنان بماذکر لمنع النقصان ولاالزیادۃ، فلوضحی بسن اقل لایجوز، وباکبریجوز، وھوافضل

یعنی بدائع میں ہے کہ ان عمروں کا بیان جو مذکور ہوا کمی کو روکنے کے لئے ہے زیادتی کو مانع نہیں،تو عمر میں اگر قلیل سی کمی ہو تو جائز نہ ہوگا اور بڑا ہو تو جائز جبکہ بڑا افضل ہے۔''[2]

شراکت پر قربانی

سوال: ایک گائے یا اونٹ کو زیادہ سے زیادہ کتنے لوگوں کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے؟

جواب: گائے، اونٹ، بھینس، بچھیا، بچھڑا، کٹا وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ سات قربانیاں ہوسکتیں ہیں۔

سنن ابوداؤد میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] دُرمختار، ج9، ص466

[2] (دُرمختار مع ردالمحتار، ج9، ص466

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال البقرۃ عن سبعۃ والجزور عن سبعۃ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گائے سات لوگوں کی طرف سے اور اونٹ بھی سات لوگوں کی طرف سے قربان کیا جا سکتا ہے۔"[1]

یونہی انہی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم بالحدیبیۃ البدنۃ عن سبعۃ والبقرۃ عن سبعۃ

یعنی ہم نے حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اونٹ نحر کیا سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے ذبح کی سات آدمیوں کی طرف سے۔"[2]

اسی ابوداؤد میں حضرت عطاء رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال کنا نتمتع فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نذبح البقرۃ عن سبعۃ والجزور عن سبعۃ نشترك فیہا

یعنی فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حج تمتع کیا تو ہم نے مشترکہ طور پر سات لوگوں کی طرف سے گائے کو ذبح کیا اور اونٹ کو سات لوگوں کی طرف سے نحر کیا۔[3]

سوال: اگر گائے کی قربانی میں سات حصوں کی طرح اونٹ کی قربانی میں بھی سات ہی حصے ہوتے ہیں تو پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا کیا معنی ہوگا جس میں اونٹ کی قربانی میں دس حصوں کا ذکر موجود ہے؟

---

[1] سنن ابوداؤد، ج2، ص40

[2] سنن ابوداؤد، ج2، ص40

[3] سنن ابوداؤد، ج2، ص40

جواب: گائے کی طرح اونٹ کی قربانی میں بھی فقط سات افراد شریک ہو سکتے ہیں، اس سے زائد نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے فقہائے اسلام نے متعدد جوابات دیئے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن عباس رضی للہ تعالی عنہما والی روایت حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے منسوخ ہے۔

(2) یہ روایت دوسری احادیث صحیحہ کے معارض ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ اونٹ سات کی طرف سے ہے یا دس کی طرف سے ہے یعنی شک ہے کہ سات کی طرف سے ہے یا دس کی طرف سے ہے جبکہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ میں یقینی طور پر فرمایا کہ اونٹ کی قربانی سات کی طرف سے ہے۔

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت میں شرکت سے مراد تقسیم کاری میں شریک ہونا ہے نہ کہ قربانی میں۔

چنانچہ اونٹ کی قربانی سات افراد کی طرف سے ہونے کے بارے میں صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور دیگر کتبِ احادیث میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

واللفظ للمسلم قال حججنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فنحرنا البعير عن سبعة، والبقرة عن سبعة

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کیا پس ہم نے اونٹ کو سات افراد اور گائے کو سات افراد کی طرف سے ذبح کیا۔[1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز الاشتراک فی الھدی، ج 1، ص 424

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے جوابات کے بارے میں علامہ علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری فرماتے ہیں:

انه منسوخ بما مر من قوله البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة اه والاظهر أن يقال انه معارض بالرواية الصحيحة، وأما ما ورد فى البدنة سبعة أو عشرة فهو شاك، وغيره جازم بالسبعة

(1) یعنی یہ روایت اس حدیث کی بنا پر منسوخ ہے کہ گائے سات افراد کی طرف سے ہوسکتی ہے اور اونٹ بھی سات افراد کی طرف سے ہوسکتا ہے۔

(2) زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت، دوسری روایاتِ صحیحہ کے معارض ہے (لہٰذا صحیح روایت کے مقابلے میں دوسری کو چھوڑ دیا جائے گا)

(3) بہرحال ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اونٹ سات یا دس کی طرف سے ہے۔ پس ان الفاظ میں شک ہے جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی میں جزمی و یقینی طور پر فرمایا کہ اونٹ سات کی طرف سے ہی ہے۔[1]

علامہ بدرالدین عینی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:

قلت قال البيهقى حديث أبى الزبير عن جابر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فى اشتراكهم وهم مع النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فى الجزور سبعة أصح، أخرجه مسلم، على أن اشتراكهم فى العشرة محمول على أنه فى القسمة لا فى التضحية

فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ابن زبیر رضی اللہ عنہ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، باب الاضحیۃ، ج 3، ص 519

اوراونٹ میں سات آدمی شریک ہوئے تھے یہ حدیث پاک زیادہ صحیح ہے اوراس کوامام مسلم نے روایت کیا (لہٰذا یہی روایت قابل قبول ہے) نیز دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث پاک میں شرکت سے مراد تقسیم کاری میں شریک ہونا ہے نہ کہ قربانی میں۔[1]

سوال: مزید یہ بھی کہ کیا اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا لازم ہے؟ اگر لازم نہیں توان روایات کا کیا جواب ہوگا؟ روایات یہ ہیں:

عن جابر ابن سمرۃ ان رجلا سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتوضاء من لحوم الغنم قال ان شئت فتوضاء وان شئت فلا تتوضاء قال انتوضاء من لحوم الابل قال نعم۔۔۔ الخ

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگرتم چاہوتو وضو کرلو اور اگر چاہوتو نہ کرو، اس نے عرض کیا کہ ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہاں۔

اور عن البراء ابن عازب قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الوضوء من لحوم الابل فقال توضئوا منها وسئل عن الوضوء من لحوم الغنم فقال لا تتوضئوا منها

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے کھانے کے بعد وضو کرو، اور بکری کا گوشت کھا کر وضو کرنے

---

[1] البنایہ شرح ھدایہ، کتاب الاضحیہ، ج 11، ص 17

کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے کھا کر وضو نہ کرو۔

جواب: اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا لازم نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اور سوال میں مذکور احادیث مبارکہ کے بارے میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یا تو وہ احادیث منسوخ ہیں یا ان سے لغوی وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) مراد ہے وگرنہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا عمل اسکے خلاف نہ ہوتا۔

اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کے مستحب ہونے کے بارے میں علامہ شیخ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

وبعد اکل لحم جزور

ترجمہ: ''اور اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد بھی وضو کرنا مستحب ہے۔''[1]

بہارِ شریعت میں ہے: ''اور اونٹ کا گوشت کھانے (کے بعد)۔۔۔۔وضو مستحب ہے۔''[2]

اور سوال میں مذکور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کے تحت امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف نووی علیہ رحمۃ اللہ الوالی تحریر فرماتے ہیں:

فاختلف العلماء فی اکل لحم جزور فذهب الاکثرون الی انه لا ینقض الوضوء ممن ذهب الیه الخلفاء الاربعة الراشدون ابو بکر وعمر و عثمان و علی وابن مسعود وابی بن کعب وابن عباس وابو الدرداء وابوطلحة وعامر بن ربیعه وابوامامه وجماهیر التابعین ومالك وابوحنیفة والشافعی واصحابهم ۔۔۔۔۔۔وقد اجاب الجمهور عن هذا الحدیث بحدیث جابر کان آخر الامرین من رسول الله صلی الله علیه

---

[1] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع طحطاوی، ص85

[2] بہار شریعت، حصہ دوم، ج1، ص302

وسلم ترك الوضوء مما مست النار

ترجمہ: ''اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ وضونہیں توڑتا وہ علماء جن کا یہ مذہب ہے ان میں سے چندایک کے نام یہ ہیں چاروں خلفائے راشدین (یعنی) حضرت ابوبکراور حضرت عمراور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعوداور حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت ابودرداء اور حضرت ابوطلحہ اور حضرت عامر بن ربیعہ اور حضرت ابوامامہ اوراکثر تابعین اورامام مالک اورامام ابوحنیفہ اورامام شافعی اوران کے اصحاب رضی اللہ عنہم ،اورجمہور نے اس روایت کا جواب حدیث جابر سے دیا کہ سرکار علیہ السلام کا آخری عمل یہ تھا کہ ان چیزوں کے تناول فرمانے کے بعد کہ جن کو آگ نے پکایا آپ وضونہ فرماتے''۔[1]

ملاعلی قاری علیہ رحمۃ اللہ القوی مذکورہ حدیث کے تحت یوں تحریر فرماتے ہیں:

المراد منه غسل اليدين والفم لما فى لحم الابل من رائحة كريهة ودسومة غليظة بخلاف لحم الغنم او منسوخ بحديث جابر

ترجمہ: ''اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوکرنے سے دونوں ہاتھوں اورمنہ کا دھونا مراد ہے کیونکہ اونٹ کے گوشت میں ناپسندیدہ بواورسخت چکناہٹ ہوتی ہے یاوہ روایت حدیث جابر سے منسوخ ہے۔''[2]

عارف باللہ، شیخ محقق، حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی، جابر بن سمرہ والی روایت کے تحت کچھ یوں لکھتے ہیں:

---

[1] شرح النووی علی المسلم، کتاب الحیض، باب الوضوء من لحوم الابل، ج1، ص158

[2] مرقاۃ المفاتیح، باب مایوجب الوضوئ، الفصل الاول، ج2، ص29

''تین ائمہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک رضی اللہ عنہم) کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے یا وضو سے اس کا لغوی معنیٰ (ہاتھ منہ دھونا) مراد ہے۔ پھر سوال جواب کی صورت میں لکھتے ہیں: ''لغوی معنیٰ کی صورت میں اونٹ کے گوشت اور بکری کے گوشت میں کیا فرق ہے؟ جبکہ چکناہٹ جو وضو کا سبب ہے دونوں میں موجود ہے لہٰذا اونٹ کے گوشت سے تو وضو لازم ہو جائے مگر بکری کا گوشت کھانے سے وضو لازم نہ ہو حالانکہ علت دونوں میں مشترک ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کا حکم اس لئے ہو کہ اونٹ کے گوشت میں قدرے بدبو پائی جاتی ہے مگر بکری کے گوشت میں بدبو نہیں ہوتی۔[1]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی حضرت براء بن عازب والی روایت کے جواب میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

وقال الجمهور ---لا ينقض الوضوء باكل لحم الجزور ،لما رواه جابر قال كان آخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما مست النار ،ولانه ماكول كسائر الماكولات

ترجمہ: ''جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام کا آخری عمل یہ تھا کہ ان چیزوں کے تناول فرمانے کے بعد کہ جن کو آگ نے پکایا آپ وضو نہ فرماتے۔ نیز دوسری بات یہ بھی ہے کہ اونٹ کا گوشت بھی تو دیگر کھائی جانیوالی چیزوں کی طرح ہے''۔[2]

اور امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی (المتوفیٰ 321ھ) اونٹ کے گوشت سے

---

[1] اشعۃ اللمعات مترجم، کتاب الطهارة، باب ما يوجب الوضوئ، ج 1، ص553

[2] الفقه الاسلامی وادلته، المطلب السابع نواقض الوضوء، ج1، ص435

وضوٹوٹنے والی روایات کے جواب میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

فقالوالا یجب الوضوٴ للصلوٰۃ باکل شئی من ذلك وکان من الحجة لهم فی انه قد یجوز ان یکون الوضوٴ الذی ارادہ النبی صلی اللہ علیه وسلم هو غسل الید ۔۔۔۔وقد روینا فی الباب الاول فی حدیث جابر ان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ترك الوضوٴ مما غیرت النار فاذا كان ما تقدم منه هوالوضوٴ مما مست النار وفی ذٰلك لحوم الابل وغیرها كان فی تركه ذٰلك ترك الوضوٴ من لحوم الابل ایضا، ۔۔۔واما من طریق النظرفانا قد رءینا الابل والغنم سواء فی حل بیعهماوشرب لبنهما وطهارۃ لحومهما وانه لا تفترق احكامهما فی شئی من ذٰلك فالنظرعلی ذٰلك انهما فی اكل لحومهما سواء فكما كان لا وضوٴ فی اكل لحوم الغنم فكذٰلك لا وضوٴ فی اكل لحوم الابل

ترجمہ: ”فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے بھی کھانے کی وجہ سے نماز کیلئے وضو کرنا لازم نہیں ہوتا، وہ اپنی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ سرکار علیہ السلام کی مراد وضو سے ہاتھ دھونا ہو، اور ہم نے پہلے باب میں حدیث جابر بیان کی ہے کہ سرکار علیہ السلام کا آخری عمل یہ تھا کہ ان چیزوں کے تناول فرمانے کے بعد کہ جن کو آگ نے پکایا آپ وضو نہ فرماتے جبکہ اس سے پہلے آپ علیہ السلام کے بارے میں گزرا کہ جن کو آگ نے پکایا آپ علیہ السلام ان کے تناول کرنے کے بعد وضو فرماتے اور ان چیزوں میں اونٹ کا گوشت وغیرہ سب آتے تھے، چنانچہ جب آپ علیہ السلام نے ان چیزوں کے کھانے کے بعد وضو کرنا ترک فرمادیا تو اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد بھی وضو کرنا ترک فرمادیا، اور اگر ہم عقلی اعتبار سے بھی دیکھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اونٹ اور بکری اپنے خرید وفروخت کے حلال ہونے اور ان کا دودھ پینے کے حلال

ہونے اور انکے گوشت کے پاک ہونے میں جب برابر ہیں تو عقل یہی کہتی ہے کہ وہ دونوں گوشت کے کھائے جانے کے حکم میں بھی برابر ہے پس جس طرح بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا لازم نہیں اسی طرح اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد بھی وضو کرنا لازم نہیں۔[1]

امام محقق احمد بن ابراہیم المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اونٹ کے گوشت سے وضوٹوٹنے والی روایات کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

وعندی انه کان فی اول الاسلام ثم نسخ

ترجمہ: ''میرے نزدیک اونٹ کے گوشت سے وضوٹوٹنے والی روایات کا حکم اسلام کے شروع میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا تھا''۔[2]

سوال میں مذکورروایات کے منسوخ ہونے یا اس سے لغوی وضو مراد ہونے پر دلیل، مندرجہ ذیل روایات بھی ہیں کہ جن میں اجل صحابہ کا عمل بیان کیا گیا ہے کہ اونٹ کے گوشت کے متعلق ان کا کیا نظریہ تھا۔

عن ابی جعفر قال اتی ابن مسعود بقصعة من الکبد والسنام ولحم الجزور فاکل ولم یتوضاء

ترجمہ: ''حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کلیجی اور اونٹ کی کوہان اور اونٹ کا گوشت لایا گیا تو آپ نے اسکو تناول فرمایا اور وضو نہ فرمایا۔[3]

---

[1] شرح معانی الآثار، باب اکل ماغیرت النار ھل یوجب الوضوء ام لا، ج1، ص54

[2] حجة الله البالغه، موجبات الوضوئ، الوضوء من لحوم الابل ،ج 1، ص504، قدیمی

[3] السنن الکبریٰ، کتاب الطھارۃ، باب التوضئی من لحوم الابل، ج1، ص268

اورامام حافظ ابوبکرعبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ،اس بارے میں کئی ایک روایات ذکرکرتے ہیں:

عن یحیٰ بن قیس قال رءیت ابن عمر اکل لحم جزور شرب لبن الابل وصلی ولم یتوضاء

اور حدثنا حفص عن لیث عن طاؤس وعطاومجاھد انھم کانوا لا یتوضئوون من لحوم الابل والبانھا

اور عن ابی سبرۃ النخعی ان عمر ابن الخطاب اکل لحم جزور ثم قال فصلی ولم یتوضاء

اور عن عبد اللہ بن الحسن ان علیا اکل لحم جزور ثم صلی ولم یتوضاء

اور عن رفاعۃ بن سلم قال رءیت سوید بن غفلۃ اکل لحم جزور ثم صلی ولم یتوضاء

اور عن ابراھیم قال لیس فی لحم الابل والبقر والغنم وضؤ

ان سب روایات کامفہوم کچھ یوں بنتا ہے کہ: حضرت ابن عمراور حضرت لیث اور حضرت طاؤس اور حضرت عطا اور حضرت مجاھد اور حضرت فاروق اعظم اور حضرت علی اور حضرت سوید بن غفلۃ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم ان سب حضرات صحابہ اور تابعین کا نظریہ اور عمل یہی تھا کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضونہیں ٹوٹتا اور یہ حضرات خودبھی اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد نیاوضو کئے بغیر نمازادافرمالیتے تھے۔ [1]

سوال:اگرکسی مالکِ نصاب شخص نے بغیرشرکت کے ارادے کے اپنے لئے قربانی کی گائے خریدی اورپھر بعدمیں اس میں چھ لوگوں کواورشریک کرلیااورانہیں اس

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یتوضاء من لحم الابل، ج1، ص 51,50

میں سے چھ حصے بیچ دیئے تو کیا سب کی طرف سے قربانی ہوجائے گی؟

جواب: جی ہاں! استحساناً قربانی سب کی طرف سے ہوجائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے قبل حصہ دار بنائے جائیں تاکہ قربت کے معاملہ میں رجوع کی صورت پیدا نہ ہو۔

ہدایہ میں ہے:

لواشتری بقرۃ یرید ان یضحی بھاعن نفسه ثم اشرك فیھا ستة معه جاز استحسانا،وفی القیاس لایجوز......لانه اعدھاللقربة فیمنع عن بیعھا تمولاً، وجه الاستحسان......فجوزناہ دفعاً للحرج وقدامکن والاحسن ان یفعل ذالك قبل الشرائ،لیکون......ابعدعن صورۃ الرجوع فی القربة،وعن ابی حنیفة انه یکرہ الاشتراك بعدالشراء لما بینا۔ ملخصاً

یعنی اگر کسی شخص نے اپنے لئے گائے خریدی تاکہ قربانی دے پھر بعد میں چھ اور شریک کر لئے تو استحساناً جائز ہے جبکہ قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ اسے اس نے قربت کے طور پر خریدا تو مال کے حصول کیلئے فروخت کرنا منع ہے اور استحساناً جواز کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسے جائز قرار دیا حرج کو دور کرنے کے لئے اور یہ ممکن بھی ہے،اور بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے قبل حصہ دار بنائے تاکہ قربت کے معاملہ میں رجوع کی صورت پیدا نہ ہو،جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خرید لینے کے بعد شریک بنانا مکروہ ہے اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی،ملخصاً۔[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو اشتریٰ بقرۃ یرید ان یضحی بھا ثم اشترك فیھا ستة یکرہ و یجزیھم لانه بمنزلة سبع شیاۃحکماً الا ان یرید حین اشتراھا ان یشرکھم

[1] ھدایہ،ج4،ص445

فیھا فلا یکرہ

اوراگر گائے خریدی تا کہ قربانی کرے، پھر اس میں چھ شخصوں کو شریک کر لیا تو یہ مکروہ ہے البتہ قربانی سب کی ہوجائے گی کیونکہ حکمی طور پر یہ (ایک گائے) سات بکریاں ہیں۔ہاں اگر خریدتے وقت ہی نیت کر لی کہ ان کو بھی شریک کروں گا تو کراہت نہیں۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی کے لئے گائے خریدی پھر اس میں چھ شخصوں کو شریک کرلیا سب کی قربانیاں ہوجائیں گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے ہاں اگر خریدنے ہی کے وقت اس کا یہ ارادہ تھا کہ اس میں دوسروں کو شریک کروں گا تو مکروہ نہیں اوراگر خریدنے سے پہلے ہی شرکت کرلی جائے تو یہ سب سے بہتر''۔[2]

سوال:اگر شرکت کی نیت کے بغیر قربانی کے لئے گائے خریدنے والا شخص مالکِ نصاب نہ ہو یعنی ایسا ہو کہ اس پر قربانی واجب نہ ہوتی ہو لیکن پھر بھی قربانی کے لئے گائے خرید لی تو کیا وہ شخص بھی اگر بعد میں دوسرے لوگوں کو اس میں شریک کرلے گا تو جائز ہے؟

جواب:قربانی کے لئے بغیر شرکت کی نیت کے گائے خریدنے والا شخص اگر مالکِ نصاب نہ ہو تو اس پر گائے خریدتے ہی اس گائے کی قربانی کرنا واجب ہوجاتا ہے لہذا اب وہ کسی دوسرے کو شریک کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وان کان فقیراً معسراًفقد اوجب بالشراء فلا یجوز ان یشرك

---

[1] عالمگیری، ج5، ص304

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ15، ص351

فیھا گ لانہ اوجبھا کلھا للہ

اور اگر کسی فقیر خستہ حال نے گائے خرید کر خود پہ قربانی واجب کر لی تو اب کسی دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں کیونکہ اس نے خود ہی ساری گائے اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے خود پر واجب کی ہے۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''اگر غیر مالک نصاب نے قربانی کے لئے گائے خریدی تو خریدنے سے ہی اس پر اس گائے کی قربانی واجب ہوگئی اب وہ دوسرے کو شریک نہیں کر سکتا''۔[2]

سوال: چھ اشخاص نے مل کر قربانی کے لئے گائے خریدی اور سب نے برابر پیسے جمع کروائے اور اس گائے کو ذبح کر دیا گیا بعد میں ایک شخص نے کہا کہ مجھے بھی ایک حصے میں شریک کر لو تو کیا اس طرح اس سے رقم لے کر وہ حصہ اس کے نام سے رکھا جا سکتا ہے؟

جواب: قربانی اراقۃ الدم (خون بہانے) کا نام ہے اور ذبح کرنے سے وہ ہو چکی تو اب دوسرے کی طرف اس کے کسی حصے کا انتقال ممکن نہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''قربانی اراقۂ دم کا نام ہے اور اب اراقۂ دم ہوگئی تو دوسرے کی طرف اس کا انتقال ناممکن ہے ہاں اس کا ثواب یا گوشت جسے چاہے دے''۔[3]

سوال: قربانی کے شرکاء میں سے اگر کوئی شریک کافر ہو تو کیا بقیہ کی قربانی ہو جائے گی؟

---

[1] عالمگیری، ج5، ص304

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص351

[3] فتاوی رضویہ، ج20، ص450

جواب: قربانی کے شرکا میں سے اگر کوئی شریک کافر ہو تو ان شرکا میں سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔

علامہ عبداللہ بن محمود علیہ رحمۃ اللہ الودود فرماتے ہیں:

لوكان أحدهم كافرا لايجزیء واحدا منهم لأن الدم لايتجزأ ليكون بعضه قربة وبعضه لا

اگر شرکا میں سے کوئی ایک کافر ہو تو ان میں سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی کیونکہ اراقِ دم متجزی نہیں ہوتا کہ اس کے بعض اجزا قربت کے لئے ہوں اور بعض اجزا غیر قربت کے لئے ہوں۔[1]

صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود علیہ رحمۃ اللہ الغفور فرماتے ہیں:

وان كان احدهم كافرا......لان البعض ليس بقربة

اور اگر شرکاء میں سے کوئی ایک کافر ہو تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی کیونکہ بعض اجزاء قربت نہیں ہوں گے۔[2]

سوال: گائے کی قربانی میں کسی حصہ دار کی نیت اگر گوشت حاصل کرنے کی ہوئی تو کیا قربانی درست ہے؟

جواب: گائے کی قربانی میں اگر کسی حصہ دار کا مقصود قربانی نہ ہو بلکہ گوشت حاصل کرنے کی نیت ہو تو اس میں کسی کی بھی قربانی نہ ہوگی۔

دُرِ مختار و ردالمحتار میں ہے:

وان كان شريك السبع نصرانيا او مريدا اللحم لم يجزعن واحد

اور اگر قربانی میں شریک سات لوگوں میں سے ایک نصرانی ہو یا گوشت کا

---

[1] کتاب الاختیار، کتاب الاضحیۃ، ج 05، ص 22

[2] شرح الوقایہ، کتاب الاضحیۃ، ج 04، ص 41

ارادہ رکھنے والا ہو۔ تو کسی کی بھی قربانی جائز نہیں۔[1]

سوال: قربانی کے لئے سات حصہ داروں نے گائے خریدی لیکن قربانی سے پہلے اگر کوئی حصہ دار مرجائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: سات شخصوں نے مل کر قربانی کے لیے ایک گائے خریدی۔ ان میں سے ایک کا انتقال ہوگیا۔ اب اگر اس کے (یعنی جو مرگیا) ورثاء نے شرکاء سے یہ کہہ دیا کہ تم اس گائے کو اپنی طرف سے اور اس کی طرف سے قربانی کر دو اور انہوں نے کرلی تو سب کی طرف سے قربانی جائز ہوگئی۔ اور اگر بغیر اجازت ورثاء کی تو کس کی قربانی نہ ہوئی۔

ہدایہ میں ہے:

واذا اشترى سبعة بقرة ليضحوا بها فمات احدهم قبل النحر و قالت الورثة اذبحوها عنه وعنكم اجزاهم......ولومات واحد منهم فذبحها الباقون بغير اذن الورثة لايجزيهم لانه لم يقع بعضها قربة و فيما تقدم وجد الاذن من الورثة فكان قربة

اور جب سات لوگوں نے قربانی کے لئے گائے خریدی تو قربانی سے پہلے ان میں سے ایک حصہ دار مرگیا اور ورثاء نے باقی حصہ داروں سے کہا کہ تم اپنی طرف سے اور اس کی طرف سے قربانی کرو تو جائز ہے ......اور اگر ان میں سے ایک مرگیا اور باقیوں نے بغیر ورثاء کی اجازت کے قربانی کردی تو کسی کی طرف سے جائز نہ ہوئی کیونکہ اس میں بعض کی طرف سے قربت نہیں پائی گئی اور پہلی صورت جو گزری اس میں ورثہ کی طرف سے چونکہ اجازت پائی گئی لہٰذا قربت بھی پائی گئی۔"[2]

---

[1] دُر مختار ورد المحتار، ج9، ص472

[2] هدایه، ج4، ص449، 450

سوال: جس طرح ایک گائے یا اونٹ کی قربانی میں سات لوگ شریک ہوسکتے ہیں کیا اسی طرح ایک بکرے کی قربانی میں بھی سات لوگ شریک کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بھیڑ، بکرے، مینڈھے اور دنبے کی قربانی صرف ایک شخص کی طرف سے ہی ہوسکتی ہے، ایک سے زائد کی طرف سے جائز نہیں کیونکہ قربانی عبادت کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے نام پر ''اراقۃ الدم'' یعنی خون بہانے کا نام ہے اور ''اراقۃ الدم'' یعنی خون بہانا جو درحقیقت ایک جان تلف کرنا ہے، یہ ایک جان ایک اکائی ہے اور اس کی تجزی (یعنی اجزاء میں تقسیم) نہیں ہوسکتی۔ لیکن چونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے گائے اور اونٹ میں سات حصوں کی اجازت عطا فرمادی، اس لئے خلافِ قیاس گائے اور اونٹ کی قربانی سات افراد کی طرف سے جائز ہوئی۔ اور بکرے وغیرہ میں سات حصوں کی اجازت پر کوئی حدیث موجود نہیں ہے لہذا قیاس پر عمل کرتے ہوئے اس کی قربانی صرف ایک ہی شخص کی طرف سے ہوگی، ایک سے زائد کے طرف سے جائز نہیں ہوگی۔

بدائع الصنائع میں ہے:

القیاس فی الابل والبقر ان لایجوز فیھما الاشتراک لان القربۃ فی ھذا الباب اراقۃ الدم وانھا لاتحتمل التجزئۃ لانھا ذبح واحد و انما عرفنا جواز ذلک بالخبر فبقی الامر فی الغنم علی اصل القیاس

قیاس کے مطابق اونٹ اور گائے میں شرکت جائز نہیں کیونکہ قربت اس باب میں خون بہانا ہے اور یہ تجزی کو قبول نہیں کرتی کیونکہ ذبح واحد ہے لیکن اس (گائے اور اونٹ میں سات حصوں) کا جواز ہم نے حدیث کے ذریعے جانا پس بکرے میں

(عدمِ شرکت کا) معاملہ قیاس کے مطابق ہوگا۔[1]

ہدایہ میں ہے:

ویذبح عن کل واحد منهم شاة ویذبح بقرة اوبدنة عن سبعة والقیاس ان لاتجوز الا عن واحد لان الاراقة واحدة وهی القربة الا انا ترکناه بالاثر وهوما روی عن جابر رضی الله عنه انه قال نحرنا مع رسول الله علیه السلام البقرة عن سبعة والبدنة عن سبعة ولانص فی الشاة فبقی علی اصل القیاس

اور بکری ایک شخص کی طرف سے ذبح کی جائے گی اور گائے یا اونٹ سات کی طرف سے ذبح کیے جاسکتے ہیں۔اور قیاس یہ کہتا ہے کہ گائے اور اونٹ کی قربانی بھی ایک کی طرف سے ہو کیونکہ اراقہ ایک ہے اور وہ قربت ہے مگر ہم نے قیاس کو اس روایت کی وجہ سے ترک کر دیا جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ علیہ السلام کے ساتھ گائے کی سات افراد کی طرف سے اور اونٹ کی سات افراد کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔اور بکری کے بارے میں کوئی روایت موجود نہیں لہذا یہ اصل قیاس پر باقی رہے گی یعنی ایک شخص کی طرف سے ہی ہوگی۔[2]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فلاتجوز الشاة والمعزالاعن واحدوان کانت عظیمة سمینة

ترجمہ: بکری اور بھیڑ کی قربانی جائز نہیں مگر ایک شخص کی طرف سے اگرچہ وہ بکری یا بھیڑ خوب فربہ ہو۔[3]

مذکورہ جواب پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

---

[1] بدائع الصنائع، ج04، ص205

[2] هدایه اخیرین، ج04، ص444

[3] عالمگیری، ج05، ص297

اعتراض: آپ نے کہا کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایک فرد کی طرف سے ایک ہی قربانی دی جاسکتی ہے لیکن جب ہم حضور علیہ السلام کی اُمت کی طرف سے قربانی کا خیال کرتے ہیں تو ذہن میں یہ بات آتی ہے جب ایک قربانی ایک ہی فرد کے طرف سے ہوسکتی ہے تو پھر آپ علیہ السلام نے تمام اُمت کی طرف سے ایک قربانی کیسے کی؟

جواب: ایک قربانی یقیناً ایک فرد کی طرف سے ہی ہوگی اور گھر میں سے ہر مالکِ نصاب جس پر قربانی کی دیگر شرائط بھی پائی جائیں اسے اپنی طرف سے الگ کرنی ہوگی لیکن اُمت کی طرف سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی کے بارے میں علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے جس طرح حضور علیہ السلام نے چھ مہینے کی بکری کے بچہ کی قربانی ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جائز فرمادی تھی اور اوروں کے لئے اس کی ممانعت فرمادی۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''احادیث سے ثابت ہے کہ سید عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اُمتِ مرحومہ کی طرف سے قربانی کی یہ حضور کے بے شمار الطاف میں سے ایک خاص کرم ہے کہ اس موقع پر بھی اُمت کا خیال فرمایا اور جو لوگ قربانی نہ کرسکے ان کی طرف سے خود ہی قربانی ادا فرمائی۔ یہ شبہہ کہ ایک مینڈھا ان سب کی طرف سے کیوں کر ہوسکتا ہے یا جو لوگ ابھی پیدا ہی نہ ہوئے ان کی قربانی کیوں کر ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے۔ جس طرح حضور نے چھ مہینے کے بکری کے بچہ کی قربانی ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جائز فرمادی اوروں کے لئے اس کی ممانعت کردی۔ اسی طرح اس میں خود حضور کی خصوصیت ہے کہنا یہ ہے کہ جب حضور نے اُمت کی طرف سے قربانی کی تو جو مسلمان صاحب استطاعت ہو اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی ایک قربانی کرے تو زہے نصیب اور

بہتر سینگ والا مینڈھا ہے جس کی سیاہی میں سفیدی کی بھی آمیزش ہو جیسے مینڈھے کی خود حضور اکرم نے قربانی فرمائی''۔[1]

سوال: ایک شخص نے بقرعید پر چند بکرے لئے اور اپنی طرف سے ان سب کو قربان کردیا حالانکہ قربانی تو اس پر صرف ایک بکرے کی واجب تھی تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: سب قربانیاں اس کی طرف سے ادا ہو جائیں گی، ان میں سے ایک سے اس کا واجب ادا ہو جائے گا اور بقیہ سب اس کی طرف سے نفلی قربانیاں ہوں گی۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''ایک سے زیادہ قربانی کی سب قربانیاں جائز ہیں ایک واجب باقی نفل اور اگر ایک پوری گائے قربانی کی تو پوری سے واجب ہی ادا ہوگا یہ نہیں کہ ساتواں حصہ واجب ہو باقی نفل''۔[2]

❀ ❀ ❀

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص353

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص352

پانچواں باب:

قربانی کے جانوروں میں عیوب کا بیان

سنن ابن ماجہ، ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔ واللفظ لسنن ابی داؤد

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اربع لاتجوز فی الاضاحی العوراء بیّن عورها والمريضة بيّن مرضها والعرجاء بيّن ظلعها والكبيرة الاتی لاتنقی

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ چار قسم کے جانور قربانی کے لئے درست نہیں۔

(۱) کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو۔

(۲) اور بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو۔

(۳) اور لنگڑا جس کا لنگ ظاہر ہو۔

(۴) اور ایسا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو''۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم نهى ان يضحى بعضباء الاذن والقرن

ترجمہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کان کٹے ہوئے اور سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی

---

[1] ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد، ج2، ص39، باب مایکرہ من الضحایا السنن

سے منع فرمایا''۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن ولانضحی بعوراء ولامقابلة ولامدابرة ولاخرقاء ولاشرقاء

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم جانوروں کے کان اور آنکھیں غور سے دیکھ لیں اور اس کی قربانی نہ کریں جو کانا ہو اور وہ جس کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ اس کی جس کے کان کا پچھلا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ اس کی جس کا کان پھٹا ہو یا کان میں سوراخ ہو''۔[2]

سوال: چند وہ عیوب بیان فرمائیں کہ جو قربانی کے جانور میں اگر پائے جائیں تو قربانی جائز نہیں ہوتی؟

جواب: مستحب یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں اور جانور میں کسی بھی طرح کا کوئی بھی عیب نہ ہو البتہ اگر تھوڑا سا عیب ہو (مثلاً کان چرا ہوا ہو یا کان میں سوراخ ہو) تو قربانی ہو جائے گی اور اگر زیادہ عیب ہو تو قربانی ہوگی ہی نہیں۔

مثلاً! جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا ایک کان نہ ہو☆ ایسا پاگل کہ چرتا نہ ہو☆ اتنا کمزور کہ ہڈیوں میں مغز نہ رہا ہو☆ اندھا یا ایسا کانا جانور جس کا کانا پن ظاہر ہو☆ اور ایسا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو☆ ایسا لنگڑا جو خود اپنے پاؤں سے قربان گاہ تک نہ جاسکے☆ کان، دم یا چکی ایک تہائی سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں☆ ناک کٹی ہوئی ہو☆ دانت نہ ہوں☆ تھن کٹے ہوئے ہوں یا خشک ہوں۔ بکری میں ایک تھن

---

[1] سنن ابوداؤد، ج2، ص40

[2] سنن ابوداؤد، ج2، ص39

خشک ہواور گائے میں دو خشک ہوں ☆ جس جانور کا ایک پاؤں کاٹ لیا گیا ہو ☆ [1]

سوال: قربانی کرتے وقت اگر جانور کے اچھلنے کودنے کی وجہ سے کوئی عیب پیدا ہو جائے تو کیا اس جانور کی قربانی بھی نہیں ہوگی؟

جواب: قربانی کرتے وقت جانور اچھلا کودا جس کی وجہ سے عیب پیدا ہو گیا یہ عیب مضر نہیں یعنی قربانی ہو جائے گی اور اگر اچھلنے کودنے سے عیب پیدا ہو گیا اور وہ چھوٹ کر بھاگ گیا اور فوراً پکڑ کر لایا گیا اور ذبح کر دیا گیا جب بھی قربانی ہو جائے گی۔ [2]

دُرمختار میں ہے:

ولا يضر تعيبها من اضطرابها عند الذبح

اور اسکا (یعنی قربانی کے جانور کا ذبح کے وقت کودنے سے عیب دار ہونا نقصان نہیں دیتا (یعنی قربانی ہو جائے گی)۔ [3]

سوال: قربانی کا جانور زخمی ہو گیا اور پھر عیدِ قربان آنے سے پہلے پہلے وہ زخم بھر گیا اور وہ عیب ختم ہو گیا تو کیا پھر بھی اس کی قربانی جائز نہ ہوگی؟

جواب: جی ہاں! عیدِ قربان سے پہلے پہلے اگر زخم اچھا ہو گیا اور وہ عیب جاتا رہا تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''زخم بھر گیا، عیب جاتا رہا تو حرج نہیں، لان المانع قد زال وهذا ظاهر (یعنی کیونکہ مانع جاتا رہا، اور یہ ظاہر ہے)''۔ [4]

سوال: جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں تو کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

---

[1] ملخص از عالمگیری، ج5، دُرمختار، ج9

[2] بہارشریعت، ج3، حصہ 15، ص342

[3] دُرمختار، ج9، ص471

[4] فتاوی رضویہ، ج20ص460

جواب: جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ویجوز ان یضحی بالجماء وھی التی لا قرن لھا لان القرن لا یتعلق به المقصود

اور جماء کی قربانی جائز ہے۔اور جماء اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں۔اس وجہ سے کہ سینگوں سے مقصود متعلق نہیں ہوتا۔[1]

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویجوز بالجماء التی لاقرن لھا

''اور جماء جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، کی قربانی جائز ہے۔''[2]

سوال: قربانی کے جانور کے سینگ اگر ٹوٹ جائیں تو کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

جواب: قربانی کے جانور کا سینگ اگر مینغ (یعنی جڑ) تک ٹوٹ گیا اگر چہ خود بخود ہی ٹوٹا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں اور اگر اس سے کم ٹوٹا ہے تو قربانی ہو جائے گی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وان بلغ الکسر المشاش لا یجزیه والمشاش روس العظام

''اور اگر سینگ مینغ سے (یعنی جڑ سے) ٹوٹ گئے تو ایسا جانور قربانی کے لیے کفایت نہیں کرے گا۔اور مشاش ہڈیوں کی جڑ کو کہتے ہیں''۔[3]

ردالمحتار میں ہے:

وکذاالعظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسراوغیرہ،فان بلغ الکسرالی المخ لم یجزقھستا نی،وفی البدائع ان بلغ الکسرالمشاش

---

[1] ھدایه،ج4،ص447

[2] عالمگیری،ج5،ص297

[3] (عالمگیری،ج5،ص297

لایجزیء والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین

''یعنی یوں ہی عظماء کی قربانی جائز ہے، یہ وہ جانور ہے جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہو، اور مخ تک ٹوٹ چکا ہو تو ناجائز ہے، قہستانی، اور بدائع میں ہے کہ اگر یہ ٹوٹ مشاش تک ہو تو ناجائز ہے اور مشاش ہڈی کے سِرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ''۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''سینگ ٹوٹنا اُس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے، اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں''۔[2]

سوال: ایک جانور کہ جس کا ایک سینگ ٹوٹا تو مالک نے دوسرا بھی نکال دیا، دیکھا جائے تو جانور کے سر پر اب کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا، زخم بھی ٹھیک ہو چکا ہے تو کیا ایسے جانور کی قربانی ہو جائے گی؟

جواب: سینگ ٹوٹا مگر زخم بھر گیا، ٹھیک ہو گیا تو اس جانور کی قربانی جائز ہے، سینگ کا ٹوٹنا اس وقت عیب شمار ہوتا ہے، جبکہ جڑ سمیت ٹوٹ جائے اور زخم بھی ٹھیک نہ ہوا ہو، لہٰذا اگر کسی جانور کا سینگ جڑ سمیت ٹوٹ جائے اور زخم بھر جائے، تو اب اس کی قربانی ہو سکتی ہے، کیونکہ جس عیب کی وجہ سے قربانی نہیں ہو رہی تھی، وہ عیب اب ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اس کی قربانی ہو جائے گی۔

فتاوی رضویہ میں اسی طرح کے ایک مسئلے کے جواب میں فرماتے ہیں:

''سینگ ٹوٹنا اس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے، اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں۔

---

[1] ردالمحتار، ج9، ص467

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص460

فی ردالمحتار یضحی بالجماء وھی التی لاقرن لھاخلقۃ وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ۔ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجزقھستانی،و فی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین

ردالمحتار میں ہے جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ پیدائشی نہ ہواور یوں عظماء بھی، یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہواور مخ تک ٹوٹ چکا ہو،تو ناجائز ہے۔قہستانی۔اور بدائع میں ہے: اگر یہ ٹوٹ مشاش تک ہوتو ناجائز ہے اور مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں۔

اور پھراگرایساہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا،مگراب زخم بھر گیا،عیب جا تا رہا،توحرج نہیں''لان المانع قد زال وھذا ظاھر'' کیونکہ مانع جا تا رہااور یہ ظاہر ہے۔[1]

سوال: اندھے جانور کی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشادفرمایا:

اربع لاتجزیء العوراء البین عورھا،والمریضۃ البین مرضھا، والعرجاء البین ظلعھا،والکسیر التی لاتنقی

ترجمہ: چارقسم کے عیب والے جانوروں کی قربانی جائزنہیں۔کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو،لنگڑا جس کا لنگڑاپن ظاہر ہواورایسا کمزور کہ جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو۔[2]

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

لاتجوزالعمیاء والعوراء

---

[1] فتاوی رضویہ جلد 20، صفحہ 460

[2] مسند امام احمد بن حنبل، ج 04، ص 292

''اندھے اور کانے جانور کی قربانی جائز نہیں''۔[1]

سوال: کیا جانور کو خصی کرنا عیب ہے جیسا کہ آجکل بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے؟ اور ایسے جانور کی قربانی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جانوروں میں خصی ہونا عیب شمار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ ایک عمدہ بات ہے کیونکہ اس سے جانور کے گوشت میں عمدگی ولذّت پیدا ہوجاتی ہے لہٰذا جانور میں یہ عیب نہیں بلکہ خوبی ہے اور خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے:

عن جابرٍ رضی اللہ تعالی عنه قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وآله وسلم یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجؤین الخ

''یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذبح کے دن دو مینڈھے سینگ والے چت کبرے خصی کئے ہوئے ذبح فرمائے الخ''۔[2]

اس حدیث کے تحت حضرت مولانا ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری فرماتے ہیں:

والأصح انه غیر مکروهٍ لأن الخصاء یزید اللحم طیباً

''اور صحیح یہ ہے کہ جانور کو خصی کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کے گوشت کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے''۔[3]

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

الذکر منها افضل اذا کان خصیا

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الاضحیۃ، ج4، ص321

[2] سنن ابی داؤد، ج2، ص38

[3] مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج3، ص513

”نرجانور کی قربانی کرنا مادہ جانور سے افضل ہے جبکہ نرجانور خصی ہو“۔[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والخصی افضل من الفحل لانه اطیب لحما کمافی المحیط

”یعنی خصی جانور کی قربانی دوسرے نرجانور سے افضل ہے، کیونکہ اس کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے، جیسا کہ ”محیط“ میں ہے“۔[2]

بہارِشریعت میں ہے:

”خصی یعنی جس کے خصیے نکال لیے گئے ہیں یا مجبوب یعنی جس کے خصیے اور عضوتناسل سب کاٹ لیے گئے ہوں ان کی قربانی جائز ہے۔“[3]

سوال: ایسا بکرا یا بیل جس کا پیدائشی ایک خصیہ نہ ہو، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ایسے بکرے یا بیل کی قربانی جائز ہے کہ یہ عیب نہیں ہے، عیب وہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے جانور کی قیمت کم ہو جائے اور خصیہ کم ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت کم نہیں ہوتی، بلکہ وہ جانور جس کے خصیے کوٹ دیے گئے ہوں یا خصیے اور ذکر کاٹ کر بالکل الگ کر دیے گئے ہوں اس کی بھی قربانی جائز، بلکہ بہتر ہے۔

ہدایہ میں ہے:

کل ما اوجب نقصان الثمن فی عادة التجار فهو عیب

ہر وہ چیز جو تاجروں کی عادت میں ثمن میں کمی کا سبب بنے وہ عیب ہے۔[4]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

و یجوز المجبوب العاجز عن الجماع

---

[1] خلاصة الفتاوی، ج04، ص314

[2] عالمگیری، ج5، ص299

[3] بہارشریعت، ج3، حصہ15، ص340

[4] هدایه، جلد3، ص42، مطبوعہ لاہور

اوراس جانور کی قربانی جائز ہے جس کے خصیے اور آلہ تناسل کاٹ دیے گئے ہوں، وہ جماع سے عاجز ہو۔[1]

فتاوی رضویہ میں ایک سوال ہوا کہ بکرے دوطرح خصی کیے جاتے ہیں، ایک یہ کہ رگیں کوٹ دی جائیں، اس میں کوئی عضوکم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آلت تراش کر پھینک دی جاتی ہے، اس صورت میں ایک عضوکم ہوگیا، آیا ایسے خصی کی بھی قربانی جائز ہے یانہیں؟ توآپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا، بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی کا گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا ہوتا ہے فی الھندیۃ عن الخلاصۃ یجوز المجبوب العاجزعن الجماع (ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ذکر کٹا جوجفتی کے قابل نہ رہا وہ قربانی میں جائز ہے)۔''[2]

بہارِشریعت میں ہے:

''خصی یعنی جس کے خصیے نکال لیے گئے ہیں یا مجبوب یعنی جس کے خصیے اور عضوتناسل سب کاٹ لیے گئے ہوں ان کی قربانی جائز ہے۔''[3]

سوال: ایسا خصی جانور، جس کا عضو کاٹ کراُسے خصی کیا گیا ہو، اُس جانور کی قربانی جائز ہے یانہیں؟

جواب: جی ہاں! ایسا خصی جانور جس کا عضو کاٹ کر اُسے خصی کیا گیا ہو، اُس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ اس کی کمی سے جانور میں کوئی عیب نہیں آتا، بلکہ اُس کا وصف بڑھ جاتا ہے کہ ایسے جانور کا گوشت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔

---

[1] فتاوی عالمگیری، ج5، ص297

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص458

[3] بہار شریعت، جلد3، حصہ15، ص340

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ذبح النبی صلی اللہ علہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن دوسینگ والے، چت کبرے، خصی مینڈھوں کو ذبح فرمایا۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی نقل کردہ ایک تشریح کے مطابق، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عضو کٹے خصی جانور کی قربانی کرنا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ آپ علیہ الرحمۃ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

الموجوٗیعنی بضم الجیم وبالهمزة منزوع الانثیین

ترجمہ: لفظ ''موجوء'' جیم پر پیش کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ ہے، جس سے مراد وہ جانور ہے جس کے خصیتین جُدا کر دیے گئے ہوں۔[2]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویجوز المجبوب العاجزعن الجماع

ترجمہ: عضو کٹے، جُفتی سے عاجز جانور کی قربانی جائز ہے۔[3]

اور یاد رہے کہ خصی ہونا کوئی عیب نہیں، بلکہ خوبی ہے، کیونکہ ایسے جانور کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

الخصی افضل من الفحل لانہ اطیب لحما

ترجمہ: خصی جانور کی قربانی فحل (جو جانور خصی نہ ہو، اُس) کی قربانی سے افضل ہے،

---

[1] سنن ابو داؤد، ج2، ص38

[2] فتح الباری، ج10، ص12

[3] فتاوی عالمگیری، ج5، ص297

کیونکہ اس کا گوشت زیادہ عمدہ ہوتا ہے۔[1]

فتاوی رضویہ میں سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن سے سوال ہوا کہ جس جانور کا عضو کاٹ کر اُسے خصی کیا گیا ہو، اُس جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: ''جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا، بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی کا گوشت فحل کی بنسبت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔''[2]

سوال: کیا خارشی جانور کی قربانی جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! خارشی جانور کی قربانی بھی جائز ہے جبکہ فربہ ہو اور اگر اتنا لاغر ہو کہ ہڈی میں مغز نہ رہا تو قربانی جائز نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وتجوز الجرباء اذا كانت سمينة فان كانت مهزولة لا تجوز

اور خارشی جانور کی قربانی جائز ہے۔ جبکہ وہ جانور فربہ (یعنی موٹا تازہ) ہو۔ پس اگر کمزور ہو تو جائز نہیں۔''[3]

اور درمختار میں ہے:

ويجوز الجرباء السمينة فلو مهزولة لم يجز لان الجرب فی الحم نقص

اور خارشی فربہ جانور کی قربانی جائز ہے۔ اور اگر کمزور ہو تو جائز نہیں، اس وجہ سے کہ خارش گوشت میں نقص پیدا کرتی ہے۔[4]

سوال: بھینگے جانور کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

---

[1] محیط برھانی، ج8، ص468

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص458

[3] عالمگیری، ج5، ص298

[4] درمختار، ج9، ص467

جواب: بھینگے جانور کی قربانی جائز ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والحولاء تجزی وھی التی فی عینھا حول

اورحولاء قربانی کے لیے درست ہے۔اورحولاء وہ جانور ہے جس کی آنکھوں میں بھینگا پن ہو۔[1]

سوال: خنثیٰ جانور (کہ جس میں نرومادہ دونوں کی علامتیں موجود ہوں) کی قربانی کرنا کیسا ہے جائز ہے؟

جواب: خنثیٰ جانور (کہ جس میں نرومادہ دونوں کی علامتیں موجود ہوں) کی قربانی جائز نہیں۔

درمختار میں ہے:

ولابالخنثیٰ لان لحمھالاینضج ،شرح وھبانیة

یعنی خنثی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں،شرح وہبانیہ۔[2]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

لاتجوز التضحیة بالشاة الخنثی لان لحمھالاینضج

خنثی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں۔[3]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''خنثیٰ کہ نرومادہ دونوں کی علامتیں رکھتا ہو، دونوں سے یکساں پیشاب آتا ہو،کوئی وجہِ ترجیح نہ رکھتا ہو،ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں کہ اس کا گوشت کسی

---

[1] عالمگیری،ج5،ص298

[2] درمختار،ج9،ص470

[3] عالمگیری،ج05،ص233

طرح پکائے نہیں پکتا، ویسے ذبح سے حلال ہو جائے گا، اگر کوئی کچا گوشت کھائے، کھائے۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''اور خنثیٰ جانور یعنی جس میں نر و مادہ دونوں کی علامتیں ہوں اور جلالہ جو صرف غلیظ کھاتا ہو ان سب کی قربانی ناجائز ہے۔''[2]

سوال: ایسا جانور کہ جس کا کان کٹا ہوا تو نہیں ہے لیکن لمبائی میں چرا ہوا ہو اس کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

جواب: ایسا جانور کہ جس کا کان چرا ہوا ہو، لیکن بدن سے اترا ہوا نہ ہو اس کی قربانی کرنا، جائز تو ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ ایسے جانور کی قربانی نہ کی جائے، بلکہ ایسے جانور کی قربانی کی جائے جو ہر طرح کے عیب سے پاک ہو۔

عالمگیری میں ہے:

تجزی الشرقاء وھی مشقوقۃ الاذن طولا والمقابلۃ ان یقطع من مقدم اذنھا ولایبان بل یترك معلقا والمدابرۃ ان یفعل ذلك بمؤخر الاذن من الشاۃ وما روی أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی أن یضحی بالشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ والخرقاء فالنھی فی الشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ محمول علی الندب

ترجمہ: شرقاء کی قربانی جائز ہے اور اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں اور مقابلہ (کی بھی جائز ہے اور یہ) وہ جانور ہے جس کے کان کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو، لیکن جدا نہ ہو، بلکہ لٹکا ہوا ہو اور مدابرہ (کی بھی جائز ہے اور یہ) وہ بکری ہے جس کے کان کا پچھلا حصہ اسی طرح کٹا ہوا ہو یعنی جدا

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص255

[2] بہارشریعت، ج03، ص341

نہ ہوا ہو ساتھ لٹک رہا ہو اور جو حدیث مبارک میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے الشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ والخرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا الشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ کی قربانی سے منع کرنا یہ استحباب پر محمول ہے (یعنی ان کی قربانی نہ کرنا مستحب ہے)۔[1]

سوال: لوگ اپنے جانوروں کو مخصوص نشانیاں لگاتے ہیں، اگر کوئی ایسا جانور ملے جس کے کان میں چھوٹے چھوٹے، دو، تین سوراخ ہوں لیکن کان کا کوئی حصہ کاٹ کر الگ نہ کیا گیا ہو تو کیا ایسے جانور کی قربانی ہو سکتی ہے؟

جواب: دریافت کردہ صورت میں جس بیل کے کان میں دو، تین سوراخ ہوں، اگر وہ مل کر تہائی کان کی مقدار یا اس سے کم ہیں اور کوئی دوسرا مانعِ قربانی عیب بھی نہیں، تو ایسے جانور کی قربانی جائز تو ہے، مگر مکروہ وخلاف اولیٰ ہے کیونکہ مستحب یہ ہے کہ جانور کے کان، آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہ بالکل صحیح اور عیب سے سلامت ہوں، اگر تھوڑا سا عیب ہو، تو قربانی مکروہ، اگر زیادہ ہو، تو ناجائز ہوتی ہے۔

جامع صغیر میں ہے:

وان قطع من الذنب او الاذن او الالیۃ الثلث او اقل اجزاہ وان کان اکثر لم یجز

ترجمہ: اگر جانور کی دم یا کان یا چکی کا ایک تہائی یا اس سے کم حصہ کٹا ہوا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر ایک تہائی سے زیادہ حصہ کٹا ہو، تو اُس جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔[2]

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

---

[1] فتاوی عالمگیری، ج5، ص298

[2] الجامع الصغیر، کتاب الذبائح، ص473

تجزی الشرقاء وھی مشقوقۃ الاذن طولا، والمقابلۃ ان یقطع من مقدم اذنھا شیء ولا یبان بل یترک معلقا، والمدابرۃ ان یفعل ذلک بمؤخر الاذن من الشاۃ، وما روی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نھی ان یضحی بالشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ والخرقاء فالنھی فی الشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ محمول علی الندب وفی الخرقاء علی الکثیر علی اختلاف الاقاویل فی حد الکثیر، کذا فی البدائع

ترجمہ: شرقاء کی قربانی جائز ہے اور یہ ایسی بکری ہے جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں اور مقابلہ (کی قربانی بھی جائز ہے اور یہ) ایسی بکری ہے جس کے کان کا اگلا حصہ کچھ کٹا ہو، لیکن جدا نہ ہو، بلکہ لٹکا ہوا ہو اور مدابرہ (کی قربانی بھی جائز ہے اور یہ) ایسی بکری ہے جس کے کان کا پچھلا حصہ اسی طرح کٹا ہو اور جو حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرقاء، مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے، تو شرقاء، مقابلہ اور مدابرہ میں یہ نہی استحباب پہ محمول ہے اور خرقاء میں کان زیادہ کٹے ہونے پر محمول ہے اور زیادتی کی حد میں اقوال مختلف ہیں۔ ایسے ہی بدائع الصنائع میں ہے۔[1]

فتاوی رضویہ میں میں سوال ہوا کہ ایک گائے کا کان چرا ہوا ہے جیسے گاؤں کے لوگ بچپن میں کان چیر دیتے ہیں کہ طول یا عرض میں شق ہو جاتا ہے، مگر وہ ٹکڑا کان ہی میں لگا رہتا ہے، جدا نہیں ہوتا............ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے جواباً ارشاد فرمایا: ''بلاشبہہ جائز ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔''[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

---

[1] فتاوی عالمگیری، ج5، ص298

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص458

''اور جس کے کان یا دم یا چکی کٹے ہوں، یعنی وہ عضو تہائی سے زیادہ کٹا ہو، ان سب کی قربانی ناجائز ہے اور اگر کان یا دم یا چکی تہائی یا اس سے کم کٹی ہو، تو جائز ہے۔''[1]

سوال: دم کٹنے میں جو ایک تہائی سے زیادہ کٹ جانے پر قربانی نہ ہونے کا حکم ہے تو یہ بتائیے کہ اس کی مقدار کا اعتبار کہاں سے کریں گے، آیا اس مقدار میں دم کے لٹکتے ہوئے بال بھی شامل ہیں یا نہیں یعنی اگر جانور کی دم کا کچھ حصہ کٹا اور بقیہ لٹکتے بال کٹے کہ اگر دونوں کو جمع کر کے دیکھا جائے، تو تہائی سے زیادہ مقدار بن جاتی ہو اور اگر بالوں کو شامل نہ کیا جائے بلکہ صرف دم کا گوشت ہی شمار کیا جائے، تو وہ تہائی سے کم ہو، تو کیا اس صورت میں جانور کی قربانی ہو سکے گی یا نہیں؟

جواب: جانور کی دم کٹنے میں جو مانع قربانی مقدار بیان کی جاتی ہے، اس میں لٹکتے ہوئے بال شامل نہیں، لہٰذا وہ جانور جس کی دم کے گوشت کا کچھ حصہ کٹا اور ساتھ میں لٹکتے ہوئے بال کٹ گئے کہ اگر بالوں کو شامل کر کے دیکھیں، تو تہائی سے زیادہ مقدار بنتی ہو اور اگر بالوں کو شامل نہ کریں بلکہ فقط دم کا گوشت ہی شمار کیا جائے، تو تہائی سے کم مقدار بنتی ہو، اس جانور کی قربانی ہو جائے گی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

لا یعتبر الشعر المسترسل مع الذنب فی المانع

ترجمہ: (قربانی سے) مانع مقدار میں دم کے ساتھ لٹکتے بالوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔[2]

سوال: ایک جانور ہے جس کے دو، تین دانت ٹوٹے ہوئے ہیں لیکن چارہ کھا سکتا ہو تو

---

[1] بہار شریعت ج 3، ص 341

[2] فتاوی عالمگیری، کتاب الاضحیۃ، الباب التاسع فی المتفرقات، ج 5، ص 307

اس جانور کی قربانی کرنے کے حوالے سے کیا حکم ہوگا؟

جواب: ایسے جانور کی قربانی کرنا جائز ہے، کیونکہ اگرکسی جانور کے کچھ دانت نہ ہوں، لیکن اتنے دانت سلامت ہوں کہ جن سے وہ خود چارہ کھا سکے، تو اُس جانور کی قربانی جائز تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ دوسرا بے عیب جانور لیں کہ چھوٹے عیب سے بھی سالم جانور مستحب ہے۔

ہدایہ شریف میں ہے:

ان بقی مایمکن الاعتلاف به اجزأه لحصول المقصود

ترجمہ: اگراتنے دانت باقی ہیں، جن کے ساتھ وہ چارہ کھا سکتا ہے، تومقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے اُس جانور کی قربانی جائز ہے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

ان بقی من الاسنان قدر ما تعتلف جاز والافلا

ترجمہ: اگراتنے دانت ہوں، جن سے چارہ کھا سکے، تو اُس کی قربانی جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔[1]

سوال: کیا گابھن جانور گائے، بھینس، بکری یا بھیڑ وغیرہ کی قربانی جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! گابھن جانور کی قربانی جائز تو ہے لیکن شریعت نے اسے ناپسند فرمایا یعنی اگرکوئی کرے گا تو ہو جائے گی مگر ناپسندیدہ ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''گابھن کی قربانی اگرچہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے، حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی''۔[2]

---

[1] (عالمگیری مع فتاوی قاضی خان، ج3، ص353 مطبوعہ کوئٹہ)

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص370

سوال: اگر قربانی کے جانور کے پیٹ سے بچہ نکل آئے تو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: اگر قربانی کے جانور کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلا تو اسے بھی زندہ ذبح کر دے۔ اور اگر مرا ہوا نکلا تو اسے پھینک دے کہ مردار ہے۔ قربانی ہو جائے گی اور گوشت میں بھی کسی قسم کی کراہیت نہیں ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فان ولدت ولدا ذبحها و ولدها معها

ترجمہ: پس اگر جانور (جس کو ذبح کیا جا رہا ہے) نے بچہ جن دیا تو اس جانور اور اسکے بچے کو اکٹھا ذبح کر دیا جائے گا۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی کی اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہے تو اسے بھی ذبح کر دے اور اسے صرف میں لا سکتا ہے اور مرا ہوا بچہ ہو تو اسے پھینک دے مردار ہے''۔[2]

سوال: قربانی کے لئے گابھن جانور خریدا اور قربانی سے پہلے ہی اس کے پیٹ سے بچہ نکل آیا تو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: قربانی کے جانور کے قربانی کرنے سے پہلے بچہ پیدا ہوا تو اسے بھی ذبح کر دیا جائے اور اگر ذبح نہ کیا اور بیچ دیا تو اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے اور اگر نہ ذبح کیا گیا اور نہ ہی بیچا گیا اور ایامِ نحر گزر گئے تو اس کو زندہ صدقہ کر دیا جائے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فان ولدت ولدا ذبحها وولدها معها.......و فی المنتقی وان باع الولد فی ایام الاضحی یتصدق بثمنه فان لم یبعه ولم یذبحه حتی

---

[1] عالمگیری، ج5، ص301

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص348

مضت ایام النحر فعلیه ان یتصدق بالولد حیا

ترجمہ: اگر جانور نے بچہ جن دیا تو اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ذبح کر دے۔ اور منتقیٰ میں یہ ہے کہ: اور اگر انہی دنوں بچہ فروخت کر دیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے اور اگر نہ تو ذبح کیا اور نہ ہی بیچا حتیٰ کہ ایام نحر گزر گئے تو اس پر لازم ہے کہ زندہ کو ہی صدقہ کرے۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی کے لئے جانور خریدا تھا قربانی کرنے سے پہلے اس کے بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو بھی ذبح کر ڈالے اور اگر بچہ کو بیچ ڈالا تو اس کا ثمن صدقہ کر دے اور اگر نہ ذبح کیا نہ بیع کیا اور ایام نحر گزر گئے تو اس کو زندہ صدقہ کر دے اور اگر کچھ نہ کیا اور بچہ اس کے یہاں رہا اور قربانی کا زمانہ آ گیا یہ چاہتا ہے کہ اس سال کی قربانی میں اسی کو ذبح کرے یہ نہیں کر سکتا اور اگر قربانی اسی کی کر دی تو دوسری قربانی پھر کرے کہ وہ قربانی نہیں ہوئی اور وہ بچہ ذبح کیا ہوا صدقہ کر دے بلکہ ذبح سے جو کچھ اس کی قیمت میں کمی ہوئی اسے بھی صدقہ کرے''۔[2]

سوال: اگر کسی جانور گائے یا بکری وغیرہ میں ذبح کے بعد اختلاف واقع ہو جائے کہ یہ بوقتِ ذبح زندہ بھی تھی یا مر چکی تھی بعض کہیں کہ مر چکی تھی اور بعض کہیں کہ زندہ تھی تو کیا اس کا کھانا جائز ہوگا؟

جواب: اس صورت میں بوقتِ ذبح ایسی گائے یا بکری سے خون کا نکلنا اگر ایسا ہو جیسے زندہ سے نکلتا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اسی طرح اگر کوئی ایسی حرکت پائی گئی جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو تو حلال ہے مثلاً آنکھ کھلی تھی بند کر لی، یا بال کھڑے

---

[1] عالمگیری، ج5، ص 301)

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 347

ہوگئے یا پاؤں سمیٹ لئے تو حلال ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وان ذبح شاة او بقرة فخرج منها دم ولم تتحرك وخروجه مثل مایخرج من الحی اکلت عند ابی حنیفه رحمه الله تعالیٰ وبه ناخذ رجل ذبح شاة مریضة فلم یتحرك منها الا فوها ان فتحت فاها لا تؤکل وان ضمته اکلت

''اور اگر بکری یا گائے ذبح کی، اس کا خون تو نکلا لیکن اس نے حرکت نہیں کی اگر تو خون کا نکلنا ایسا تھا جیسے زندہ سے نکلتا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہے۔ اسی سے ہم نے یہ جزئیہ اخذ کیا کہ اگر کسی نے بیمار بکری ذبح کی اور اس کے منہ کے علاوہ کوئی حرکت نہ ہوئی، اگر تو اس نے منہ کھولا ہو تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر منہ بند کیا ہو تو کھایا جائے گا (یعنی حلال ہے''۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''ذبح ہوتے وقت بھینس کا زندہ ہونا خود معلوم تھا، یا ذبح کے بعد وہ تڑپی، یا ایسا خون دیا جیسا زندہ جانور سے نکلتا ہے، یا اور کوئی علامت زندہ کی پائی گئی، مثلاً منہ یا آنکھ بند کی یا پاؤں سمیٹے یا بدن کے بال کھڑے ہوئے تو وہ حلال ہے اور کھانا جائز، اور قصاب پر دس روپے واجب، اور اگر وقت ذبح اس کا زندہ ہونا تحقیق نہ تھا، نہ بعد کوئی علامت زندگی کی پائی گئی نہ ایسا خون نکلا، نہ وہ حرکت کی، بلکہ بالکل ساکن رہی، یا منہ یا آنکھ کھل گئی، یا پاؤں پھیل گیا، یا بال بچھ گئے، تو بھینس حرام ہے، اور قصاب پر ایک پیسہ بھی واجب نہیں''۔[2]

---

[1] عالمگیری، ج5، ص286

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص305

بہارِ شریعت میں ہے:

''جس جانور کو ذبح کیا جائے وہ وقت ذبح زندہ ہو اگرچہ اس کی حیات کا تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہو۔ ذبح کے بعد خون نکلنا یا جانور میں حرکت پیدا ہونا یوں ضروری ہے کہ اس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہوتا ہے......بکری ذبح کی اور خون نکلا مگر اس میں حرکت پیدا نہ ہوئی اگر وہ ایسا خون ہے جیسے زندہ جانور میں ہوتا ہے حلال ہے۔

بیمار بکری ذبح کی صرف اس کے منہ کو حرکت ہوئی اور اگر وہ حرکت یہ ہے کہ منہ کھول دیا تو حرام ہے اور بند کرلیا تو حلال ہے اور آنکھیں کھول دیں تو حرام اور بند کر لیں تو حلال اور پاؤں پھیلا دیئے تو حرام اور سمیٹ لئے تو حلال اور بال کھڑے نہ ہوئے تو حرام اور کھڑے ہو گئے تو حلال یعنی اگر صحیح طور پر اس کے زندہ ہونے کا علم نہ ہو تو ان علامتوں سے کام لیا جائے اور اگر زندہ ہونا یقینا معلوم ہے تو ان چیزوں کا خیال نہیں کیا جائے گا بہرحال جانور حلال سمجھا جائے گا''۔[1]

سوال: کیا دودھ دینے والے جانور کی قربانی جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! جائز تو ہے لیکن گابھن جانور کی قربانی کی طرح اسے بھی شریعت نے ناپسند فرمایا ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''دودھ کے جانور......کی قربانی اگرچہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے، حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی۔''[2]

سوال: اگر کسی نے قربانی کے لئے گائے خریدی اور وہ دودھ بھی دیتی ہو تو اس دودھ کا کیا کرے؟

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص314

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص370

جواب: قربانی والے جانور کا دودھ دوہنا مکروہ وممنوع ہے۔اگر جانور دودھ والا ہے تو اس کے تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑکیں کہ دودھ خشک ہوجائے اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو اس جانور کا دودھ دوہ کر صدقہ کردیں۔

دُرمختار میں ہے:

ویکرہ الانتفاع بلبنها قبله

اور جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اس کے دودھ سے نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وان کان فی ضرعها لبن ویخاف ینضح ضرعها بالماء البارد فان قلص والا حلب وتصدق

اور اگر جانور کے تھنوں میں دودھ ہے۔اور اس کے نکلنے کا خوف ہے۔تو اس جانور کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑکے اگر تو تھن خشک ہوجائیں تو ٹھیک ورنہ اس کا دودھ دوہے اور اسکو صدقہ کردے۔[2]

سوال: ایسی گائے کہ جس میں قربانی کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں لیکن اس کا ایک تھن خشک ہوجائے اور اس میں سے دودھ نہ آتا ہو، لیکن بقیہ تین تھنوں سے دودھ آتا ہو، اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسی گائے یا بھینس کہ جس میں قربانی کی دیگر تمام شرائط پائی جائیں صرف ایک تھن خشک ہوجائے، بقیہ تین تھن ٹھیک ہوں، ان سے دودھ آتا ہو اس کی قربانی جائز ہے، لیکن بہتر نہیں، کیونکہ مستحب یہ ہے کہ قربانی کے لیے ایسا جانور قربان کیا جائے جس میں معمولی سا بھی عیب نہ ہو۔

---

[1] دُرمختار، ج9، ص476

[2] عالمگیری، ج5، ص301

ردالمحتار میں ہے:

فی الشاۃ والمعز اذا لم یکن لھما احدی حلمتیھما خلقۃ او ذھبت بآفۃ وبقیت واحدۃ لم یجز وفی الابل والبقر ان ذھبت واحدۃ یجوز او اثنتان لا، وذکر فیھا جواز التی لا ینزل لھا لبن من غیر علۃ وفی التتارخانیۃ والشطور لا تجزئ، وھی من الشاۃ ما قطع اللبن عن احدی ضرعیھا ومن الابل والبقر ما قطع من ضرعیھا، لان لکل واحد منھما اربع اضرع

ترجمہ: اگر بکری اور بھیڑ کے دو تھنوں میں سے ایک تھن پیدائشی نہ ہو یا کسی آفت کی وجہ سے ضائع ہوجائے اور ایک باقی ہو، تو اس کی قربانی جائز نہیں، (البتہ) اونٹ اور گائے کا ایک تھن ضائع ہوجائے، تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر دو ضائع ہوجائیں، تو جائز نہیں اور خلاصہ میں ایسے جانور کی قربانی جائز ہونے کا ذکر ہے، جس کا دودھ بغیر کسی بیماری کے نہیں اترتا اور تتارخانیہ میں ہے: شطور کی قربانی جائز نہیں، شطور بکریوں میں اس کو کہتے ہیں جس کے دو تھنوں میں سے ایک سے دودھ آنا منقطع ہوجائے، جبکہ اونٹ اور گائے میں سے اس کو کہتے ہیں جس کے دو تھنوں میں سے دودھ آنا ختم ہوجائے، کیونکہ اونٹ اور گائے کے چار تھن ہوتے ہیں۔''[1]

گائے بھینس اور بکری میں کتنے تھن خشک ہوں تو قربانی جائز ہے

اور یہ بات بھی یاد رہے کہ گائے، بھینس میں اگر کسی کے دو تھن خشک ہو چکے

---

[1] ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، جلد 9، صفحہ 538

ہوں تو اس کی قربانی جائز نہ ہوگی اور بکری، بھیڑ میں قربانی ناجائز ہونے کے لیے صرف ایک کا خشک ہونا ہی کافی ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''جس کے تھن کٹے ہوں یا خشک ہوں، اس کی قربانی ناجائز ہے۔ بکری میں ایک کا خشک ہونا، ناجائز ہونے کے لیے کافی ہے اور گائے بھینس میں دو خشک ہوں، تو ناجائز ہے''۔[1]

سوال: ذبح سے پہلے قربانی کے جانور کی اُون استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی سے پہلے جانور کی اُون سے انتفاع بھی مکروہ ہے۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:''

وکرہ جزصوفھا قبل الذبح لینتفع بہ

یعنی ذبح سے پہلے نفع لینے کے لئے جانور کی اُون کا کاٹنا مکروہ ہے۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''ذبح سے پہلے قربانی کے جانور کے بال اپنے کسی کام کے لئے کاٹ لینا یا اس کا دودھ دوہنا مکروہ وممنوع ہے''۔[3]

سوال: ذبح سے قبل اگر قربانی کے جانور کی اُون کاٹ لی یا دودھ دوھ لیا تو کیا کیا جائے؟

جواب: ذبح سے قبل اگر قربانی کے جانور کی اُون کاٹ لی یا دودھ دوھ لیا تو اسے صدقہ کر دیا جائے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

---

[1] بہار شریعت، حصہ 15، صفحہ 341

[2] دُر مختار، ج 9، ص 475

[3] بہارِ شریعت، ج 3، حصہ 15، ص 347

''اگر اس نے اون کاٹ لی یا دودھ دوہ لیا تو اسے صدقہ کر دے''۔[1]

سوال: دودھ والے قربانی کے جانور کے دودھ اور اسی طرح اُون کو اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت کی شریعت میں کیا حکمت ہے؟

جواب: جانور کو قربان کرنے سے پہلے اس کے دودھ اور اُون سے انتفاع سے ممانعت اس لئے ہے کیونکہ قربانی کرنے والے نے اس جانور کو اس کے تمام اجزاء سمیت اپنے اوپر قربت کے لئے لازم قرار دیا ہے لہذا اس جانور کو جمیع اجزاء سمیت قربان کرنا لازم ہے۔

دُرمختار میں ہے:

لانه التزم اقامة القربة بجميع اجزائها

''یعنی (قربانی سے قبل اس جانور کے دودھ اور اُون سے انتفاع اس لئے مکروہ ہے) کیونکہ اس نے اس جانور کو جمیع اجزاء سمیت قربت کے لئے لازم بنایا ہے''۔[2]

سوال: کیا جانور ذبح کرنے کے بعد بھی اس کے بال، اُون وغیرہ اپنے استعمال میں نہیں لا سکتے؟

جواب: جانور ذبح کرنے کے بعد اسکے بالوں اور اُون کو کاٹ کر اپنے استعمال میں لایا جا سکتا ہے اور اسی طرح اس کے تھنوں میں اگر اس وقت دودھ ہو تو دوہ سکتے ہیں اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں کیونکہ جانور سے جو مقصود تھا وہ پورا ہو چکا ہے لہذا اب یہ اس کی ملک ہے اپنے صرف میں لا سکتا ہے اور کسی کو دینا چاہے تو دے بھی سکتا ہے۔ البتہ بیچ نہیں سکتا ہے اگر بیچ دیا تو پھر رقم صدقہ کرنا ہو گی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

---

[1] بہارِ شریعت، ج 3، حصہ 15، ص 347

[2] دُرمختار، ج 9، ص 476

واذا ذبحها فی وقتها جازله أن یحلب لبنها ویجزصوفها وینتفع به لان القربة به أقیمت بالذبح والانتفاع بعداقامة القربة مطلق کالاکل کذافی المحیط

اور جب جانور کو قربانی کے وقت میں ذبح کرلیا تو اس کا دودھ دوہنا اور اُون کاٹنا جائز ہے اور اس سے نفع لینا بھی جائز ہے کیونکہ ذبح کرنے سے قربت قائم ہوگئی اور قربت قائم ہونے کے بعد اس سے نفع حاصل کرنا مطلق ہے جیسے گوشت کھانا (یعنی جس طرح اس کا گوشت کھانا حلال ہے اسی طرح دیگر حلال چیزیں بھی کھا سکتے ہیں اور ان سے نفع لے سکتے ہیں) ایسے ہی محیط میں ہے۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''جانور ذبح ہوگیا تو اب اس کے بال کو اپنے کام کے لئے کاٹ سکتا ہے اور اگر اس کے تھن میں دودھ ہے تو دوہ سکتا ہے کہ جو مقصود تھا وہ پورا ہوگیا اب یہ اس کی ملک ہے اپنے صرف میں لاسکتا ہے''۔[2]

سوال: جانور اگر دودھ والا ہے تو کیا قصداً اس کا دودھ دوہ کر صدقہ کر سکتے ہیں؟

جواب: فقہائے اسلام فرماتے ہیں کہ جانور اگر دودھ والا ہو تو اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑکیں کہ دودھ خشک ہوجائے اور اگر اس سے کام نہ چلے تو اس کا دودھ دوہ کر صدقہ کردیا جائے کہ شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وان کان فی ضرعها لبن ویخاف ینضح ضرعها بالماء البارد فان قلص والا حلب وتصدق ویکره رکوبها واستعمالها

ترجمہ: اور اگر اس کے تھنوں میں دودھ ہو تو ٹھنڈا پانی چھڑک کے اگر خشک ہوجائے تو

---

[1] عالمگیری، ج5، ص301

[2] بہارشریعت، ج3، حصہ15، ص347

فبہا ورنہ دوہ کر صدقہ کر دے اس کا رکھنا اور استعمال کرنا مکروہ ہے''۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''جانور دودھ والا ہے تو اس کے تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑکے کہ دودھ خشک ہو جائے اگر اس سے کام نہ چلے تو جانور کو دوہ کر دودھ صدقہ کرے''۔[2]

سوال: قربانی کے جانور پر سوار ہونا یا اسے اُجرت پر دینا کیسا ہے؟

جواب: قربانی کے جانور پر سوار ہونا یا اسے اُجرت پر دینا منع ہے اور اگر کسی نے اجرت لے لی تو اس پر لازم ہے کہ اس کو صدقہ کر دے۔ اور اگر کرایہ پر تو نہیں دیا لیکن اپنے استعمال میں لایا سامان اٹھایا، ہل چلوایا وغیرہ تو اجرتِ مثل صدقہ کرنی ہوگی۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

و لا یرکبھا و لا یحمل علیھا شیئاً و لایؤجرھا فان فعل تصدق باالاجرۃ

یعنی نہ تو قربانی کے جانور پر سوار ہو اور نہ اس پر کوئی چیز لادے اور نہ ہی اس جانور کو اجرت پر دے لیکن اگر اس نے اس کے خلاف کیا تو اگر اس کی اجرت لی ہو تو اس کا صدقہ کرے۔[3]

بہارِ شریعت میں ہے:

''اور قربانی کے جانور پر سوار ہونا یا اس پر کوئی چیز لادنا یا اس کو اجرت پر دینا غرض اس سے منافع حاصل کرنا منع ہے......اور اجرت پر جانور کو دیا ہے تو اجرت کو صدقہ کرے اور اگر خود سوار ہوا یا اس پر کوئی چیز لادی تو اس کی وجہ سے جانور میں

---

[1] عالمگیری، ج5، ص301

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ15، ص347

[3] دُرمختار مع ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ، ج9، ص475

جو کچھ کمی آئی اتنی مقدار میں صدقہ کرے''۔[1]

سوال: جانور ذبح کرتے وقت جو بہتا ہوا خون نکلتا ہے، کیا وہ ناپاک ہوتا ہے؟

جواب: جانور ذبح کرتے وقت جو بہتا ہو خون نکلتا ہے وہ ناپاک ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ رَّجِیْمٌ[2]

ترجمہ: تم فرماؤ: میری طرف جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے پر میں کوئی کھانا حرام نہیں پاتا، مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں میں بہنے والا خون ہو یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''خشکی کے ہر جانور کا بہتا خون مردار کا گوشت اور چربی .... یہ سب نجاستِ غلیظہ ہیں۔''[3]

❀ ❀ ❀

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 347

[2] پارہ 8، سورۃ الانعام، آیت 145

[3] بہارِ شریعت، ج1، ص390 تا 391

چھٹا باب:

گوشت کی تقسیم

سوال: سات حصوں والے جانور میں اگر شرکت کر کے قربانی کی گئی تو اس کے گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے گی؟

جواب: شرکت میں گائے کی قربانی کی گئی تو ضروری ہے کہ گوشت تمام حصہ داروں میں وزن کر کے برابر تقسیم کیا جائے، اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں کہ گوشت وزنی اشیاء میں سے ہے، اور بخوشی ایک دوسرے کو کم زیادہ معاف کر دینا بھی کافی نہیں۔ کیونکہ اندازے سے تقسیم کرنے میں ''مبادلۃ المال بالمال'' یعنی بیع کے معنی پائے جاتے ہیں، اگرچہ حصہ داروں میں سے بعض، بعض دوسروں کو زیادہ جانے والا گوشت معاف کر دیں۔

اور بدائع میں اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ گوشت اموالِ ربا (یعنی سودی اموال) میں سے ہے اور اس میں معنیٰ ربا بھی پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں سے ایک دوسرے کو زیادتی کا مالک بنانا بھی جائز نہیں۔

تنویر الابصار میں ہے:

ویقسم اللحم وزناً لاجزافاً

یعنی شرکت پر قربانی کی جائے تو گوشت کو باعتبارِ وزن کے تقسیم کیا جائے نہ کہ اندازے سے۔

مذکورہ عبارت کے تحت ردالمحتار میں ہے:

واما عدم جواز القسمة مجازفة فلان فیها معنی التملیك واللحم من اموال الربا فلا یجوز تملیکه مجازفة و اما عدم جواز التحلیل فلأن الربالایحتمل الحل بالتحلیل، ولأنه فی معنی الهبة وهبة المشاع فیما یحتمل القسمة لایصح اھ

یعنی اور بہرحال اندازے سے گوشت کو تقسیم کرنے کا عدمِ جواز اس وجہ سے ہے کہ اس میں تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں اور گوشت اموالِ ربا میں سے ہے تو اس کو اندازے سے مالک بنانا جائز نہیں۔ اور حیلے کا عدمِ جواز (یعنی اگر حیلہ کرتے ہوئے کمی بیشی کو ایک دوسرے کے لئے حلال کر دیں تو بھی جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) ربا (سود) حیلے کے ذریعے حلت کا احتمال نہیں رکھتا، اور اس وجہ سے بھی کہ اس کے میں ہبہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور ایسی مشاع چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں جو کہ قابل تقسیم ہو۔[1]

البنایہ فی شرح الھدایہ میں ہے:

واذاجازذبح الاضحیة علی الشرکة فقسمة لحمهالایکون الابالوزن، لانه موزون ای لان اللحم موزون ولواقتسمواجزافاً لایجوزلان فی القسمة معنی التملیك فلم تجزمجازفة عندوجودالجنس والوزن لاحتمال الربا

اور جب قربانی کے جانور کو ذبح کرنا بطورِ شرکت کے جائز ہے تو ایسے میں گوشت کی تقسیم کاری بھی صرف وزن کے ساتھ ہوگی کیونکہ گوشت کا شمار وزن والی چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر شرکاء اندازے سے تقسیم کاری کریں تو وہ جائز نہ ہوگی کیونکہ تقسیم کاری کے ذریعے مالک بنانا ہوتا ہے اور وہ (تقسیم کاری) جب جنس

---

[1] ردالمحتار مع درمختار، ج9، ص460

اور وزن دونوں پائیں جائیں اندازے سے جائز نہیں ہوتی کیونکہ اس صورت میں سود کا احتمال موجود ہوتا ہے۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''شرکت میں گائے کی قربانی ہوئی تو ضروری ہے کہ گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہ ہو کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو زائد یا کم ملے اور یہ ناجائز ہے یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ کم وبیش ہوگا تو ہر ایک اس کو دوسرے کے لئے جائز کردے گا کہہ دے گا کہ اگر کسی کو زائد پہنچا گیا ہے تو معاف کیا کہ یہاں عدم جواز حق شرع ہے اور ان کو اس کے معاف کرنے کا حق نہیں۔''[2]

سوال: کیا مشقت اور گناہ سے بچنے کے لئے کوئی ایسی صورت بھی ممکن ہے کہ اندازے سے ہی گوشت تقسیم کردیا جائے؟

جواب: اگر شرکاء وزن کرنے کی مشقت سے بچنا چاہتے ہوں تو اندازے سے گوشت کو تقسیم کرنے کی ان دو صورتوں میں سے کسی پر عمل کر کے گناہ سے بچ سکتے ہیں جو علمائے کرام نے بیان فرمائیں ہیں۔

(1) ذبح کے بعد اس گائے کا سارا گوشت ایک ایسے بالغ مسلمان کو ہبہ (یعنی تحفۃ مالک) کردیں جو ان کی قربانی میں شریک نہ ہو اور اب وہ اندازے سے سب میں تقسیم کرسکتا ہے۔ کیونکہ ان سب نے ایک ایسے شخص کو اپنے اپنے حصے کا مالک کردیا جو ان میں سے نہیں ہے اور جب ان کی ملکیت سے گوشت نکل گیا اور دوسرا شخص اس کا مالک ہوگیا تو وہ اپنی مرضی سے اپنی ملکیت میں سے جسے جتنا چاہے دے سکتا ہے خواہ کسی کو کم دے یا کسی کو زیادہ دے اسی کی مرضی پر موقوف ہوگا۔

---

[1] البنایہ، کتاب الاضحیۃ، ج11، ص20

[2] بہار شریعت، ج2، حصہ15، ص335

قوانینِ شرعیہ کی رُو سے اگر مشاع قابلِ قسمت کو تمام شریک ایک ساتھ یا الگ الگ کسی ایک اجنبی کو ہبہ کر دیں، مگر اس پر قبضہ ایک ساتھ کرا دیں تو ہبہ درست ہو جائے گا۔

ہدایہ میں ہے:

واذا وهب اثنان من واحد دارا جاز لانهما سلما ها جملة وهو قد قبضها جملة فلا شيوع

یعنی اور جب دونوں شریک کسی کو پورا گھر ہبہ کر دیں تو جائز ہے کیونکہ دونوں نے پورے گھر کو ایک ساتھ حوالے کر دیا اور اس نے پورے پر قبضہ بھی کر لیا تو اس میں کوئی شیوع نہیں پایا گیا۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''بالجملہ اگر شیوع صرف وقت عقد ہو نہ وقت قبضہ جیسے دو شخص اپنا مکان مشترک جس میں تیسرا شریک نہیں، شخص واحد کو ہبہ کر کے ایک ساتھ قبضہ دیدیں، یہ صورت بالاجماع جائز ہے، کنز و تنویر و عامۂ متون میں ہے:

وهب اثنان دارا لواحد صح[2]

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ گوشت تقسیم کرتے وقت اس میں کوئی دوسری جنس (مثلاً کلیجی، مغز وغیرہ) شامل کی جائے تو بھی اندازے سے تقسیم کر سکتے ہیں کیونکہ جنس گوشت اب دوسری جنس (کلیجی وغیرہ) کے ساتھ مل گیا (تو اب ایک جنس کو دوسری جنس کے بدلے دینے کی وجہ سے معنی ربا نہیں ہوں گے کیونکہ اب بدلے میں مختلف اجناس ہیں نہ کہ صرف ایک جنس کا تبادلہ اسی کی مثل جنس سے، لہٰذا جائز ہو گا۔

---

[1] هدايه، ج3، ص289

[2] فتاوى رضويه، ج19، ص372

تنویر الابصار و درمختار وغیرہا میں ہے:

ویقسم اللحم وزناً لاجزافاً الاضم معه من الاکارع اوالجلد صرفاً للجنس لخلاف جنسه

یعنی گوشت کو وزن کر کے تقسیم کیا جائے گا اندازے سے نہیں کر سکتے مگر یہ کہ اس گوشت کے ساتھ، کلیجی، دِل، کھال وغیرہ ملا دیئے جائیں تو اندازے سے بیچنا بھی جائز ہے۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے:

بان یکون مع احدهما بعض اللحم مع الاکارع ومع البعض الآخر مع الجلد

یعنی اس طرح کہ ان میں سے ایک کے کچھ گوشت کے ساتھ دوسری اجناس کلیجی، دِل وغیرہ ہوں گے اور دوسرے کے کچھ گوشت کے ساتھ کھال ہوگی (یعنی گوشت کے ساتھ مختلف اجناس کے مل جانے سے ایک دوسرے کے حصے میں کمی زیادتی ہونے کی وجہ سے معنیً ربا نہیں ہوں گے۔''[1]

البنایہ فی شرح الھدایہ میں ہے:

الااذاکان معه ای احدالشرکاء شئی من الاکارع والجلد فحینئذ یجوز لکون بعض اللحم مع الاکارع ومع الاخر البعض مع الجلد حتی یصرف الجنس الی الجنس اعتباراً بالبیع ای قیاساً علی البیع یعنی الجنس بالجنس مجازفة لایجوزالااذاکان مع کل واحد من العوضین شئی خلاف ذلك لجنس حتی یصرف الجنس الی خلافه کمالوباع احد عشر درهماً بعشرة دراهم

یعنی اندازے سے حصے تقسیم کرنا اس وقت جائز ہے جب شرکاء میں سے کسی

---

[1] درمختار مع ردالمحتار، ج9، ص460

کے حصے کے ساتھ دوسرے اجزاء جو جنس گوشت سے نہیں مثلاً کلیجی اور کھال وغیرہ ایک کے کچھ گوشت کے ساتھ کلیجی اور دوسرے کے گوشت کے ساتھ کھال ہونے کی وجہ سے تاکہ جنس کو جنس کی طرف پھیرا جائے بیع پر قیاس کرتے ہوئے یعنی ایک جنس کی شے کو اسی جنس کی شے کے ساتھ اندازے سے بیچنا جائز نہیں سوائے یہ کہ جب دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ کسی دوسری جنس کی چیز کو ملا دیا جائے تاکہ اس جنس کو اس کے خلاف دوسری جنس کی طرف پھیر دیا جائے جیسا کہ اگر کسی نے گیارہ درہموں کی دس درہموں کے بدلے میں بیع کی۔"[1]

نوٹ: عرفِ عام میں کلیجی، تلی، سری پائے وغیرہ کو گوشت نہیں کہا جاتا یوں یہ گوشت کے علاوہ کی جنس ہوئی لہٰذا اگر کلیجی یا دل یا پائے وغیرہ کوئی ایک چیز بھی ٹکڑے کر کے یا یوں ہی گوشت میں شامل کر دیں گے تو اندازے سے تقسیم کرنا جائز ہو جائے گا۔

سوال: اگر سب حصہ دار ایک ہی گھر کے ہوں اور وہ اپنا اپنا حصہ لینا نہ چاہتے ہوں بلکہ مل کر کھانا چاہتے ہیں تو کیا ان کے مابین بھی وزن سے تقسیم کرنا ضروری ہے؟

جواب: اگر سب ایک ہی گھر میں رہتے ہیں کہ مل کر ہی بانٹیں گے اور کھائیں گے یا شرکاء اپنا اپنا حصہ لینا نہیں چاہتے، ایسی صورت میں وزن کرنے کی حاجت نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

ولو اشترٰی لنفسه ولزوجه واولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أولا والظاهر انها لا تشترط لان المقصود منها الاراقة وقد حصلت

"اور اگر کسی نے اپنے لیے اور اپنی زوجہ اور اپنی بالغ اولاد کے لیے بدنة

[1] البنایہ فی شرح الہدایہ، ج11، ص21

(یعنی قربانی کا بڑا جانور خریدا) اور قربانی کے بعد گوشت کو تقسیم نہ کیا تو یا یہ درست ہے یا نہیں؟ تو ظاہر یہی ہے کہ تقسیم کرنا یہاں شرط نہیں۔ کیونکہ قربانی سے مقصود اراقۃ الدم (یعنی خون کا بہانا) تھا اور وہ حاصل ہو چکا (لہٰذا تقسیم کرنا شرط نہیں)''۔[1]

سوال: قربانی کے گوشت کو کتنے حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے؟

جواب: قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے ایک حصہ فقراء کے لئے اور ایک حصہ دوست احباب کے لئے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے۔

درمختار میں ہے:

قال فی البدائع والافضل ان یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافۃ لاقربائہ واصدقائہ ویدخر الثلث۔ ویستحب ان یاکل منھا

''بدائع الصنائع میں فرمایا کہ افضل یہ ہے کہ (قربانی کے گوشت کا) تہائی (1 / 3) حصہ صدقہ کرے، اور تہائی حصے سے اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کی مہمان نوازی کرے، اور تہائی حصہ گھر میں جمع کر کے رکھے، اور مستحب یہ ہے کہ اس میں سے خود بھی کھائے۔''[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے، اور دوسرے شخص غنی یا فقیر کو دے سکتا ہے؛ کھلا سکتا ہے، بلکہ اس میں سے کچھ کھا لینا قربانی کرنیوالے کے لئے مستحب ہے۔

بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے: ایک حصہ فقراء کے لئے؛ اور ایک حصہ دوست احباب کے لئے؛ اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے۔ ایک تہائی سے

---

[1] ردالمحتار، ج9، ص460

[2] ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ، ج9، ص474

کم صدقہ نہ کرے۔"[1]

سوال: کیا قربانی کا سارا گوشت صدقہ کیا جاسکتا ہے یا گھر میں رکھا جاسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! قربانی کے تمام گوشت کو صدقہ کردینا بھی جائز ہے اور اسی طرح سارا گوشت گھر ہی میں رکھ لینا بھی جائز ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے تین حصے کئے جائیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو تصدق بكل جاز ولوحبس الكل لنفسه جاز

اوراگر تمام گوشت صدقہ کردیا تو جائز ہے اوراگر تمام گوشت اپنے لئے رکھ لیا تو بھی جائز ہے۔"[2]

ردالمحتار میں ہے:

لوحبس الكل لنفسه جاز لان القربة فى الاراقة والتصدق باللحم تطوع

اوراگر تمام کا تمام گوشت اپنے لئے روک کررکھ دیا تو بھی جائز ہے، کیونکہ قربت (قربانی کے جانور کا) خون بہانے میں ہے، اور گوشت کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔"[3]

بہارِشریعت میں ہے:

"اورکل کو صدقہ کردینا بھی جائز ہے، اورکل گھر ہی رکھ لے یہ بھی جائز ہے۔"[4]

سوال: میت کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

---

[1] بہارِشریعت، ج03، ص89

[2] عالمگیری، ج5، ص300

[3] ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ، ج9، ص474

[4] بہارِشریعت، ج03، حصہ15، ص89

جواب: میت کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کی تقسیم کا بھی وہی حکم ہے جو اپنی قربانی کے گوشت کا ہے کہ چاہے خود کھائے، کسی کو کھلائے یا صدقہ کرے اور اسمیں بھی مستحب یہ ہے کہ تین حصے کئے جائیں ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیز اقارب کے لئے اور ایک مساکین کے لئے۔

ہاں البتہ اگر میت نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے قربانی کرنا تو ایسی قربانی کا تمام گوشت صدقہ کر دیا جائے۔

ردالمحتار میں ہے:

من ضحی عن المیت یصنع کمایصنع فی اضحیة نفسه من التصدق والاکل والاجر للمیت والملك للذابح قال الصدر والمختار انه ان بامر المیت لایاکل منها والا یاکل بزازیة

جس نے میت کی طرف سے قربانی کی تو صدقہ اور کھانے میں اپنی ذاتی قربانی والا معاملہ کیا جائے اور اجر وثواب میت کے لئے ہوگا اور ملکیت ذبح کرنے والے کی ہوگی، اور صدر الشریعہ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ اگر (میت کی طرف سے) میت کی وصیت پر قربانی کی تو خود نہ کھائے ورنہ کھا سکتا ہے۔[1]

اور فتاوی رضویہ میں ہے:

''اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے، کہ کھانے، کھلانے، تصدق، سب کا اختیار ہے اور مستحب تین حصے ہیں، ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا۔ ہاں اگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے تو وہ سب تصدق کی جائے''۔[2]

سوال: کیا قربانی کے گوشت کو تین دن سے زائد بھی اپنے گھر میں رکھا جاسکتا ہے؟

---

[1] ردالمحتار، ج9، ص540

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص455

جواب: جی ہاں! تین دن سے زائد بھی اپنے یا اپنے گھر والوں کے کھانے کے لئے رکھ لینا جائز ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وله ان يدخرالكل لنفسه فوق ثلاثة ايام الاان اطعامها والتصدق بهاافضل الا ان يكون الرجل ذاعيال وغيرموسع الحال فان الافضل له حينئذ ان يدعه لعياله ويوسع عليهم

''یعنی قربانی کرنے والے کے لئے تین دن سے زائد سارا گوشت اپنے لئے رکھ لینا جائز ہے مگر کھلا دینا اور صدقہ کر دینا افضل ہے، البتہ اگر اس شخص کے اہل وعیال زیادہ ہوں اور یہ شخص صاحبِ وسعت نہ ہوتو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس وقت سارا گوشت اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ چھوڑے اور ان پر وسعت کرے۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''تین دن سے زائد اپنے اور گھر والوں کے کھانے کے لئے رکھ لینا بھی جائز ہے، اور بعض حدیثوں میں جو اس کی ممانعت میں آئی ہے، وہ منسوخ ہے، اگر اس شخص کے اہل وعیال بہت ہوں، اور صاحبِ وسعت نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ سارا گوشت اپنے بال بچوں کے لئے ہی رکھ چھوڑے۔[2]

سوال: کیا قربانی کا گوشت کسی کافر کو بھی دے سکتے ہیں؟

جواب: قربانی کا گوشت کافر کو دینا جائز نہیں ہے: جیسا کہ ''فتاوی رضویہ'' میں جب سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن سے اسی طرح کا ایک سوال ہوا تو آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے جواباً ارشاد فرمایا:

---

[1] فتاوی عالمگیری، ج5، ص300

[2] بہارِ شریعت، ج03، حصہ15، ص89

''یہاں کے کافروں کو (قربانی کا) گوشت دینا جائز نہیں، وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے:

وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ج [1]

ترجمہ: اور ستھریاں ستھروں کے لیے اور ستھرے ستھریوں کے لیے۔[2]

مفتی جلال الدین امجدی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''قربانی کا گوشت کافر کو دینا شرعاً جائز نہیں اور دے دیا تو گنہگار ہے، توبہ کرے۔ قربانی ہوجائے گی یعنی کافر کو گوشت دینے کے سبب قربانی کا اعادہ کرنا واجب نہیں''۔[3]

❀ ❀ ❀

---

[1] پ18، سورۃ النور، آیت 26

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص457

[3] فتاوی فیض الرسول، ج02، ص457

ساتواں باب:

ذبح کا بیان

سوال: ذَبح کسے کہتے ہیں؟

جواب: گلے میں چند رگیں ہیں انہیں کاٹنے کا نام ذَبح ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''گلے میں چند رگیں ہیں ان کے کاٹنے کو ذبح کہتے ہیں اور اس جانور کو جس کی وہ رگیں کاٹی گئیں ذبیحہ اور ذبح کہتے ہیں۔''[1]

سوال: کیا ہر جانور کو ذبح کیا جا سکتا ہے؟

جواب: بعض جانور ذَبح کئے جا سکتے ہیں اور بعض نہیں جیسے مچھلی اور ٹڈی بغیر ذِبح بھی حلال ہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''بعض جانور ذبح کئے جا سکتے ہیں بعض نہیں۔ جو شرعاً ذبح نہیں کئے جا سکتے ہیں ان میں یہ دو مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح حلال ہیں اور جو ذبح کئے جا سکتے ہیں وہ بغیر ذکاۃ شرعی حلال نہیں (درمختار) ذکاۃ شرعی کا یہ مطلب ہے کہ جانور کو اس طرح نحر یا ذبح کیا جائے کہ حلال ہو جائے۔

---

[1] بہار شریعت ج3، ص312

ذبح کی اقسام

ذکاۃ شرعی دو قسم ہے(۱) اختیاری اور (۲) اضطراری۔

ذکاۃ اختیاری کی دو قسمیں ہیں۔(۱) ذبح اور (۲) نحر۔

ذکاۃ اضطراری یہ ہے کہ جانور کے بدن میں کسی جگہ نیزہ وغیرہ بھونک کر خون نکال دیا جائے اس سے مخصوص صورتوں میں جانور حلال ہوتا ہے جو بیان کی جائیں گی۔

حلق کے آخری حصہ میں نیزہ وغیرہ بھونک کر (داخل کر کے) رگیں کاٹ دینے کو نحر کہتے ہیں۔

ذبح کی جگہ حلق اور لبہ کے مابین ہے لبہ سینہ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں۔

اونٹ کو نحر کرنا اور گائے بکری وغیرہ کو ذبح کرنا سنت ہے اور اگر اس کا عکس کیا یعنی اونٹ کو ذبح کیا اور گائے وغیرہ کو نحر کیا تو جانور اس صورت میں بھی حلال ہو جائے گا مگر ایسا کرنا مکروہ ہے کہ سنت کے خلاف ہے''۔[1]

خیال رہے کہ:

''ذبح اختیاری میں شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھے یہاں مذبوح پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے یعنی جس جانور کو ذبح کرنے کے لئے بسم اللہ پڑھی اسی کو ذبح کر سکتے ہیں دوسرا جانور اس تسمیہ سے حلال نہ ہوگا مثلاً بکری ذبح کرنے کے لئے لٹائی اور اس کے ذبح کرنے کو بسم اللہ پڑھی مگر اس کو ذبح نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ دوسری بکری ذبح کر دی یہ حلال نہیں ہوئی، یہ ضروری نہیں کہ جس چھری سے ذبح کرنا چاہتا تھا اور بسم اللہ پڑھ لی تو اسی سے ذبح کرے بلکہ دوسری چھری سے بھی ذبح کر سکتا ہے اور شکار کرنے میں آلہ پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے یعنی

---

[1] بہار شریعت ج 3، حصہ 15، ص 312

اسی آلہ سے شکار کرنا ہوگا دوسرے سے کرے گا حلال نہ ہوگا مثلاً تیر چھوڑنا چاہتا ہے اور بسم اللہ پڑھی مگراس کو رکھ دیا دوسرا تیر چلایا تو جانور حلال نہیں اور اگر جس جانور کو تیر سے مارنا چاہتا ہے اس کو تیر نہیں لگا دوسرا جانور اس تیر سے مارا تو یہ حلال ہے۔[1]

سوال: عوام میں یہ مشہور ہے کہ اونٹ کو تین جگہ سے نحر کرنا چاہیے کیا یہ درست ہے؟

جواب: جی نہیں! یہ غلط ہے بلکہ ایسا کرنا مکروہ اور بلاوجہ جانور کو ایذا دینا ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''عوام میں یہ مشہور ہے کہ اونٹ کو تین جگہ ذبح کیا جاتا ہے غلط ہے اور یوں کرنا مکروہ ہے کہ بلا فائدہ ایذا دینا ہے''۔[2]

سوال: دورانِ ذبح جانور بھاگا اور پکڑا نہ گیا کہ کسی ایسی جگہ کنویں یا گڑھے وغیرہ میں گر گیا جہاں سے نکال کر ذبح اختیاری ممکن نہ ہو تو کیا کریں اور اسی طرح اگر جانور حملہ کردے اور پکڑنے پر قدرت نہ ہو تو کیا کریں؟

جواب: جانور اگر کسی ایسی جگہ گر جائے جہاں سے زندہ نکال کر ذبح کرنا ممکن نہ ہو یا حملہ کردے اور پکڑنے پر قدرت نہ ہو تو بہ نیتِ ذبح تسمیہ پڑھ کر کسی بھی چیز نیزہ وغیرہ سے ہلاک کر سکتے ہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''اگر جانور کنویں میں گر گیا اس کو نیزہ وغیرہ سے بہ نیت ذبح بسم اللہ کہہ کر ہلاک کر دیں ذبح ہو گیا۔ اسی طرح اگر جانور اس پر حملہ آور ہوا جیسا کہ بھینسے اور سانڈ،

---

[1] ھدایہ، ج 4، ص 434

[2] بہار شریعت ج 3، حصہ 15، ص 312

اکثر حملہ کر دیتے ہیں ان کو بھی اسی طرح ذبح کیا جا سکتا ہے اور اگر محض اپنے سے دفع کرنے کے لئے اسے نیزہ مارا ذبح کرنا مقصود نہ تھا تو جانور حرام ہے۔''[1]

سوال: جنگلی جانور اگر مانوس ہو جائے یا گھریلو جانور وحشی ہو جائے تو پھر ذبح کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: جنگلی جانور اگر مانوس ہو جائے تو اسے بھی پالتو جانوروں کی طرح ذبح کیا جائے گا اور اگر گھریلو پالتو جانور وحشی ہو جائے کہ کسی بھی طرح قابو میں نہ آئے تو اسے جس طرح ممکن ہو ذبح کیا جا سکتا ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''جنگلی جانور اگر مانوس ہو جائے مثلاً ہرن وغیرہ پال لیتے ہیں اور وہ مانوس ہو جاتے ہیں ان کو اسی طرح ذبح کیا جائے جیسے پلاؤ جانور ذبح کئے جاتے ہیں یعنی ذبح اختیاری ہونا ضرور ہے جس کا ذکر گزر چکا اور اگر گھریلو جانور وحشی کی طرح ہو جائے کہ قابو میں نہ آئے تو اس کا ذبح اضطراری ہے کہ جس طرح ممکن ہو ذبح کر سکتے ہیں۔ یونہی اگر چوپایہ کنویں میں گر پڑا کہ اسے باقاعدہ ذبح نہ کر سکتے ہوں تو جس طرح ممکن ہو ذبح کر سکتے ہیں''۔[2]

سوال: ذبح کے وقت اگر بکری، بھیڑ، گائے یا اونٹ وغیرہ قربانی کا جانور بھاگ جائے تو کیا اب بھی انہیں پکڑ کر ہی ذبح کرنا پڑے گا یا پھر اضطراری کیفیت جان کر کہیں بھی زخم لگا دینے سے جانور حلال ہو جائے گا؟

جواب: شہر یا گاؤں وغیرہ جہاں آبادی ہو وہاں اگر بکری یا بھیڑ بھاگ جائے تو اسے پکڑ کر ذبح اختیاری کی طرح ذبح کریں گے اور اگر میدان میں بھاگی تو ذبح اضطراری بھی

---

[1] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص319

[2] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص315

ہوسکتا ہے اور اونٹ، بیل یا گائے بھاگ جائیں اور پکڑنے پر قدرت نہ ہو تو خواہ یہ آبادی میں بھاگیں یا جنگل میں دونوں ہی صورتوں میں ذبح اضطراری کی اجازت ہے۔

بہارِشریعت میں ہے:

''آبادی میں اگر بکری بھاگ گئی تو اس کے لئے ذبح اضطراری نہیں ہے کہ بکری پکڑی جاسکتی ہے اور میدان میں بھاگ گئی تو ذبح اضطراری ہوسکتا ہے اور گائے بیل اونٹ اگر بھاگ جائیں تو آبادی اور جنگل دونوں کا ان کے لئے یکساں حکم ہے ہوسکتا ہے کہ آبادی میں بھی ان کے پکڑنے پر قدرت نہ ہو''۔[1]

سوال: جانور کو کس چیز سے ذبح کرنا چاہیے؟

جواب: ہر وہ چیز جو جانور کی ان رگوں کو کاٹ دے جن کا ذَبیحہ کے حلال ہونے کے لئے کاٹا جانا ضروری ہے اور خون بہادے، اس سے ذَبح کرنا جائز ہے۔

بہارِشریعت میں ہے:

''ذبح ہر اس چیز سے کرسکتے ہیں جو رگیں کاٹ دے اور خون بہادے یہ ضروری نہیں کہ چھری ہی سے ذبح کریں بلکہ کھپچی اور دھاردار پتھر سے بھی ذبح ہوسکتا ہے صرف ناخن اور دانت سے ذبح نہیں کرسکتے جب کہ یہ اپنی جگہ پر قائم ہوں اور اگر ناخن کاٹ کر جدا کرلیا ہو یا دانت علیحدہ ہوگیا ہو تو اس سے اگرچہ ذبح ہوجائے گا مگر پھر بھی اس کی ممانعت ہے کہ جانور کو اس سے اذیت ہوگی۔ اسی طرح کند چھری سے بھی ذبح کرنا مکروہ ہے''۔[2]

سوال: قربانی کا جانور کس سے ذبح کروانا چاہیے؟

جواب: بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کی جائے جبکہ اچھی طرح ذبح

---

[1] بہارشریعت، ج3، حصہ15، ص319

[2] بہارشریعت ج3، حصہ15، ص314

کرنا جانتا ہو اور اگر اچھی طرح نہ جانتا ہو تو دوسرے کو ذبح کرنے کا حکم دے مگر اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ قربانی کے وقت وہاں موجود ہو۔

دوسری بات یہ کہ جس سے ذبح کروائے وہ صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہو۔ اور بد مذہب سے ذبح بالکل نہ کروائیں کہ بعض صورتوں میں تو ان کے ذبح کئے ہوئے جانور کی قربانی ہی نہیں ہوگی بلکہ اس جانور کا کھانا بھی حلال نہ ہوگا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

أن یکون الذابح مسلما

ترجمہ: ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔[1]

اسی عالمگیری میں ہے:

والافضل ان یذبح اضحیته بیده ان کان یحسن الذبح لان الاولیٰ فی القربات ان یتولیٰ بنفسه وان کان لا یحسنه فالافضل ان یستعین بغیره ولکن ینبغی ان یشهدها بنفسه

اور افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی کو خود ذبح کرے اگر خود اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہو، کیونکہ قربات (یعنی نیکی کے کاموں) میں افضل یہ ہے کہ خود کیے جائیں۔ اور اگر اچھی طرح ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو افضل یہ ہے کہ اپنے علاوہ کسی غیر کی مدد لے لے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ خود بھی وہاں موجود رہے۔"[2]

سوال: لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہو وہ بھی چھری پر ہاتھ رکھے تو کیا یہ ضروری ہے؟ اور اگر کوئی ہاتھ رکھتا ہے تو تکبیر کس کو پڑھنی ہے ذبح کرنے والے کو یا ہاتھ رکھنے والے کو؟

---

[1] عالمگیری، ج5، ص285

[2] عالمگیری، ج5، ص300

جواب: جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہواس کا چھری پر ہاتھ رکھنا ضروری نہیں لیکن اگرکوئی ہاتھ رکھتا ہے تو یہ بات یادر کھے کہ جب کسی دوسرے سے جانورذبح کروائیں اورخود اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھیں اوردونوں مل کرذبح کریں تو ایسی صورت میں دونوں پر ''تکبیر'' کہنا واجب ہے۔اوراگران میں سے ایک نے بھی جان بوجھ کراللہ تعالیٰ کا نام ترک کیا یا یہ خیال کر کے چھوڑ دیا کہ دوسرے نے کہہ لیا ہے مجھے کہنے کی ضرورت نہیں تو دونوں صورتوں میں جانورحلال نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے:

فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح وأعانه علی الذبح سمی کل وجوباً، فلوترکھا أحدھما أو ظن أن تسمیة أحدھما تکفی حرمت

معاون نے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح کرنے میں رکھا اورذبح پرقصاب کی معاونت کی تو ہرایک پرتسمیہ پڑھنا واجب ہے،پس اگران میں سے کسی ایک نے چھوڑ دی یا گمان کیا کہ ان میں سے کسی ایک کا تسمیہ پڑھ لینا کافی ہے تو جانور حرام ہوجائے گا۔[1]

اورردالمحتار میں ہے:

وشمل ما اذا کان الذابح اثنتین،فلوسمی احدھما وترک الثانی عمدا حرم أکله

تسمیہ پڑھنے کی شرط اس کو بھی شامل ہے جب ذابح دو ہوں،پس اگران میں سے کسی ایک نے تسمیہ پڑھی اوردوسرے نے جان بوجھ کرنہ پڑھی تو اس کا کھانا حرام ہے۔[2]

---

[1] درمختارمع ردالمحتار، کتاب الذبائح،ج09،ص438

[2] ردالمحتار، کتاب الذبائح،ج09،ص438

شرح نقایہ میں ہے:

يشترط تسمية من اعان الذابح بحيث وضع يده على المذبح كما وضع الذابح حتى لوترك احدهما التسمية لايحل

ترجمہ: ذابح کے معاون پر بھی تسمیہ پڑھنا شرط ہے جب وہ اپنا ہاتھ چھری پر رکھے جیسا کہ ذابح نے رکھا حتی کہ اگر ان میں سے کسی نے تسمیہ کو ترک کر دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''وہ معین ذابح جس پر تکبیر کہنا ضرور ہے وہ ہے کہ ذابح کا ہاتھ ضعیف ہو تنہا اس کی قوت سے ذبح نہ ہوسکتا ہو، یہ شخص نفسِ فعل میں اس کی امداد کرے اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھے اور ذبح دونوں قوتوں کے اجتماع سے واقع ہو، اس حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے، ایک بھی قصداً چھوڑے گا ذبیحہ مردار ہو جائے گا''۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''خود ذبح کرنے والے کو ''بسم اللہ'' کہنا ضروری ہے دوسرے کا کہنا اس کے کہنے کے قائم مقام نہیں یعنی دوسرے کے بسم اللہ پڑھنے سے جانور حلال نہ ہوگا جب کہ ذابح نے قصداً ترک کیا ہو اور دو شخصوں نے ذبح کیا تو دونوں کا پڑھنا ضروری ہے ایک نے قصداً ترک کیا تو جانور حرام ہے۔ معین ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذبح کرنے میں اس کا معین ہو یعنی دونوں نے مل کر ذبح کیا ہو دونوں نے چھری پھیری ہو مثلاً ذابح کمزور ہے کہ اس کی تنہا قوت کام نہیں دے گی دوسرے نے بھی شرکت کی دونوں

---

[1] شرح النقایہ، کتاب الذبائح، ج03، ص191

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص221

نے مل کر چھری چلائی۔ اگر دوسرا شخص جانور کو فقط پکڑے ہوئے ہے تو یہ معین ذابح نہیں اس کے پڑھنے نہ پڑھنے کو کچھ دخل نہیں۔ یہ اگر پڑھتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ ذابح کو بسم اللہ یاد آجائے اور پڑھ لے۔[1]

مزید اسی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''دوسرے سے ذبح کرایا اور خود اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا کہ دونوں نے مل کر ذبح کیا تو دونوں پر ''بسم اللہ'' کہنا واجب ہے ایک نے بھی قصداً چھوڑ دی یا یہ خیال کر کے چھوڑ دی کہ دوسرے نے کہہ لی مجھے کہنے کی کیا ضرورت دونوں صورتوں میں جانور حلال نہ ہوا''۔[2]

سوال: جانور ذَبح کرتے ہوئے جن لوگوں نے اس کے پاؤں اور سر وغیرہ کو پکڑا ہوا ہوتا ہے تا کہ ذبح میں آسانی رہے تو کیا ان لوگوں پر بھی تکبیر کہنا لازم ہے؟

جواب: جی نہیں! تکبیر صرف ذابح (ذبح کرنے والے) کا پڑھنا ضروری ہے۔

فتاوی رضویہ میں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

اصل ذابح پر تکبیر کہنی لازم اور اسی کی تکبیر ہی کافی ہے۔ سر یا پاؤں پکڑنے والے کی تکبیر کی اصلاً حاجت نہیں نہ اس کا کافر مشرک ہونا کچھ مضر۔

فان الذبح انما هو قطع العروق لا الاخذ بالراس ولقوائم كما لايخفى

یعنی ذبح جانور کی رگوں کے کاٹنے کا نام ہے جانور کے سر اور پاؤں پکڑنے کا نام نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص318

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص351

ہاں اگر ایک نے دوسرے کو نفسِ ذَبح میں مدد دی، مثلاً زید ذبح کرتا ہے عمرو نے دیکھا اس کا ہاتھ ضعیف ہے ذبح میں دیر ہوگی اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا اور دونوں نے مل کر چھری پھیری تو بیشک دونوں میں جو کوئی قصداً تکبیر نہ کہے گا جانور حرام ہو جائے گا۔ یونہی اگر ان میں کوئی کافر مشرک تھا تو بھی ذبیحہ مردار ہو گیا''۔[1]

مزید اسی میں ایک مقام پر فرمایا:

''ذبیحہ کا ہاتھ پاؤں پکڑنے والا بندش کی رسی کی طرح ہے۔ اس پر تکبیر کچھ ضروری نہیں بلکہ وہ اہل تکبیر میں سے بھی ہونا ضروری نہیں، اگر مشرک یا مجوسی ہو جب بھی ذبیحہ میں فرق نہ آئے گا''۔[2]

سوال: قربانی کا جانور کیا کوئی عورت یا بچہ بھی ذبح کر سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! اگر عورت اور سمجھدار بچہ ذبح کرنے کے شرعی قواعد وضوابط سے واقف ہوں تو کر سکتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے:

وامرابوموسی بناته ان یضحین بایدیهن

اورحضرتِ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کیا کریں۔[3]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

المرأة المسلمة......فی الذبح کالرجل کذافی فتاوی قاضیخان

ذبح میں مسلم عورت کا وہی حکم ہے جو مرد کا ہے (یعنی ان کا ذبیحہ حلال ہے)

---

[1] فتاوی رضویه، ج20، ص215

[2] فتاوی رضویه، ج20، ص221

[3] صحیح بخاری، ج2، ص834

ایسے ہی فتاوی قاضی خان میں ہے۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''عورت یا لڑکے کا ذبیحہ اگر وہ قواعد وشرائطِ ذبح سے واقف ہیں اور مطابق شرع ذبح کر سکتے ہیں بلا ریب حلال ہے۔

درمختار میں ہے:

و شرط کون الذابح مسلما ولو امرأة أو صبيا يعقل التسمية والذبح ويقدر

''یعنی ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے اگر وہ عورت ہو یا ایسا بچہ ہو جو بسم اللہ اور ذبح کو جانتا ہو اور اس عمل پر قادر بھی ہو۔[2]

یونہی مزید ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

''جن، مرتد، مشرک، مجوسی، مجنون، ناسمجھ اور اس شخص کا جو قصداً تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے، اور ان کے غیر کا حلال جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں، اگرچہ ذابح عورت یا سمجھ والا بچہ یا گونگا یا بے ختنہ ہو، اور اگر ذبیحہ صید (شکار) ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ ذبح حرم میں نہ ہو، ذابح احرام میں نہ ہو''۔[3]

سوال: جو مسلمان شخص نماز روزے کا پابند نہ ہو ایسے سے جانور ذبح کروانا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے بشرطیکہ ذبح کرنے کے شرعی قواعد وضوابط سے واقف ہو اور تکبیر کہہ کر ذبح کرے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

---

[1] عالمگیری، ج5، ص286

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص304

[3] فتاوی رضویہ، ج20، ص242

''اگر مسلمان ہے اور ذبح کرنا جانتا ہے اور تکبیر کہے تو ذبح ہو جائے گا''۔[1]

سوال: ذبح کس کس شخص کا جائز اور کس کا ناجائز ہے؟

جواب: اسی طرح کا ایک سوال جب سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے ہوا تو جواباً ارشاد فرمایا:

''جن، مرتد، مشرک، مجوسی، مجنون، ناسمجھ اور اس شخص کا جو قصداً تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے۔ اور ان کے غیر کا حلال جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں، اگرچہ ذابح عورت یا سمجھ والا بچہ یا گونگا یا بے ختنہ ہو، اور اگر ذبیحہ صید ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ ذبح حرم میں نہ ہو، ذابح احرام میں نہ ہو''

فی الدر المختار:

شرط کون الذابح مسلما حلالا أو کتابیا ولو مجنونا أو امرأة أو صبیا یعقل التسمیة والذبح ویقدر أو اقلف أو أخرس لا وثنی و مجوسی و مرتد وجنی وتارك تسمیة عمدا، اھ ملخصا فی ردالمحتار، قوله مجنونا، المراد به المعتوه کما فی العنایة عن النهایة لان المجنون لاقصد له ولا نیة لان التسمیة شرط بالنص وهی بالقصد الخ

درمختار میں ہے: ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا، حالت احرام میں نہ ہونا، یا کتابی ہونا شرط ہے اگرچہ مجنون ہو یا عورت ہو یا ایسا بچہ جو بسم اللہ اور ذبح کو سمجھتا ہو اور ذبح پر قادر ہو، بے ختنہ ہو یا گونگا ہو، بت پرست، مجوسی، مرتد، جن اور قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والا نہ ہو، اھ ملخصاً ردالمحتار میں ہے اس کا قول ''مجنون ہو'' سے مراد معتوہ (نیم پاگل) ہے جیسا کہ عنایہ میں نہایہ کے حوالے سے ہے کیونکہ مجنون کا نہ تو قصد ہوتا ہے اور نہ نیت ہوتی ہے کیونکہ تسمیہ نص سے مشروط ہے اور وہ قصد سے ہی

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص253

ہوتی ہے، الخ۔[1]

سوال: ذبح میں جانور کی کتنی رگیں کٹنی چاہیے جس کی وجہ سے قربانی بلا کراہت ہوجائے گی؟

جواب: جو رگیں ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں۔

حلقوم: یہ وہ ہے جس میں سانس آتی جاتی ہے۔

مری: اس سے کھانا پانی اُترتا ہے۔

ودجین: ان دونوں کے اغل بغل اور دو رگیں ہیں جن میں خون کی روانی ہوتی ہے ان کو وَدجین کہتے ہیں۔

اور ذبح کی چاروں رگوں میں سے تین کا کٹ جانا بھی کافی ہے یعنی اس صورت میں بھی جانور حلال ہوجائے گا کیونکہ اکثر کے لئے بھی کل ہی کا حکم ہوتا ہے اور اگر چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹ گیا تو جب بھی جانور حلال ہوگا لیکن اگر ہر رگ آدھی آدھی کٹ گئی اور آدھی آدھی باقی رہی تو جانور حلال نہیں ہوگا۔

دُرمختار میں ہے:

وحل بقطع ای ثلاث منها اذ للاكثر حكم الكل

اور ان کا کٹنا جانور کو حلال کر دیتا ہے یعنی ان چار میں سے تین کا کٹنا۔ اس وجہ سے کہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''جو رگیں ذَبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں:

(۱) حُلقُوم یہ وہ ہے جس میں سانس آتی جاتی ہے

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص242

[2] دُرمختار، ج9، ص425

(۲) مُری اس سے کھانا پانی اترتا ہے ان دونوں کے اَغل بغل اور دو رگیں ہیں جن میں خون کی روانی ہے ان کو (۳)، (۴) وَدَجین کہتے ہیں۔

☆ مسئلہ: پورا حلقوم ذبح کی جگہ ہے یعنی اس کے اعلیٰ، اوسط، اسفل جس جگہ میں ذبح کیا جائے جانور حلال ہوگا۔ آج کل چونکہ چمڑے کا نرخ زیادہ ہے اور یہ وزن یا ناپ سے فروخت ہوتا ہے اس لئے قصاب اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح چمڑے کی مقدار بڑھ جائے اور اس کے لئے یہ ترکیب کرتے ہیں کہ بہت اوپر سے ذبح کرتے ہیں اور اس صورت میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ذبح فوق العقدہ ہو جائے اور اس میں علماء کو اختلاف ہے کہ جانور حلال ہوگا یا نہیں؟

اس باب میں قولِ فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں اگر تین رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہے ورنہ نہیں۔ علماء کا یہ اختلاف اور رگوں کے کٹنے میں احتمال دیکھتے ہوئے احتیاط ضروری ہے کہ یہ معاملہ حلت وحرمت کا ہے اور ایسے مقام پر احتیاط لازم ہوتی ہے۔

☆ مسئلہ: ذبح کی چار رگوں میں سے تین کا کٹ جانا کافی ہے یعنی اس صورت میں بھی جانور حلال ہو جائے گا کہ اکثر کے لئے وہی حکم ہے جو کل کے لئے ہے اور اگر چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹ جائے گا جب بھی حلال ہو جائے گا اور اگر آدھی آدھی ہر رگ کٹ گئی اور آدھی باقی ہے تو حلال نہیں''۔[1]

سوال: جانور ذبح کرتے وقت اگر اس کا سر کٹ کر علیحدہ ہو جائے تو کیا وہ حلال ہوگا؟

جواب: جانور ذبح کرتے وقت اگر اس کا سر کٹ کر علیحدہ ہو جائے تو پھر بھی وہ حلال ہی رہے گا اور اس کا کھانا جائز ہے البتہ یہ فعل مکروہ ہے۔

---

[1] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص313

بہارِ شریعت میں ہے:

''اس طرح ذبح کرنا کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے یا سر کٹ کر جدا ہو جائے مکروہ ہے مگر وہ ذبیحہ کھایا جائے گا یعنی کراہت اس فعل میں ہے نہ کہ ذبیحہ میں۔

عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ذبح کرنے میں اگر سر جدا ہو جائے تو اس سر کا کھانا مکروہ ہے یہ کتب فقہ میں نظر سے نہیں گزرا بلکہ فقہاء کا یہ ارشاد کہ ذبیحہ کھایا جائے گا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سر بھی کھایا جائے گا''۔[1]

سوال: ذبح کی تکبیر ''بسم اللہ اللہ اکبر'' بغیر واؤ کے کہنی چاہیے یا واؤ کے ساتھ ''بسم اللہ واللہ اکبر'' کہنی چاہیے؟

جواب: تکبیر کہنے میں مستحب یہ ہے کہ بغیر واؤ کے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہی جائے اور اگر واؤ کے ساتھ ''بسم اللہ واللہ اکبر'' کہا تو جانور تب بھی حلال ہی ہو گا مگر بعض علماء اسے مکروہ بتاتے ہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''بغیر واؤ کے مستحب ہے۔ اسے مکروہ کہنا صحیح نہیں، بلکہ تنویر الابصار وغیرہ میں واؤ بڑھانے کو مکروہ فرمایا، بہرحال بلا واؤ کے خالی از کراہت و پسندیدہ و مستحب ہونے میں کلام نہیں''۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''مستحب یہ ہے کہ ذبح کے وقت ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہے یعنی بسم اللہ اور اللہ اکبر کے درمیان واؤ نہ لائے اور اگر ''بسم اللہ واللہ اکبر'' واؤ کے ساتھ کہا تو جانور اس صورت میں بھی حلال ہو گا مگر بعض علماء اس طرح کہنے کو مکروہ بتاتے ہیں''۔[3]

---

[1] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص315

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص215

[3] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص317

سوال: ایک شخص نے کسی کام مثلاً پانی پینے یا کھانا کھانے کے لئے بسم اللہ پڑھی اور پھر فوراً اٹھ کر جانور ذبح کر دیا اور بوقتِ ذَبح دوبارہ بسم اللہ نہ پڑھی تو کیا وہ جانور حلال ہوگا؟

جواب: "بسم اللہ" اگر واقعی کسی دوسرے مقصد کے لئے پڑھی اور اسی سے جانور ذَبح کر دیا تو وہ حلال نہ ہوا۔

بہارِ شریعت میں ہے:

""بسم اللہ" کسی دوسرے مقصد سے پڑھی اور جانور کو ذبح کر دیا تو جانور حلال نہیں اور اگر زبان سے بسم اللہ کہی اور دل میں یہ نیت حاضر نہیں کہ جانور ذبح کرنے کے لئے "بسم اللہ" کہتا ہوں تو جانور حلال ہے"۔[1]

☆: "بسم اللہ" کہنے اور ذبح کرنے کے درمیان طویل فاصلہ نہ ہو اور مجلس بدلنے نہ پائے اگر مجلس بدل گئی اور عمل کثیر بیچ میں پایا گیا تو جانور حلال نہ ہوا۔ ایک لقمہ کھایا یا ذرا سا پانی پیا یا چھری تیز کر لی یہ عمل قلیل ہے جانور اس صورت میں حلال ہے۔

☆: بکری ذبح کے لئے لٹائی تھی، بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنا چاہتا تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ گئی پھر اسے پکڑ کے لایا اور لٹایا تو اب پھر بسم اللہ پڑھے پہلے کا پڑھنا ختم ہو گیا۔ یونہی بکریوں کا غلہ دیکھا اور بسم اللہ پڑھ کر ان میں سے ایک بکری پکڑ لایا اور ذبح کر دی اس وقت قصداً بسم اللہ ترک کر دی یہ خیال کر کے کہ پہلے پڑھ چکا ہے بکری حرام ہو گئی۔[2]

سوال: بغیر تسمیہ کے ذبح کیا ہوا جانور حلال ہوگا یا نہیں؟

جواب: تسمیہ اگر بھول کے ترک ہوئی تو جانور حلال ہے اور قصداً ترک کی حلال نہیں۔

---

[1] بہار شریعت، ج 3، حصہ 15، ص 318

[2] بہار شریعت، ج 3، حصہ 15، ص 319

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ[1]

ترجمہ: ''اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور وہ بے شک حکم عدولی ہے''۔

فتاوی رضویہ میں ایک سوال کہ ''کس شخص کا ذبیحہ حلال اور کس کا نہیں؟'' کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''جن، مرتد، مشرک، مجوسی، مجنون، ناسمجھ اور اس شخص کا جو قصداً تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے۔ اور ان کے غیر کا حلال جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں''۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''ذبح سے جانور حلال ہونے کی چند شرطیں ہیں:...... اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ ذبح کرنا...... مزید اسی میں فرماتے ہیں: ''ذبح کرنے میں قصداً بسم اللہ نہ کہی جانور حرام ہے۔ اور اگر بھول کر ایسا ہوا جیسا کہ بعض مرتبہ شکار کے ذبح میں جلدی ہوتی ہے اور جلدی میں بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے اس صورت میں جانور حلال ہے۔''[3]

سوال: اجتماعی قربانی کرنے والوں میں سے بعض کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اچھے ماہر قصاب ہوتے ہیں اور اپنی مہارت سے بسا اوقات دو بکریوں کو اوپر نیچے رکھ کر ایک ہی دفعہ میں ذبح کر دیتے ہیں اور دونوں کے لئے ایک ہی تکبیر پڑھتے ہیں تو کیا ان کے اس عمل سے جانور حلال ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر دونوں کو ایک ساتھ ذَبح کیا تو دونوں حلال ہیں اور اگر یوں کیا کہ پہلے ایک کو چھری پھیر دی اور فوراً بعد دوسری کو پھیری تو ایسی صورت میں پہلی کی تسمیہ دوسری

---

[1] سورۃ الانعام، پ7، آیت 121

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص242

[3] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص316

کے لئے کفایت نہیں کرے گی بلکہ اسے ذَبح کرنے سے پہلے نئے سرے سے تسمیہ پڑھنی ہوگی۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''دو بکریوں کو نیچے اوپر لٹا کر دونوں کو ایک ساتھ ''بسم اللہ'' پڑھ کر ذبح کر دیا دونوں حلال ہیں اور اگر ایک کو ذبح کرکے فوراً دوسری کو ذبح کرنا چاہتا ہے تو اس کو پھر ''بسم اللہ'' پڑھنی ہوگی پہلے جو پڑھ چکا ہے وہ دوسری کے لئے کافی نہیں''۔[1]

سوال: بعض جگہوں پر جانور کے ذبح کرنے کا یہ طریقہ رائج ہے کہ جانوروں کو لٹا کر تکبیر کہہ کر مشین چلا دیتے ہیں اور سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں تو کیا یہ مشینی ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہوگا؟

جواب: مشین کے ذریعہ کاٹا گیا جانور فقہائے کرم کے نزدیک حلال نہیں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے لعدم ذکاۃ شرعی۔

تفصیل کے لئے مفتی نظام الدین رضوی دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ''مشینی ذبیحہ کا حکم'' کا مطالعہ کریں۔

سوال: ذبح میں مستحبات کیا کیا ہیں؟

جواب: تیز چھری سے ذبح کرنا مستحب ہے۔اسی طرح کُند چھری سے ذبح نہ کرنا مستحب ہے۔لہذا جانور کو ذبح کے لیے لٹانے سے پہلے پہلے چھری اچھی طرح تیز کر لی جائے تا کہ جانور کی رگیں آسانی سے کٹ جائیں،

ولیحد احدکم شفرتہ فلیرح ذبیحتہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب جانور ذبح کرنے لگو تو چھری یا ذبح کے آلہ کو اچھی طرح تیز کرلو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔[2]

---

[1] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص319

[2] صحیح مسلم، ج2، ص153

بہارِ شریعت میں ہے:

''مستحب یہ ہے کہ جانور کولٹانے سے پہلے چھری تیز کریں اورلٹانے کے بعد چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔ یونہی جانور کو پاؤں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مذبح کو لے جانا بھی مکروہ ہے''۔[1]

اسی طرح جب جانور ذبح کیا جائے تو بھوکا پیاسا ذبح نہ کیا جائے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی سے پہلے اُسے چارا پانی دے دیں یعنی بھوکا پیاسا ذبح نہ کریں اورایک کے سامنے دوسرے کو نہ ذَبح کریں اور پہلے سے چھری تیز کرلیں ایسا نہ کہ جانور گرانے کے بعد اُس کے سامنے چھری تیز کی جائے''۔[2]

اور ذبح کرتے وقت مستحب یہ ہے کہ ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہا جائے۔ یعنی بسم اللہ اور اللہ اکبر کے درمیان واؤ نہ لائے۔

اور قربانی دینے والا اگر ذبح کرنے کا طریقہ بخوبی جانتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ خود کرے ورنہ بہتر یہ ہے کہ کسی متقی پرہیزگار، نیک سیرت مسلمان سے ذبح کروائے، اوراس صورت میں قربانی دینے والا شخص خود اپنے جانور کے قریب کھڑا ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے اپنی قربانی ذبح کیا کرتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قربانی کرنے کا ارادہ فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی قربانی کے قریب کھڑی ہو جائیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والافضل ان یذبح اضحیتہ بیدہ ان کان یحسن الذبح لان الاولی

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 314

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 352

فی القربات ان یتولیٰ بنفسه وان کان لا یحسنه فالافضل ان یستعین بغیرہ ولکن ینبغی ان یشهدها بنفسه

اور افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی کو خود ذبح کرے اگر خود اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہو، کیونکہ قربات (یعنی نیکی کے کاموں) میں افضل یہ ہے کہ خود کئے جائیں۔ اور اگر اچھی طرح ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو افضل یہ ہے کہ اپنے علاوہ کسی غیر کی مدد لے لے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ خود بھی وہاں موجود رہے۔[1]

معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذَبح کرنا افضل ہے اور خود ذَبح کرنا نہ آتا ہو تو بوقتِ ذَبح قربانی کے پاس کھڑا رہے مگر خواتین صرف اُسی صورت میں کھڑی ہوسکتی ہیں جب کہ بے پردگی کی کوئی صورت نہ ہو مثلاً اپنے گھر کی چار دیواری ہو، ذَابح (یعنی ذَبح کرنے والا) مَحرم ہو اور حاضرین میں بھی کوئی نامَحرم نہ ہو۔ ہاں اگر وہاں کوئی غیر محرم نابالغ بچہ موجود ہو تو حرج نہیں۔

سوال: ذبح کے مکروہات کیا کیا ہیں؟

جواب: ذبح کے مکروہات مندرجہ ذیل ہیں۔

ذبح کرتے وقت اس طرح ذبح کرنا کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے۔ یا سر کٹ کر جدا ہو جائے مکروہ ہے۔

اور "ہر وہ فعل کہ جس سے جانور کو بلا فائدہ تکلیف پہنچے مثلاً ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کے اعضاء کاٹ دینا یا اس کی کھال اتار دینا وغیرہ یہ سب مکروہ ہیں۔

ذبح کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا سنت ہے اور ایسا نہ کرنا مکروہ ہے۔

جانور کو ذبح کے لیے لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔

اسی طرح کُند چھری سے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔

---

[1] عالمگیری، ج5، ص300

سوال: قربانی کا جانور ذبح کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: خواہ جانور قربانی کا ہو یا ویسے ہی ذبح کرنا ہو تو سنت یہ چلی آرہی ہے کہ ذبح کرنے والا اور جانور دونوں قبلہ رو ہوں، ہمارے علاقے (پاک وہند) میں قبلہ مغرب میں ہے اس لئے جانور کا سر جنوب کی طرف ہونا چاہئے تا کہ جانور بائیں (اُلٹے) پہلو لیٹا ہوا اور اسکی پیٹھ مشرق کی طرف ہو تا کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے اور ذبح کرنے والا اپنا دایاں پاؤں جانور کی گردن کے دائیں یعنی سیدھی طرف والے حصہ پر رکھے اور ذبح کرے۔ یاد رکھئے خود اپنا یا جانور کا منہ قبلہ کی طرف سے ترک کرنا مکروہ ہے۔[1]

قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے یہ دُعا پڑھی جائے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ج ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لا ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○[2]

ترجمہ: میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان وزمین بنائے ایک اُسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔(79) بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کیلئے ہے جو ربّ سارے جہان کا۔(162) اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم ہے اور میں مسلمانوں میں ہوں۔(163)۔[3]

اور جانور کی گردن کے قریب پہلو پر اپنا سیدھا پاؤں رکھ کر یہ دُعا پڑھیں۔

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص216

[2]

[3] پارہ8، سورۃ الانعام، آیت79، 162، 163

اَللّٰھُمَّ لَکَ وَ مِنْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرْ

ترجمہ: اے اللہ (عزوجل) تیرے ہی لئے اور تیری دی ہوئی توفیق سے، اللہ کے نام سے شروع اللہ سب سے بڑا ہے۔

اور پھر تیز چھری سے جلد ذبح کر دیجئے۔

قربانی اپنی طرف سے ہو تو ذبح کے بعد یہ دُعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّل مِنِّی کَمَا تَقَبَّلتَ مِن خَلِیلِکَ اِبرَاھِیم عَلَیهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام وَحَبِیبِکَ مُحَمَّد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیهِ وَآلِهِ وَسَلَّم

ترجمہ: اے اللہ (عزوجل) تو مجھ سے (اس قربانی کو) قبول فرما جیسے تو نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبول فرمائی۔

اور اگر دوسرے کی طرف سے قربانی کریں تو ''منی'' کے بجائے ''من'' کہہ کر اس کا نام لیجئے۔

حضرتِ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين اقرنين املحين موجوئين فلما وجههما قال انى وجهت وجهى للذى فطر السمٰوات والارض على ملّة ابراهيم حنيفاً وماان من المشركين ان صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى لله رب العالمين لاشريك له وبذلك امرت وانامن المسلمين اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله الله اكبرثم ذبح

فرماتے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذبح کے دن دو مینڈھے سینگوں والے، چتکبرے، خصی کئے ہوئے ذبح کئے جب ان کا مونھ قبلہ کی طرف کیا تو یہ پڑھا

انى وجهت وجهى للذى فطر السمٰوات والارض على ملّة ابراهيم حنيفاً وماان من المشركين ان صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى لله رب

العالمين لاشريك له وبذلك امرت وانامن المسلمين اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله الله اكبر'' پھر ذبح فرمایا۔[1]

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جانور ذبح کرنے کے بعد اس کی گردن توڑ دیتے ہیں اور اس کی کھال اتارنا شروع کردیتے ہیں حالانکہ ابھی جانور میں حیات باقی ہوتی ہے تو کیا یہ عمل شرعاً درست ہے؟

جواب: ذبح شرعی کے بعد جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی گردن توڑنا اور کھال اتارنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بلا فائدہ جانور کو تکلیف پہنچانا ہے۔اور بلا فائدہ جانور کو تکلیف پہنچانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

عن شداد ابن اوس رضی الله تعالی عنه عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال ان الله تعالى كتب الاحسان على كل شیء فاذاقتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح وليحد احدكم شفرته فليرح ذبيحته

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا لکھ دیا ہے، لہٰذا قتل کرو تو احسن طریقہ سے قتل کرو (یعنی بے سبب اس کو ایذا نہ پہنچاؤ) اور ذبح کرو تو احسن طریقہ سے ذبح کرو اور تم میں سے کسی شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری تیز کرے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے یعنی بلا فائدہ تکلیف نہ پہنچائے۔[2]

امیر المؤمنین حضرتِ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو بکری کو ذَبح کرنے کے لئے اسے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد

---

[1] سنن ابوداؤد، ج2، ص38

[2] صحیح مسلم، ج2، ص152

فرمایا: تیرے لئے خرابی ہو، اسے موت کی طرف اچھے انداز میں لے کر جا''۔[1]

کتاب الاختیار میں ہے:

ویکرہ سلخھاقبل أن تبرد......وکذا یکرہ کسرعنقھاقبل أن تبردلمافیہ من تألم الحیوان وبعد ذلک لاألم فلایکرہ

جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا مکروہ ہے۔اور ایسے جانور کے ٹھنڈا ہونے سے قبل اس کی گردن توڑ دینا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں جانور کو تکلیف دینا ہے اور ٹھنڈا ہونے کے بعد کھال اتارنے یا گردن توڑنے میں کوئی تکلیف نہیں لہذا ٹھنڈا ہونے کے بعد یہ عمل مکروہ بھی نہیں۔[2]

ہدایہ میں ہے:

ان یمد راسہ حتی یظھرمذبحہ وقیل ان یکسرعنقہ قبل ان یسکن من الاضطراب وکل ذلک مکروہ وھذا لان فی جمیع ذلک وفی قطع الراس زیادۃ تعذیب الحیوان بلافائدۃ وھومنھی عنہ

جانور کے سر کو کھینچنا تاکہ اس کی رگیں ظاہر ہوں اور کہا گیا ہے کہ جانور کے ٹھنڈا ہونے سے قبل اس کی گردن توڑنا اور یہ سب مکروہ ہے، اور یہ مکروہ اس وجہ سے ہے کہ ان سب صورتوں میں اور سر کو کاٹ لینے میں بلا فائدہ جانور کو تکلیف دینا ہے اور بلا فائدہ تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے۔[3]

بہارِ شریعت میں ہے:

''ہر وہ فعل جس سے جانور کو بلا فائدہ تکلیف پہنچے مکروہ ہے مثلاً جانور میں ابھی حیات باقی ہو ٹھنڈا ہونے سے پہلے اوس کی کھال اوتارنا اوس کے اعضا کاٹنا یا ذبح

---

[1] مصنَّف عبدالرزّاق، ج4، ص376، حدیث 7636

[2] کتاب الاختیار لتعلیل المختار، ج5، ص14

[3] ھدایہ اٰخیرین، ص438

سے پہلے اوس کے سر کو کھینچنا کہ رگیں ظاہر ہو جائیں یا گردن کو توڑنا یوہیں جانور کو گردن کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے''۔[1]

نوٹ:

امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ قربانی کے احکام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''گائے وغیرہ کو گرانے سے پہلے ہی قبلہ کا تعین کرلیا جائے، لٹانے کے بعد بالخصوص پتھریلی زمین گھسیٹ کر قبلہ رُخ کرنا بے زبان جانور کیلئے سخت اذیت کا باعث ہے۔ ذَبح کرنے میں اتنا نہ کاٹیں کہ چھری گردن کے مُہرے (ہڈی) تک پہنچ جائے کہ یہ بے وجہ کی تکلیف ہے پھر جب تک جانور مکمل طور پر ٹھنڈا نہ ہو جائے نہ اس کے پاؤں کاٹیں نہ کھال اُتاریں، ذَبح کر لینے کے بعد جب تک رُوح نہ نکل جائے چھری کٹے ہوئے گلے پر مَس (Touch) کریں نہ ہی ہاتھ۔ بعض قصّاب جلد ''ٹھنڈی'' کرنے کے لئے ذَبح کے بعد تڑپتی گائے کی گردن کی زندہ کھال اُدھیڑ کر چھری گھونپ کر دل کی رگیں کاٹتے ہیں، اسی طرح بکرے کو ذَبح کرنے کے فوراً بعد بے چارے کی گردن چٹخا دیتے ہیں، بے زَبانوں پر اس طرح کے مظالم نہ کئے جائیں۔ جس سے بن پڑے اس کے لئے ضروری ہے کہ جانور کو بِلا وجہ ایذا پہنچانے والے کو روکے۔ اگر باوجودِ قدرت نہیں روکے گا تو خود بھی گنہگار اور جہنم کا حقدار ہوگا۔ بہارِ شریعت میں ہے'' جانور پر ظلم کرنا ذمی کافر پر (اب دنیا میں سب کافر حربی ہیں) ظلم کرنے سے زیادہ بُرا ہے اور ذمی پر ظلم کرنا مسلم پر ظلم کرنے سے بھی بُرا ہے کیونکہ جانور کا کوئی مُعین و مددگار اللہ عزوجل کے سوا نہیں اس غریب کو اس ظلم

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، ص315

سے کون بچا ہے!''۔[1]

لٰہذا بوقتِ ذَبح جانور پر رحم کھانا چاہیے کہ یہ کارِثواب ہے۔

مُسندِ امام احمد بن حنبل میں ہے:

ان رجلاقال یا رسول الله انی لأذبح الشاة وانا أرحمها أوقال أنی أا رحم الشاة أن أذبحها فقال والشاة اِن رحمتها رحمك الله

ایک صحابی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے بکری ذَبح کرنے پر رَحم آتا ہے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ''اگر اس پر رحم کروگے تو اللہ عزوجل بھی تم پر رحم فرمائے گا۔[2]

سوال: رات کے وقت قربانی کرنا کیسا ہے؟

جواب: رات میں قربانی کرنا فقہائے کرام نے مکروہ تنزیہی، خلافِ اولیٰ لکھا ہے لیکن اس ممانعت کی علت اندھیرے میں غلطی کا احتمال تھا جبکہ فی زمانہ بجلی کا انتظام واہتمام ہونے کی بناء پر علتِ ممانعت نہیں پائی جاتی لہذا بلا کراہت جائز ہوگی البتہ اگر کہیں مذکورہ علت پائی جائے تو وہاں رات میں قربانی کرنا مکروہ ہی ہوگا ہے۔

دُرمختار میں ہے:

کرہ تنزیھا الذبح لیلا لاحتمال الغلط

یعنی غلطی کے احتمال کی وجہ سے رات کو ذبح کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔''[3]

فتاوی رضویہ میں ہے:

رات کو ذبح کرنا اندیشۂ غلطی کے باعث مکروہِ تنزیہی خلافِ اولیٰ ہے

---

[1] اَبلَق گھوڑے سوار، ص15

[2] مُسندامام احمدبن حنبل، ج5، ص304، حدیث 15592

[3] دُرمختار، ج9، ص463

،اورضرورت واقع ہومثلاً صبح کے انتظار میں جانور مرجائے گا تو کراہت نہیں لانہ الاٰن مامور بہ حذرا عن اضاعۃ المال اھ(کیونکہ مال کے ضائع ہونے کے خطرہ کی بناء پر وہ اب اس کا مامور ہے اھ)، پھر کراہت اس فعل میں ہے، ذبح اگر صحیح ہو جائے تو ذبیحہ میں کچھ کراہت نہیں لتبین ان الغلط لم یقع یعنی واضح ہو جانے پر غلطی نہیں ہوئی۔"[1]

❀ ❀ ❀

[1] فتاوی رضویه،ج20،ص213

آٹھواں باب:

جانوروں کے حلال وحرام اعضاء

سوال: جانور کے کون کون سے اعضاء ایسے ہیں کہ جن کے کھانے کی ممانعت ہے؟
جواب: سیّدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمن اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:
''حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں۔

(۱) رگوں کا خون، (۲) پِتّا، (۳) پُھکنا، (۴و۵) علامات مادہ ونر، (۶) بیضے، (۷) غدود، (۸) حرام مغز، (۹) گردن کے دو پٹّھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں، (۱۰) جگر کا خون، (۱۱) تلی کا خون، (۱۲) گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے نکلتا ہے، (۱۳) دل کا خون، (۱۴) پت یعنی وہ زرد پانی کہ پتّے میں ہوتا ہے، (۱۵) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے، (۱۶) پاخانہ کا مقام، (۱۷) اوجھڑی، (۱۸) آنتیں، (۱۹) نطفہ، (۲۰) وہ نطفہ کہ خون ہوگیا، (۲۱) وہ کہ گوشت کا لوتھڑا ہو گیا، (۲۲) وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مر گیا۔''[1]

مذکورہ اشیاء میں سے بعض کا کھانا حرام، بعض کا ممنوع اور بعض مکروہ ہیں جانوروں میں جو ان کے علاوہ اعضاء ہیں ان کا کھانا حلال ہے شرعاً ان کے کھانے

[1] فتاوی رضویہ، ج 20، ص 241

میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کوئی کراہت ہے۔

سوال: بازاروں میں تو عام طور پر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ کپورے بڑے شوق سے کھاتے ہیں تو کیا واقعی ان کا کھانا جائز نہیں؟

جواب: جی ہاں! واقعی اس کا کھانا جائز نہیں ہے اور اس کے عدمِ جواز کو صرف فقہائے اسلام نے ہی بیان نہیں کیا بلکہ ان کی کراہت تو حدیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم یکرہ من الشاة سبعا الدم والمرارة والذکر والانثیین والحیا والغدة والمثانة قال وکان اعجب الیه صلی اللہ علیه وسلم مقدمها

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذبیحہ جانور کے سات اعضاء کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

(وہ سات اعضاء یہ ہیں) خون پتہ، ذکر، کپورے، شرمگاہ، غدود اور مثانہ، فرمایا: اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کے ذبیحہ کا اگلا حصہ (یعنی دستی اور گردن) پسند تھا۔[1]

درمختار میں ہے:

اذا ما ذکیت شاة فکلها سوی سبع ففیهن الوبال فحاء ثم خاء ثم غین۔ودال ثم میمان وذال انتهی فالحاء الحیاء وهوالفرج والخاء الخصیة والغین الغدة والدال الدم المسفوح والمیمان المرارة والمثانة والذال الذکر

ترجمہ: جب بکری ذبح کی گئی تو سات اجزاء کہ جن میں وبال ہے، کے علاوہ کو کھاؤ، سات یہ ہے: حاء، پھر خاء، پھر غین اور دال، پھر دو میم اور ذال، انتہی۔حاء حیا کی وہ شرمگاہ، خاء خصیہ کی، غین غدود کی، دال دمِ مسفوح کی، اور دو میم

[1] سنن الکبری للبیہقی، ج 14، ص 401

مرارہ (پتّہ) اور مثانہ، اور ذال ذَکر ہے۔[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان المأکول سبعة الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدة والمثانة والمرارة

ترجمہ: حلال جانور میں سات اجزاء ایسے ہیں جن کا کھانا حرام ہے۔(1) بہنے والا خون، (2) ذکر یعنی عضوتناسل، (3) کپورے، (4) فرج، (شرمگاہ)، (5) غدود، (6) مثانہ، (7) پتہ۔[2]

فتاوی رضویہ میں جب سوال ہوا کہ ''کہ بدنِ حیوان ماکول اللحم میں کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں؟'' تو آپ علیہ الرحمہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

''سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار کی گئیں: (1) مرارہ یعنی پتہ (2) مثانہ یعنی پھکنا (3) حیا یعنی فرج ''شرمگاہ'' (4) ذکر ''عضو تناسل'' (5) انثیین ''کپورے'' (6) غدہ ''غدود'' (7) دم یعنی خون مسفوح ''بہنے والا خون''۔[3]

اَبلق گھوڑے سوار میں ہے:

''کپورے کو خُصیَہ، فَوطہ یا بَیضَہ بھی کہتے ہیں ان کا کھانا مکروہِ تحریمی ہے۔ یہ بیل، بکرے وغیرہ (نَر یعنی مُذَکَّر) میں نُمایاں ہوتے ہیں۔ مُرغے (نَر) کا پیٹ کھول کر آنتیں ہٹائیں گے تو پیٹھ کی اندرونی سطح پر انڈے کی طرح سفید دو چھوٹے چھوٹے بیج نُما نظر آئیں گے یہی کپورے ہیں۔ ان کو نکال دیجئے۔ افسوس! مسلمانوں کی بعض ہوٹلوں میں دل، کلیجی کے علاوہ بیل، بکرے کے کپورے بھی توے پر بھون کر پیش

---

[1] درمختار، ج10، ص478

[2] فتاوی عالمگیری، ج5، ص290

[3] فتاوی رضویہ، ج20، ص234

کئے جاتے ہیں غالِباً ہوٹل کی زَبان میں اس ڈِش کو''کٹا کٹ'' کہا جاتا ہے۔ (شایداس کو''کٹا کٹ''اِس لئے کہتے ہیں کہ گاہک کے سامنے ہی دِل یا کپورے وغیرہ ڈال کر تیز آواز سے توے پر کاٹتے اور بھونتے ہیں اس سے''کٹا کٹ'' کی آواز گونجتی ہے)۔[1]

سوال: آپ نے کہا کہ اوجھڑی کھانا بھی شرعاً ناجائز ومکروہ ہے تو پھراس حدیثِ مبارک میں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں اوجھڑی پیش کرنے اورآپ کے تناول فرمانے کا کیا مطلب ہوگا؟ حدیثِ مبارکہ یہ ہے:

حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمی ثنا عبد الله بن الحكم بن أبي زياد القطواني ثنا عبيد الله بن موسى عن إبراهيم بن إسماعيل عن حبيبة بنت سمعان عن نسيكة أم عمرو بن جلاس قالت انى لعند عائشة وقد ذبحت شاة لها فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فى يده عصية فألقاها ثم هوى الى المسجد فصلى فيه ركعتين ثم هوى إلى فراشه فانبطح عليه ثم قال هل من غداء فأتيناه بصحفة فيها خبز شعير وفيها كسرة وقطعة من الكرش وفيها الذراع قال فأخذت قطعة من الكرش وانها لتنهشها إذ قالت ذبحنا شاة اليوم فما أمسكنا غير هذا قالت يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لا بل كلها امسكت الا هذا ؟

ترجمہ: ہمیں محمد بن عبداللہ حضرمی نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن حکم بن ابی زیاد قطوانی نے حدیث بیان کی اورانہیں عبیداللہ بن موسیٰ نے ابراہیم بن اسماعیل سے اورانہوں نے حبیبہ بنت سمعان سے اورانہوں نے نسیکہ ام عمرو بن جلاس سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا میں حضرت عائشہ

---

[1] اَبلق گھوڑے سوار، ص40

صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی کہ ان کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے کہ ان کے ہاتھ میں چھوٹا عصا تھا انہوں نے اسے رکھا اور مسجد کی طرف گئے اور دو رکعتیں وہاں پڑھیں، پھر اپنے بستر کے طرف تشریف لائے اور اس پر لیٹ گئے، پھر فرمایا کچھ کھانے کو ہے؟ تو آپ کے بارگاہ میں ایک بڑا پیالہ پیش کیا گیا جس میں جو کی روٹی اور ہڈی مع گوشت کے اور اوجھڑی کا ٹکڑا تھا اور اس میں بکری کا دست تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اوجھڑی کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے دانتوں سے کاٹنا شروع کیا۔اسی وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ آج ہم نے ایک بکری ذبح کی ہے اس کھانے کے علاوہ بقیہ کچھ نہیں رکھا (یعنی سب صدقہ کر دیا ہے) حضور علیہ السلام نے فرمایا: نہیں بلکہ سب کچھ رکھ لیا (یعنی آخرت کے لئے رکھ لیا) سوائے اس بچے ہوئے کے۔

جواب: اوجھڑی کھانا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ خبائث (ناپاک وگندی اشیاء) میں سے ہے، اور اعضاء کے مکروہ ہونے کی علتِ خباثت خود امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی۔اور یہ بات ہر ذی عقل جانتا ہے کہ حلال جانور کے اعضاء مخصوصہ مثلاً عضو تناسل اور فرج وغیرہ ان کا کھانا حرام و ناجائز ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان المأکول سبعۃ الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ

ترجمہ: حلال جانور میں سات اجزاء ایسے ہیں جن کا کھانا حرام ہے (1) بہنے والا خون (2) ذکر یعنی عضو تناسل (3) کپورے (4) فرج (شرمگاہ)

(5) غدود (6) مثانہ (7) پتہ۔''[1]

مذکورہ اشیاء میں سے شرمگاہیں یعنی ذکر و فرج کی حرمت کی علت پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں مقامات سے گندگی گزرتی ہے اور فطرتِ سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے اس وجہ سے شریعتِ مطہرہ نے ان کے کھانے کو حرام فرما دیا جیسا کہ ان سات اشیاء کی حرمت علت بیان کرتے ہوئے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الدم حرام بالنص، والستة نکرهها لانها تکرهها الطبائع

فرمایا: کہ خون نص کے ذریعے حرام اور باقی چھ چیزوں کو ہم مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ طبائع ان سے نفرت کرتی ہیں۔[2]

اور اسی یعنی فتاوی رضویہ میں ہے:

''ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خون تو حرام ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی تحریم منصوص، اور باقی چیزیں میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ سلیم الطبع لوگ ان سے گھن کرتے ہیں اور انہیں گندی سمجھتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ يُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ[3]

ترجمہ: (یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

حاشیۂ علامہ طحطاوی میں ہے:

قال ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه اما الدم فحرام بالنص واکره الباقیة لانها مما تستخبثه الانفس، قال اللہ تعالیٰ ''وَ يُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ

---

[1] فتاوی عالمگیری، ج 5، ص 290

[2] فتاوی رضویہ بحوالہ رحمانیہ، ج 20، ص 239

[3] پارہ 9، سورۃ الاعراف، آیت 157

الْخَبٰٓئِثَ ''

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جبکہ خون کی حرمت تونص (قرآن کی عبارت) سے ثابت ہے، اور باقی کو میں مکروہ (تحریمی) سمجھتا ہوں، کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں لوگ انہیں گندی سمجھتے ہیں، اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا'' وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ ''یعنی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پرسب گندی چیزیں حرام فرمائے گا۔

اسی طرح ینابیع میں ہی کماسیأتی، اورمختار ومعتمد یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے، یہاں تک کہ امام ملک العلماء ابوبکرمسعود کاسانی قدس سرہ نے بلفظ حرمت تعبیر کی۔[1]

اوراگر دیکھا جائے تو یہی گندگی کی علت اوجھڑی میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ کہ ذکر وفرج تو فقط نجاست کی گزرگاہیں ہیں جبکہ اوجھڑی تو گندگی کے ٹھہرنے اور جمع ہونے کا مقام ہے لہٰذا یقیناً فطرتِ سلیمہ اس کو کبھی بھی اچھا نہیں سمجھے گی بلکہ اس سے نفرت ہی کرے گی چنانچہ مذکورہ آیتِ مبارکہ میں خبیث کا موں سے مراد حرام اشیاء مثلاً مردار، خون وغیرہ ہیں اوران کے علاوہ وہ اشیاء بھی داخل ہیں جوفطرتِ سلیمہ کے خلاف ہوں۔

تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال عطاء عن ابن عباس یرید المیتۃ والدم ،واقول کل ما یستخبثہ الطبع وتستقذرہ النفس کان تناولہ سببا للالم

عطاء نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اس سے مراد مرداراور خون ہے، اورمیں کہتا ہوں کہ ہروہ چیز جسے طبیعت براجانے اورنفس گندا سمجھے، اس

---

[1] فتاوی رضویہ، کتاب الذبائح، ج 20، ص 235,234

کا کھانا تکلیف کا باعث ہو (تو وہ خبائث میں شامل ہے)۔[1]

اوراسی طرح تفسیرِ خازن میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے:

هو كل مايستخبثه الطبع وتستقذره النفس

''اوراس سے مراد ہر وہ فعل ہے جس کوفطرت سلیمہ برا سمجھے''۔[2]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''کرش یعنی اوجھڑی اورامعاء یعنی آنتیں بھی اس حکمِ کراہت میں داخل ہیں، بیشک دُبر فرج وذکر سے اورکرش وامعاء مثانہ سے اگرخباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں،فرج وذکر اگرگزرگاہِ بول(پیشاب)ومنی ہیں دُبر گزرگاہ سرگین،مثانہ اگرمعدنِ بول ہے شکنبہ ورودومخزنِ فرث ہیں،اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھئے خواہ اجرائے علتِ منصوصہ۔''[3]

لہٰذا مسلمانوں پرلازم ہے کہ گندی وخبیث چیزیں خواہ وہ اوجھڑی جوکہ منبع و مجمعِ نجاست ہے،ہی کیوں نہ ہواس سے دوررہیں کہ شریعت نے اسی کاانہیں حکم دیاہے اوریہی ان کی شان کے لائق ہے جیسا کہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں پاک وصاف مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ وَالطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ [4]

ترجمہ: اورستھریاں ستھروں کے لیےاورستھرے ستھریوں کے لیے''۔

سوال میں مذکورحدیث کا جواب

اورسوال میں مذکورحدیث کوحکماً بطورِجواز کے نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث

---

[1] تفسیر کبیر،ج5،ص380

[2] تفسیرخازن،ج2،ص258

[3] فتاوی رضویہ،ج20،ص238

[4] پ18،سورۃالنور،آیت26

میں ایک راوی ''ابراہیم بن اسماعیل'' ہےجس کے بارے میں محدثین جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ راوی ضعیف اور کثیر الوھم ہے اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عقائداور احکامِ حلال وحرام کے ثبوت کے لئے حدیثِ ضعیف سے استدلال درست نہیں جیسا کہ سیدی اعلیٰ امام اہلسنت امام احمدرضاخان علیہ رحمۃ الرحمن ارشادفرماتے ہیں:

''یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں کہ حدیثِ ضعیف دربارۂ احکام حجت نہیں ہوتی''

مزیداسی میں ایک مقام پرارشادفرماتے ہیں:

''غیرعقائدواحکامِ حلال وحرام میں حدیثِ ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے''۔[1]

اسی فتاوی رضویہ میں ہے:

''(دربارۂ احکام ضعیف کافی نہیں) دوسرادرجہ احکام کاہے کہ ان کے لئے اگرچہ اُتنی قوت درکارنہیں پھربھی حدیث کاصحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یاحسن لذاتہ یاکم سے کم لغیرہ ہوناچاہیے، جمہورعلماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے (فضائل ومناقب میں باتفاق علماءحدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے)''۔[2]

اور پھرایک طرف تحریمِ خبائث جوکہ مذکورہ آیتِ مبارکہ سے دلالۃً ثابت ہے اوردوسری طرف حدیث کی رو سے اوجھڑی کی حلت حدیثِ ضعیف سے ثابت ہے توحدیثِ ضعیف سے ثابت شدہ حلت،تحریمِ خبائث پرغالب نہیں آسکتی۔

اورفقۂ حنفی کاایک مسلمہ اصول بھی ہے کہ اگرکسی مسئلے کے بارے میں ایک

---

[1] فتاوی رضویہ،ج9،ص651،513

[2] فتاوی رضویہ،ج9،ص478

طرف جواز اور دوسری طرف عدمِ جواز ہوتو عدمِ جواز کو ہی ترجیح دی جاتی ہے لہذا اس اصول کے پیشِ نظر اگر اوجھڑی کے جواز کی دلیل اور عدمِ جواز کی دلیل برابر درجے کی بھی ہوتی تب بھی اوجھڑی کھانے کے عدمِ جواز کو ہی ترجیح دی جائے جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاوی رضویہ میں ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

''کہ اصول کا قاعدہ متفق علیھا ہے اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا اور حاظر مبیح پر مقدم ہوتا ہے''۔[1]

اور حدیثِ مذکور کے راوی کے ضعف کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الہادی کتاب ''تقریب التہذیب'' میں فرماتے ہیں:

''ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع الانصاری، ابواسحاق المدنی، ضعیف، من السابعۃ ایضاً۔''

ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری، ابواسحاق مدنی ضعیف ہیں، ساتویں سے بھی ایسے ہی۔[2]

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الھیثمی المصری کتاب ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' میں سوال میں مذکور حدیث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''رواہ الطبرانی، وفیہ ابراھیم بن اسماعیل بن مجمع، وھو ضعیف''

اس کو طبرانی نے روایت کیا۔ اور اس میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ضعیف ہے۔[3]

---

[1] فتاوی رضویہ، ج14 ص457

[2] تقریب التہذیب، ج1، ص52

[3] مجمع الزوائد، ج5، ص30

اور تہذیب التہذیب فی رجال الحدیث میں ہے:

ابراهيم بن اسماعيل بن مجمع بن يزيد قال ابن معين ضعيف ليس بشيئ۔ وقال أبوزرعه سمعت ابانُعيم يقول لايسوى حديثه فِلسين۔ وقال حاتم كثيرالوهم، ليس بالقوى، يكتب حديثه ، ولايحتج به، وهوقريب من ابن ابى حبيب۔

وقال البخارى كثيرالوهم۔ وقال النسائى ضعيف۔ وقال ابن عدى ومع ضعفه يكتب حديثه۔ قلت وقال الحاكم ابواحمد ليس بالمتين عندهم۔ وقال ابوداود ضعيف، متروك الحديث، سمعت يحيى يقوله ۔ وفى كتاب ابن ابى خيثمة من طريق جعفر بن عون ان ابن مجمع كان أصمّ، وكان يجلس الى الزهرى فلايكاديسمع الابعد كدّ۔ وقال ابن حبان كان يقلب الاسانيد، ويرفع المراسيل

ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع بن یزید کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں کہ یہ ضعیف راوی ہے اور اسکا روایتِ حدیث میں کچھ مقام نہیں، ابوزرعہ کہتے ہیں میں نے ابونعیم کو کہتے ہوئے سنا کہ اسکی روایت کردہ بات چند ٹکوں کے برابر بھی نہیں، ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ بہت وہم کرنے والا شخص تھا قوی نہیں تھا اس کی روایت کردہ حدیث لکھی تو جائے لیکن اس سے دلیل نہ پکڑی جائے اور اسکا شمار ابنِ ابی حبیب کے قریب ہی ہوتا ہے،

امام بخاری نے فرمایا کہ یہ بڑا وہمی تھا، امام نسائی نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے ، ابنِ عدی نے کہا کہ یہ ضعیف ہونے کے باوجود احادیث لکھتا ہے، میں کہتا ہوں امام حاکم نے فرمایا کہ ابواحمد راوی یہ ان کے نزدیک روایتِ حدیث میں پختہ نہیں ہے، امام ابوداؤد فرماتے تھے کہ میں نے یحیٰی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ ضعیف تھا اور حدیث کی قبولیت کے اعتبار سے متروک تھا اور ابنِ ابی خیثمہ کی کتاب میں

جعفر بن عون کے طریق سے مروی ہے کہ ابنِ مجمع راوی یہ بہرا تھا یہ جب امام زہری کی مجلس میں بیٹھتا تو بڑی مشکل سے کلام کو سمجھ پاتا، امام ابنِ حبان نے لکھا کہ یہ احادیث کی اسناد کو الٹ پلٹ دیتا تھا اور مرسل احادیث کو مرفوع کر کے بیان کرتا تھا۔[1]

سوال: اوجھڑی اگر خود نہیں کھا سکتے تو پھر کسی غیر مسلم کو دے دی جائے تو کیسا ہے؟

جواب: دے سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''آنت کھانے کی چیز نہیں پھینک دینے کی چیز ہے وہ اگر کافر لے جائے یا کافر کو دی جائے تو حرج نہیں:

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ج [2]

ترجمہ: گندیاں گندوں کے لئے اور گندے گندیوں کے لئے۔

سوال: دمِ مسفوح سے کیا مراد ہے؟

جواب: ذَبح کے وَقت جو خون نکلتا ہے اُس کو ''دمِ مسفوح'' کہتے ہیں۔ یہ ناپاک ہوتا ہے اس کا کھانا حرام ہے۔ اور ذَبح کے بعد جو خون گوشت میں رَہ جاتا ہے مثلاً گردن کے کٹے ہوئے حصے پر، دل کے اندر کلیجی اور تلّی میں اور گوشت کے اندر کی چھوٹی چھوٹی رگوں میں یہ اگرچہ ناپاک نہیں مگر اس خون کا بھی کھانا ممنوع ہے۔ لٰہذا پکانے سے پہلے اچھی طرح صفائی کر لینی چاہیے۔ گوشت میں کئی جگہ چھوٹی چھوٹی رگوں میں خون ہوتا ہے ان کی نگہداشت کافی مشکل ہے، پکنے کے بعد وہ رگیں کالی ڈوری کی طرح ہو جاتی ہیں۔ خاص کر بھیجے، سری پائے اور مُرغی کی ران اور پَر کے گوشت وغیرہ میں باریک کالی ڈوریاں دیکھی جاتی ہیں کھاتے وقت ان کو نکال

---

[1] تہذیب التہذیب فی رجال الحدیث، ج 1، ص 100

[2] پ 18، سورۃ النور، آیت 26۔ فتاوی رضویہ، ج 20، ص 457

دیا کریں۔مُرغی کا دل بھی ثابت نہ پکائیے،لمبائی میں چار چِیرے کر کے اِس کا خون پہلے اچھی طرح صاف کر لیجئے۔

سوال: حرام مغز سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ سفید ڈورے کی طرح ہوتا ہے جو کہ بھیجے سے شروع ہو کر گردن کے اندر سے گزرتا ہوا پوری ریڑھ کی ہڈی میں آخِر تک جاتا ہے۔ماہر قصاب گردن اور ریڑھ کی ہڈی کے بیچ سے دو پر کالے یعنی دو ٹکڑے کر کے حرام مغز نکال کر پھینک دیتے ہیں۔مگر بارہا بے احتیاطی کی وجہ سے تھوڑا بہت رہ جاتا ہے اور سالن وغیرہ میں پک بھی جاتا ہے۔چنانچہ گردن، چانپ اور کمر کا گوشت دھوتے وقت حرام مغز تلاش کر کے نکال دیا کریں۔یہ مُرغی اور دیگر پرندوں کی گردن اور ریڑھ کی ہڈی میں بھی ہوتا ہے، پکانے سے قبل اس کو نکالنا بہت مشکل ہے لہٰذا کھاتے وقت نکال دینا چاہیے۔

سوال: پٹھوں سے کون سا حصہ مراد ہے؟

جواب: گردن کی مضبوطی کے لئے اس کی دونوں طرف پیلے رنگ کے دو لمبے لمبے پٹھے کندھوں تک کھِچے ہوئے ہوتے ہیں۔اِن پٹّھوں کا کھانا ممنوع ہے۔گائے اور بکری کے تو آسانی سے نظر آجاتے ہیں مگر مُرغی اور پرندوں کی گردن کے پٹّھے بآسانی نظر نہیں آتے، کھاتے وقت ڈھونڈ کر یا کسی جاننے والے سے پوچھ کر نکال دیجئے۔

سوال: غُدُودوں کی کیا پہچان ہوگی؟

جواب: گردن پر، حلق میں اور بعض جگہ چربی وغیرہ میں چھوٹی بڑی کہیں سُرخ اور کہیں مٹیالے رنگ کی گول گول گانٹھیں ہوتی ہے ان کو عربی میں غَدَّہ اور اُردو میں غُدُود کہتے ہیں۔یہ بھی مت کھائیے، پکانے سے پہلے ڈھونڈ کر نکال دیجئے۔اگر پکے ہوئے

گوشت میں بھی نظر آجائے تو نکال دیجئے۔

سوال: کیا قربانی کے جانور کا چمڑا (کھال) کھانا حلال ہے؟

جواب: جی ہاں! مذبوح حلال جانور کا چمڑا کھانا شرعاً جائز ہے اگرچہ گائے، بھینس ،بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''مذبوح حلال جانور کی کھال بیشک حلال ہے۔شرعاًاس کا کھانا ممنوع نہیں۔اگرچہ گائے بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔[1]

سوال: کیا قربانی کے جانور کے گردے کھانا حلال ہے؟

جواب: جی ہاں! حلال ہیں کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں جنہیں علمائے کرام نے ناجائز یا ممنوع کہا ہے،جیسا کہ ان چیزوں کا بیان اوپر گزر چکا۔

❀ ❀ ❀

---

[1] فتاوی رضویہ ج20، ص233، 234

نواں باب:

قربانی کے جانور کی کھال کے احکام

سوال: آجکل بعض لوگ قصاب سے جانور ذبح کرنے کے بدلے بطورِ معاوضہ قربانی کا گوشت یا کھال دینا طے کر لیتے ہیں تو کیا قربانی کا گوشت یا کھال بطورِ معاوضہ قصاب کو دینا جائز ہے؟

جواب: قربانی کا گوشت ہو یا کھال قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

سنن کبریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

امرنی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ان اقوم علی بدنه وان اقسم جلودها وجلالها وامرنی ان لااعطی الجازر منها شیئا وقال نحن نعطیه من عندنا

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے اونٹوں کی طرف جاؤں اور یہ کہ ان کی کھالوں اور جل کو تقسیم کروں اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ ان کی کھال میں سے کچھ بھی قصاب کو اجرت میں نہ دوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم قصاب کی اجرت اپنے پاس سے دیتے تھے۔[1]

بحر الرائق میں ہے:

ولا یعطی اجرۃ الجزار منها شیئا، لانه فی معنی البیع

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی، ج14، ص243

اورقربانی کے جانور میں سے کوئی چیز ذبح کرنے والے (قصائی) کو بطور اجرت نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ یہ بیع کے معنیٰ میں ہے۔

اسی طرح تبیین الحقائق اور ہدایہ وغیرھا کتب میں ہے۔

ولایعطی اجرالجزار من الاضحیة

اورقربانی میں سے کوئی چیز قصاب کواجرت میں نہیں دی جاسکتی۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''قصاب کا قربانی میں کوئی حصہ نہیں، (بغیر کسی اجرت کے) دینے کا اختیار ہے، مگر قصاب کی اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام ہے''۔[2]

یونہی بہارِشریعت میں ہے:

''قربانی کاچمڑا یا گوشت یا اس میں کوئی چیز قصاب یا ذبح کرنے والے کواجرت میں نہیں دے سکتا کہ اس کو اجرت میں دینا بھی بیچنے ہی کے معنی میں ہے''۔[3]

البتہ اگر کھال اس کے ہاتھ اس نیت سے بیچ دی کہ اس کی رقم میں صدقہ کردوں گا تو کوئی حرج نہیں۔

سوال: کیا قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے؟

جواب: قربانی کی کھال امام مسجد کو دینے کے بارے میں فتاوی رضویہ میں ہے:

''قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے، لیکن اگر اس کی اجرت اور تنخواہ میں دیں تو اس کی دوصورتیں ہیں، اگر وہ اپنا اجیر (ملازم) ہے تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں، اور اگر وہ مسجد کا اجیر (ملازم) ہے اور کھال مہتمِم مسجد کو مسجد کے لئے دیدی

---

[1] الھدایہ، کتاب الاضحیة، ج04، ص451

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص449

[3] بہارشریعت، ج03، حصہ15، ص346

اس نے مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دے دی تو اس میں کچھ حرج نہیں''۔[1]

سوال: قربانی کی کھال اور کن کن کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب: مصارفِ خیر یعنی قربانی کی کھال کسی بھی بھلائی کے کام میں صرف کر سکتے ہیں مثلاً یتامی و بیوگان و مساکین کو دیں یا مساجد کے مصارف مستحبہ میں صرف کرنا یا سنی مدارسِ دینیہ میں امداد علم دین کے لئے دینا یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

لقوله صلى الله عليه وسلم كلوأ وادخروأوائتجروا

''یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کھاؤ، ذخیرہ بناؤ، اور ثواب کماؤ''۔[2]

سوال: کیا قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا بھی جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! قربانی کی کھالیں اپنے استعمال میں لانے میں کوئی حرج نہیں۔

درمختار میں ہے:

ويتصدق بجلدهااويعمل منه نحوغربال وجراب وقربة وسفرة ودلوأويبدله لما ينتفع به باقيا

''اور قربانی کے جانور کی کھال کو صدقہ کرے یا اس سے چھلنی، جراب، پانی کی مشک، دسترخوان، ڈول جیسی چیزیں بنائے یا اس کو ایسی چیز سے بدل دے جسے باقی رکھ کر فائدہ اٹھایا جائے''۔[3]

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی کی کھال کو خود اپنے کام میں بھی لا سکتے ہیں یعنی اس کو باقی رکھتے ہوئے اپنے کسی کام میں لایا جا سکتا ہے مثلاً اس کی جانماز بنالے، چلنی، تھیلی، مشکیزہ،

---

[1] فتاوی رضویه، ج 20، ص 477

[2] فتاوی رضویه، ج 20، ص 473

[3] درمختار، ج 9، ص 475,474

دسترخوان، ڈول وغیرہ بنائے یا کتابوں کی جلدوں میں لگائے یہ سب کرسکتا ہے چمڑے کا ڈول بنایا تو اسے اپنے کام میں لائے قربانی کے چمڑے کو ایسی چیزوں سے بدل سکتا ہے جس کو باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھایا جائے جیسے کتاب اور ایسی چیز سے بدل نہیں سکتا جس کو ہلاک کرکے نفع حاصل کیا جاتا ہو جیسے اسے بیچ کر روٹی گوشت، سرکہ، روپیہ، پیسہ وغیرہ حاصل کرنا''۔[1]

سوال: قربانی کی کھال کسی سید صاحب کو یا اپنے والدین کو دینا کیسا ہے؟

جواب: قربانی کی کھال ساداتِ کرام کو دینا جائز ہے، اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے، شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے، وہ بنیتِ تصدق ہو تو صدقۂ نافلہ ہے ورنہ ہدیہ، سقا (یعنی پانی بھرنے والے) کو دینے میں بھی حرج نہیں۔[2]

سوال: قربانی کی کھال مسجد میں دینا کیسا ہے؟

جواب: قربانی کی کھالیں جب اپنے استعمال میں لانا جائز ہیں تو بلاشبہ مسجد میں بھی دے سکتے ہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن سے جب اسی قسم کا ایک سوال پوچھا گیا تو جواباً آپ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا:

''ہاں جِلد براہِ راست صرف کی جا سکتی ہے''۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وائتجروا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اجر و ثواب کماؤ۔[3]

فتاوی امجدیہ میں ہے:

---

[1] فتاوی رضویہ، ج 20، ص 451

[2] فتاوی رضویہ، ج 20، ص 415

[3] فتاوی رضویہ، ج 20، ص 502

''قربانی کی کھال مسجد میں بھی دے سکتے ہیں۔

حدیث میں فرمایا:

کلوا وادخروا وائتجروا

(یعنی کھاؤ، جمع کرو اور اجر و ثواب کماؤ)

البتہ اگر وہ کھال اس لئے بیچی کہ قیمت اپنے تصرف میں لائے تو اب اس قیمت کو مسجد میں صرف نہیں کرسکتا، بلکہ اس کا تصدق مساکین پر واجب ہے۔[1]

❀ ❀ ❀

---

[1] فتاوی امجدیہ، ج3، ص316,315

دسواں باب:

عیدین کا بیان

عیدین کی شرعی حیثیت

عیدین (یعنی عید الفطر اور بقر عید) کی نماز واجب ہے مگر سب پر نہیں بلکہ انہی لوگوں پر واجب ہے جن پر نمازِ جمعہ فرض ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو نمازِ جمعہ کے لئے ہیں بس اتنا فرق ہے کہ نمازِ جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور عیدین میں سنت ہے اگر جمعہ میں خطبہ نہ پڑھا گیا تو جمعہ ادا نہ ہوا اور عیدین میں نہ پڑھا گیا تو نماز ہوگئی مگر ایسا کرنا برا ہے۔

اور جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہے جبکہ عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہے، عیدین میں نہ اذان ہے، نہ اقامت، اور بلا وجہ عید کی نماز چھوڑنا گمراہی اور سخت گناہ کا کام ہے۔ عیدین کی نماز کا وقت ایک نیزہ سورج بلند ہونے یعنی سورج نکلنے کے بیس منٹ بعد سے زوال سے پہلے تک ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

تجب صلاۃ العید علی کل من تجب علیہ صلاۃ الجمعۃ کذا فی الہدایۃ ویشترط للعید ما تشترط للجمعۃ الا الخطبۃ کذا فی الخلاصۃ۔ فانہا سنۃ بعد الصلاۃ وتجوز الصلاۃ بدونہا وان خطب قبل الصلاۃ جاز و یکرہ کذا فی محیط السرخسی۔ ولا تعاد الخطبۃ بعد الصلاۃ کذا فی فتاوی

قاضی خان

عید کی نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نمازِ جمعہ فرض ہے ایسے ہی ہدایہ میں ہے، اور اس کے اداء کی بھی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں سوائے خطبہ کے ایسے ہی خلاصہ میں ہے، کیونکہ نمازِ عید میں خطبہ نماز کے بعد سنت ہے اور اس کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے اور اگر خطبہ پہلے پڑھ لیا تو نماز ہو گئی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے ایسے ہی محیط سرخسی میں ہے، اور اس صورت میں نماز کے بعد خطبہ کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔[1]

''بہارِ شریعت'' میں ہے:

''عیدین کی نماز واجب ہے مگر سب پر نہیں بلکہ انہیں پر جن پر جمعہ واجب ہے اور اس کی ادا کی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور عیدین میں سنت اگر جمعہ میں خطبہ نہ پڑھا تو جمعہ نہ ہوا اور اس میں نہ پڑھا تو نماز ہو گئی مگر بُرا کیا، دوسرا فرق یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ قبل نماز ہے اور عیدین کا بعد نماز، اگر پہلے پڑھ لیا تو بُرا کیا، مگر نماز ہو گئی لوٹائی نہیں جائے گی اور خطبہ کا بھی اعادہ نہیں اور عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت صرف دوبار اتنا کہنے کی اجازت ہے۔ الصلوٰۃ جامعۃ''۔[2]

نمازِ عیدین کی نیت

نیت کی میں نے دو رکعت واجب نماز عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی، ساتھ زائد چھ تکبیروں کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے پیچھے اس امام کے، مُونھ خانہ کعبہ شریف کی طرف اور پھر امام کے ساتھ تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لیں۔

---

[1] عالمگیری، ج 1 ص 150

[2] بہارِ شریعت، عیدین کا بیان، ج 1، حصہ 4، ص 779

نمازِ عید کا طریقہ

نمازِ عید کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت واجب عید الفطر یا عید الضحیٰ کی نیت کر کے کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور ''اللہ اکبر'' کہہ کر ہاتھ باندھ لے پھر ثناء پڑھے، پھر کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور ''اللہ اکبر'' کہتا ہوا ہاتھ چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور ''اللہ اکبر'' کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور ''اللہ اکبر'' کہہ کر ہاتھ باندھ لے یعنی پہلی تکبیر میں ہاتھ باندھ لے، اس کے بعد دو تکبیروں میں ہاتھ لٹکائے، پھر چوتھی تکبیر میں باندھ لے، اس کو یوں یاد رکھئے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لئے جائیں اور جہاں پڑھنا نہیں وہاں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں پھر امام ''اَعُوذُ'' اور ''بسم اللہ'' آہستہ پڑھ کر جہر کے ساتھ الحمد اور سورت پڑھے پھر رکوع کرے۔

دوسری رکعت میں پہلے الحمد و سورت پڑھے پھر تین بار کان تک ہاتھ لے جا کر اللہ اکبر کہے اور ہاتھ نہ باندھے اور چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے للہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے، اس سے معلوم ہو گیا کہ عیدین میں زائد تکبیریں چھ ہوئیں، تین پہلی قرأت سے پہلے اور تکبیر تحریمہ کے بعد اور تین دوسری میں قرأت کے بعد، اور تکبیر رکوع سے پہلے اور ان چھوؤں تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیح کی قدر سکتہ کرے اور عیدین میں مستحب یہ ہے کہ پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون پڑھے یا پہلی میں سَبِّحِ اسْمَ اور دوسری میں ھَلْ اَتٰىكَ۔''[1]

---

[1] از بہارِ شریعت، ج1، حصہ4، ص781

نمازِ عید کے مسائل

سوال: نمازِ عیدین کی زائد تکبیرات کتنی ہے؟

جواب: فقہ حنفی میں نماز عیدین کی زائد تکبیرات 6 ہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

التکبیرات الزوائد ستا ثلاثافی الاولی وثلاثا فی الاخری وھذا روایة ابن مسعود بھا اخذ اصحابنا

نماز عید میں زائد تکبیریں 6 ہیں 3 پہلی رکعت میں اور 3 دوسری رکعت میں اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور ہمارے آئمہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔"[1]

کتاب الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

ویصلی الامام بالناس رکعتین یکبر تکبیرة الاحرام و ثلاثا بعدھا ثم یقرأ الفاتحة وسورة ثم یکبرویرکع ویبدأ فی الثانیة بالقراءة ثم یکبرثلاثا وأخری للرکوع وھذا قول عبد اللہ بن مسعود......ویرفع یدیه فی الزوائد

امام لوگوں کو نماز عید کی دو رکعتیں اس طرح پڑھائے گا کہ تکبیر تحریمہ کہے گا اور اس کے بعد تین تکبیریں مزید کہے گا پھر سورہ فاتحہ اور سورت پڑھے گا پھر تکبیر کہے گا اور رکوع کرے گا اور دوسری رکعت کی ابتداء میں قرآءت کرے گا پھر تین تکبیریں کہے گا اور رکوع کے لیے ایک اور تکبیر کہے گا اور یہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے،......اور تکبیراتِ زوائد میں اپنے ہاتھوں کو اٹھائے گا۔[2]

---

[1] عالمگیری، ج1، ص150

[2] الاختیار لتعلیل المختار، ج1، ص114

سوال: نمازعیدین میں چھ زائد تکبیریں اوران میں رفع یدین کرنا کہاں سے ثابت ہے؟

جواب: نمازعیدین کی چھ زائد تکبیریں اوران میں رفع یدین کرنے کا ثبوت متعدد احادیث کریمہ میں موجود ہے۔جن کو بہت سے آئمۂ حدیث نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر کے ان کو صحیح قرار دیا۔

امام ابن ابی شیبہ ''المصنف'' میں اور امام ہیثمی ''مجمع الزوائد'' میں حدیث پاک روایت کرتے ہیں:

عن کردوس قال قدم سعید بن العاص فی ذی الحجۃ فارسل الی عبد اللہ وحذیفۃ وابن مسعود الانصاری وابی موسی الاشعری فسالھم عن التکبیر فاسندوا امرھم الی عبد اللہ فقال عبد اللہ یقوم فیکبر ثم یکبر ثم یکبر فیقرء ثم یکبر ویرکع ویقوم فیقرء ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر الرابعۃ ثم یرکع

ترجمہ: کردوس بیان کرتے ہیں کہ ذوالحجہ میں سعید بن العاص آئے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابومسعود انصاری اورابو موسی اشعری رضی اللہ عنہم کے پاس ایک قاصد بھیج کر عیدین کی تکبیرات کے بارے میں سوال کیا تو تمام صحابہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا آپ اس سوال کا جواب دیں حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ (عید پڑھنے کے لئے) کھڑا ہو(اور تکبیر تحریمہ کے بعد) تکبیر کہے پھر تکبیر کہے پھر تکبیر کہے اس کے بعد قراءت شروع کرے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے پھر دوسری رکعت میں کھڑا ہو قراءت کرے پھر تکبیر کہے پھر تکبیر کہے پھر تکبیر کہے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔اورامام ہیثمی علیہ الرحمہ نے ''مجمع الزوائد'' اسی حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں اتنا اضافہ فرمایا ''فما أنکرہ احد منھم۔

رواه الطبرانی فی الکبیر، ورجاله موثقون" کسی صحابی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ اورامام طبرانی نے اس حدیث کو "المعجم الکبیر" میں روایت کیا، اوراسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔ [1]

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ "کتاب الآثار" میں روایت نقل فرماتے ہیں:

عن ابراهیم انه قال خرج الولید بن عقبة الی ابن مسعود وحذیفة وابی موسی رضی الله تعالی عنهم فقال ان عید کم غدا فکیف اصلی فقال یاابا عبد الرحمن اخبره فقال ابدء بالصلوة بلااذان ولااقامة کبرفی الاولی خمسا اربعة قبل القراءة ثم اقراء وکبر الخامسة فارکع بهاثم قم فاقراء ووال مابین القراء تین ثم کبر اربعا وارکع باخرهن

ترجمہ: ابراہیم کہتے ہیں کہ ولید بن عقبہ حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، اور حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور کہا کل تمہاری عید ہے میں کس طرح نماز پڑھوں؟ حضرت ابوموسی نے کہا اے ابوعبدالرحمن! (حضرت ابن مسعود کی کنیت) اس کو مسئلہ بتلایئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا بغیر اذان واقامت کے نماز شروع کرواور پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں کہو چار تکبیریں قراءت سے پہلے (ایک تکبیر تحریمہ اور عیدین کی تین زائد تکبیرات) پھر قراءت کرو پھر پانچویں تکبیر کے ساتھ رکوع کرو پھر کھڑے ہو کر الحمد اور سورت کو ملاؤ پھر چار تکبیریں کہو اور چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع کرلو۔ [2]

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

فقال ابن مسعود: یکبر أربعا، ثم یقرأ، ثم یکبر فیرکع، ثم یقوم فی

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، ج1، ص495

[2] کتاب الآثار لأبی یوسف، ج1، ص59

الثانیۃ فیقرأ، ثم یکبر أربعا بعد القراءۃ

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: (بشمول تکبیر تحریمہ) چار تکبیریں کہے، پھر قراءت کرے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے، پھر دوسری رکعت میں کھڑا ہو کر قراءت کرے، پھر قراءت کے بعد (بشمول تکبیر رکوع) چار تکبیریں کہے۔[1]

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن جریج قال: قلت لعطائ: یرفع الامام یدیہ کلما کبر ھذا التکبیر الزیادۃ فی صلاۃ الفطر (رحمہ اللہ)؟ قال: نعم، ویرفع الناس ایضا۔

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ کیا امام عید الفطر کی چھ زائد تکبیریں کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھائے گا؟ تو حضرت عطاء نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہاں ہر زائد تکبیر کہتے وقت امام اپنے ہاتھوں کو اٹھائے گا اور مقتدی بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھائیں گے۔[2]

سننِ کبریٰ میں ہے:

عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم......یرفعھما فی کل تکبیرۃ یکبرھا قبل الرکوع، حتی تنقضی صلاتہ

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (عیدین کی نماز میں) رکوع کی تکبیر سے پہلے والی ہر تکبیر میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز مکمل ہو جاتی۔[3]

بدائع الصنائع میں ہے:

---

[1] مصنف عبد الرزاق، ج3، ص167

[2] مصنف عبد الرزاق، ج3، ص169

[3] سنن الکبری، ج5، ص72

من الحدیث المشہور؛ لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن و ذکر من جملتها تکبیرات العید

ترجمہ: حدیث مشہور میں ہے: ''ہاتھوں کو صرف سات جگہ اٹھایا جائے گا'' اور ان میں سے ایک جگہ ''عید کی زائد تکبیروں میں ہاتھ اٹھانا ہے۔''[1]

سوال: امام صاحب عید کی نماز پڑھاتے ہوئے زائد تکبیریں بھول جائیں یا بعض بھول کر چھوڑ دیں تو کیا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا؟

جواب: نماز عید کی زائد تکبیریں بھولے سے چھوڑ دیں، یا بعض بھول گیا یا بھولے سے زائد کہہ دیں تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا لیکن فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر جماعت کثیر ہو تو سجدۂ سہو نہ کرنا بہتر ہے۔

بدائع الصنائع، بحر الرائق اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

تکبیرات العیدین اذا ترکها أو نقص منها أو زاد علیها أو أتی بها فی غیر موضعها فانه یجب علیه السجود

عید کی تکبیرات جب امام نے سب بھولے سے چھوڑ دیں یا بعض بھول گیا یا بھولے سے زائد کہیں یا غیر محل میں کہیں تو امام پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔[2]

نمازِ عیدین و جمعہ میں سجدۂ سہو نہ کرنے کے بارے میں ''نور الایضاح'' میں ہے:

ولا یاتی الامام بسجود السهو فی الجمعة والعیدین

''اور امام جمعہ و عیدین میں سجدۂ سہو نہیں کرے گا''

اسی کے تحت مراقی الفلاح میں ہے:

---

[1] بدائع الصنائع، ج 1، ص 621

[2] بدائع الصنائع، ج 1، ص 406، بحر الرائق، ج 2، ص 170، عالمگیری، ج 1، ص 128

دفعاً للفتنة بکثرۃ الجماعة

وہ فتنہ جو کثرت جماعت کی وجہ سے ہوسکتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے۔[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

مشا یخنا قالوا لا یسجد للسھو فی العیدین والجمعة لئلا یقع الناس فی فتنة کذافی المضمرات ناقلاً عن المحیط

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ عیدین و جمعہ میں سجدۂ سہو نہیں کرے گا کہ کہیں لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔[2]

درمختار میں فرماتے ہیں:

السھو فی صلاۃ العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمه فی الاولیین

سجدۂ سہو نماز عید، جمعہ، فرض اور نفل میں برابر ہے اور متأخرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ سجدۂ سہو پہلی دو صورتوں (نماز عید اور جمعہ) میں نہ ہو۔

اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ ''ردالمحتار'' میں فرماتے ہیں:

انه لیس المراد عدم جوازہ بل الاولی ترکه لئلایقع الناس فی فتنة

سجدۂ سہو نہ ہونے سے مراد سجدۂ سہو کا ناجائز ہونا نہیں بلکہ ترک بہتر ہے تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔[3]

بہارشریعت میں تحریر فرماتے ہیں:

''عیدین کی سب تکبیریں یا بعض بھول گیا یا زائد کہیں یا غیر محل میں کہیں ان

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص465

[2] عالمگیری، ج1، ص128

[3] ردالمحتار علی الدرالمختار، ج2، ص560

سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے...... جمعہ وعیدین میں سہو واقع ہوا اور جماعت کثیر ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے۔'' [1]

سوال: امام اگر بھول کر چھ سے زائد تکبیریں کہے تو مقتدی کو ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: امام اگر بھول کر چھ سے زائد تکبیریں کہے تو مقتدی بھی اس کی پیروی کرے لیکن اگر اس نے تیرہ سے زائد تکبیریں کہیں تو پھر تیرہ سے زائد میں مقتدی پیروی نہ کرے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''امام نے چھ تکبیروں سے زیادہ کہیں تو مقتدی بھی امام کی پیروی کرے مگر تیرہ سے زیادہ میں امام کی پیروی نہیں''۔ [2]

سوال: پہلی رکعت میں اگر مقتدی اس وقت شامل ہوا جب امام پہلی رکعت کی زائد تکبیریں کہہ چکا تھا تو اس وقت میں مقتدی زائد تکبیریں کب کہے گا؟

جواب: پہلی رکعت میں امام کے تکبیر کہنے کے بعد مقتدی شامل ہوا تو اسی وقت تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو اور اگر اس نے ابھی تکبیریں نہ کہیں تھیں کہ امام رکوع میں چلا گیا تو کھڑے کھڑے نہ کہے بلکہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے اور رکوع کی تکبیر کہے اور اگر مقتدی ایسے وقت میں آیا کہ اس نے امام کو رکوع میں پایا اور غالب گمان یہ ہو کہ تکبیریں کہہ کر امام کو رکوع میں پالے گا تو کھڑے کھڑے تکبیریں کہے پھر رکوع میں شامل ہو جائے ورنہ تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں تکبیریں کہہ لے پھر اگر اس نے رکوع میں تکبیریں پوری نہ

---

[1] بہارشریعت، ج1، ص714

[2] بہارِ شریعت، ج1، حصہ 4، ص782

کی تھیں کہ امام نے سر اٹھالیا تو جتنی باقی رہ گئیں تھیں، سب ساقط ہوگئیں اور اگر امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب اپنی پڑھے اس وقت کہے اور رکوع میں جہاں تکبیر کہنا بتایا گیا ہے اس میں ہاتھ نہ اٹھائے بلکہ بغیر ہاتھوں کو اٹھائے ہی تکبیریں کہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''پہلی رکعت میں امام کے تکبیر کہنے کے بعد مقتدی شامل ہوا تو اسی وقت تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو اور تین ہی کہے اگرچہ امام نے تین سے زیادہ کہی ہوں اور اگر اس نے تکبیریں نہ کہیں کہ امام رکوع میں چلا گیا تو کھڑے کھڑے نہ کہے بلکہ امام کے ساتھ رکوع میں جائے اور رکوع میں تکبیر کہہ لے اگر امام کو رکوع میں پایا اور غالب گمان ہے کہ تکبیریں کہہ کر امام کو رکوع میں پالے گا تو کھڑے کھڑے تکبیریں کہے پھر رکوع میں جائے ورنہ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے اور رکوع میں تکبیریں کہے پھر اگر اس نے رکوع میں تکبیریں پوری نہ کی تھیں کہ امام نے سر اٹھالیا تو باقی ساقط ہوگئیں اور اگر امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب اپنی پڑھے اس وقت کہے اور رکوع میں جہاں تکبیر کہنا بتایا گیا اس میں ہاتھ نہ اٹھائے اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو پہلی رکعت کی تکبیریں اب نہ کہے بلکہ جب اپنی فوت شدہ پڑھنے کھڑا ہو اس وقت کہے اور دوسری رکعت کی تکبیریں اگر امام کے ساتھ پا جائے فبہا ورنہ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو پہلی رکعت کے بارہ میں ہے''۔[1]

سوال: کیا عیدین کی نماز مسجد میں پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: نمازِ عیدین مسجد میں ادا کرنا جائز تو ہے لیکن سنت نہیں اور اس کے لئے مسنون

---

[1] بہارِ شریعت، ج 1، حصہ 4، ص 782

ومستحب یہ ہے کہ عیدگاہ میں ادا کی جائے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:

استحباب خروج الإمام مع القوم إلى مصلى العيد

ترجمہ: امام کا قوم کے ساتھ عیدگاہ کی طرف نکلنا مستحب ہے۔[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الخروج الى الجبانة فی صلاۃ العيد سنة و ان كان يسعهم المسجد الجامع على هذا عامة المشائخ وهو الصحيح

جماعت کے لئے جبانہ (نماز کی وہ جگہ جو جنگل میں بنائی جائے) کی طرف نکلنا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں لوگوں کی گنجائش ہو، اسی پر عامہ مشائخ ہیں اور یہی صحیح ہے۔[2]

فتاوی رضویہ میں ہے:

"عامہ کتب مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح ہے کہ نماز عیدین بیرون شہر مصلی یعنی عیدگاہ میں پڑھنی مندوب ہے، مستحب ہے، افضل ہے، مسنون ہے، فرض نہیں کہ شہر میں ادا ہی نہ ہو واجب نہیں کہ شہر میں پڑھنا مطلقا گناہ ہو......

بحر میں ہے:

التوجه الى المصلى مندوب كما افاده فی التجنيس وان كانت صلوٰة العيد واجبة حتى لوصلى العيد فی الجامع و لم يتوجه الى المصلى فقد ترك السنة

یعنی عیدگاہ کی طرف جانا مندوب ہے جیسا کہ تجنیس میں ہے اگرچہ نماز عید واجب ہے حتی کہ اگر کسی نے جامع مسجد میں عید پڑھی اور عیدگاہ کی طرف نہیں

---

[1] عمدۃ القاری، ج3، ص403

[2] فتاوی عالمگیری، ج1، ص150

گیا تو اس نے سنت کو ترک کیا۔[1]

مزید اسی میں ایک مقام پر فرمایا:

رفتن عیدگاہ سنت ست فی الدرالمختار الخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع ھوالصحیح اما واجب نیست اگر بہ مسجد شہر نماز گزارند قطعا درست و بے خلل باشد اگرچہ ترک سنت کردہ باشند، فی ردالمحتار الواجب مطلق التوجہ لا التوجہ الی خصوص الجبانۃ

یعنی عیدگاہ کی طرف جانا سنت ہے، درمختار میں ہے جماعتِ عید کے لئے جبانہ (نماز کی وہ جگہ جو جنگل میں بنائی جائے) کی طرف نکلنا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں لوگوں کی گنجائش ہو، اور یہی صحیح ہے لیکن نکلنا واجب نہیں اگر کسی نے شہر کی مسجد میں نماز پڑھ لی تو یقینا درست ہے اس میں کوئی کمی نہیں اگرچہ سنت کا ترک ہوا ہے، ردالمحتار میں ہے کہ جو چیز واجب ہے وہ مطلقاً نکلنا ہے نہ کہ مخصوص جبانہ کی طرف نکلنا''۔[2]

سوال: دیہات میں عیدین کی نماز پڑھنے کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

جواب: علمائے کرام نے ایسے دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز کو درست قرار دیا ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اہل جمعہ یعنی وہاں کے جن افراد پر جمعہ فرض ہو، نہ سما سکیں اور وہ مسجد ان پر تنگ پڑ جائے اور ایسی جگہ جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے:

---

[1] فتاوی رضویہ، ج8، ص561

[2] فتاوی رضویہ، ج8، ص587

المصر وهو مالا يسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها وعليه فتوى اكثر الفقهاء

شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے جمعہ کے مکلفین کی گنجائش نہ ہو اور اسی پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے۔

اس عبارت کے تحت ''ردالمحتار'' میں ہے:

وقال ابو شجاع هذا احسن ماقيل فيه وفى الولوالجية وهو صحيح بحر

اور ابو شجاع نے فرمایا: کہ یہ اس بارے میں سب سے بہتر قول ہے جو اس کے متعلق کہا گیا اور ولوالجیہ میں ہے: بحر میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔[1]

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

﴿وعنه﴾ اى عن ابى يوسف ﴿انهم﴾ اى ان من تجب عليهم الجمعة من الرجال البالغين الاحرار لا من يكون هناك من الصبيان والنساء والعبيد ﴿اذا اجتمعوا فى اكبر مساجدهم لم يسعهم﴾ فاذا كان كذلك يكون مصرا جامعا

(اور ان سے) یعنی امام ابو یوسف سے ہے (جب وہ) یعنی وہ لوگ جن پر جمعہ لازم ہے بالغ آزاد مرد، نہ کہ وہاں کے بچے، خواتین اور غلام، جب جمعہ کے اہل وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں ان کی گنجائش نہ رہے) جب ایسی صورت ہو تو وہ جگہ مصر جامع ہو گی۔[2]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''ایک روایتِ نادرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ آئی کہ جس

---

[1] درمختار مع ردالمحتار، ج3، ص5

[2] بنایه شرح ہدایه، ج3، ص53

آبادی میں اتنے مسلمان، مرد، عاقل، بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سماسکیں یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحت جمعہ کیلئے شہر سمجھی جائے گی...... جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایتِ نوادر کی بنا پر جمعہ وعیدین ہو سکتے ہیں''۔[1]

سوال: نمازِ ظہر وعصر کی جماعت میں قراءت اونچی آواز نہیں کرتے جبکہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں تو اونچی آواز سے قرأت کرتے ہیں ان دونوں میں فرق کیا ہے؟

جواب: شروعِ اسلام میں کفار کا غلبہ تھا اور وہ قرآن شریف سن کر اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کے الفاظ بکتے تھے اور ان ہی دو وقتوں میں وہ اپنے گھروں سے باہر آوارہ گھومتے تھے اس لیے بلند آواز سے قرأت منع فرمادی گئی اور جمعہ وعیدین میں چونکہ نمازیوں کی کثرت ہوتی تھی تو اسی کثرتِ حاضرین کی وجہ سے اسے جائز ہی رکھا گیا اور ممانعت نہ کی گئی۔

درمختار میں ہے:

وكان عليه الصلاة والسلام يجهر في الكل ثم تركه في الظهر والعصر لدفع اذى الكفار

پہلے پہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نمازوں میں جہری قراءت فرماتے تھے پھر کفار کی اذیت کو دور کرنے کے لئے ظہر وعصر میں (جہری قراءت) ترک فرما دی۔[2]

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ اللہ القوی ظہر وعصر میں آہستہ قراءت کرنے کی وجہ

---

[1] فتاوی رضویہ، ج8، ص 347

[2] درمختار، ج2، ص 251

تحریر فرماتے ہیں:

''اس لئے کہ شروع اسلام میں کفار کا غلبہ تھا وہ قرآن شریف سن کر ربّ تعالیٰ اور جبریل علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں بکواس بکتے تھے ان ہی دو وقتوں (ظہر وعصر) میں وہ آوارہ گھومتے رہتے تھے مغرب میں کھانے میں مشغول ہوتے تھے عشاء میں سو جاتے تھے فجر میں جاگتے نہ تھے۔ اس لئے ان دو نمازوں میں آہستہ قراءت کا حکم ہوا، ربّ عزوجل نے فرمایا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا [1]

ترجمہ: اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو۔

نہ اتنی آواز سے قرآن پڑھو جو آواز باہر جاوے، نہ اتنی آہستہ کہ خود بھی نہ سن سکو۔ اب اگرچہ وہ حالت نہ رہی مگر حکم وہی رہا تاکہ مسلمان اس مغلوبیت کو یاد کر کے اب غلبۂ اسلام پر خدا کا شکر کریں''۔ [2]

جمعہ وعیدین میں بلند آواز سے قرأت کرنے کی علت بیان کرتے ہوئے سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:

''جمعہ وعیدین میں باوجود نہاریت حکم جہر ہوا کہ بوجہ کثرتِ حاضرین، انس حاصل اور دہشت زائل اور قلب بوجہ شہود تجلی سے قدرے ذاہل بھی ہوگا، لہٰذا ایک ہفتہ کی تقصیرات جمع ہو کر حجاب میں گونہ قوت پیدا کرتی ہیں تو گاہے ماہے یہ معالجہ مناسب ہوا جو اپنی حرارت سے اسے گلا دے جیسے اطبّا خطوط دقیقہ دیکھنے سے منع کرتے اور نادراً بغرض تمرین اسے علاج سمجھتے ہیں''۔ [3]

---

[1] پ15، بنی اسرائیل، آیت 110

[2] رسائل نعیمیه، ص284

[3] فتاوی رضویه، ج7، ص615

سوال: مسجد کی صفیں یا دریاں جو مسجد کیلئے وقف ہوں یا مسجد کے چندہ سے خریدی گئی ہوں انہیں نمازِ عید کے لئے عیدگاہ میں بچھانے کے لئے لے جانا کیسا ہے؟

جواب: مسجد کی صفیں یا دریاں عیدگاہ میں لے جانا شرعاً ناجائز و گناہ ہے بلکہ دوسری مسجد کو عاریۃً دینا بھی جائز نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

''یجوز للقیم شراء المصلیات للصلاۃ علیها و لایجوز اعارتها لمسجد آخر''

مسجد کے ناظم کو مسجد کے لئے چٹائیاں خریدنا جائز ہے تاکہ ان پر نماز پڑھی جائے اور عاریۃً دوسری مسجد کے لئے دینا جائز نہیں۔[1]

فتاوی رضویہ میں سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن سے مسجد کا سامان استعمال کرنے کے بارے میں ایک سوال کیا گیا کہ ''سامانِ روشنی، فرش فروش، خیمہ وقنات ودیگر فرنچی مثلاً شامیانہ ومیز وکرسی وغیرہ جو وقف کی ملک ہے اہالیانِ شہر کو ان کی مشروع وغیر مشروع جلسوں میں دینا یا کسی رئیس کی رہائش کے سامان اسی وقف سے دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں''

تو آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''حرام ہے، یہاں تک کہ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کو عاریۃً بھی دینا جائز نہیں کمافی العلمگیریۃ عن القنیۃ نہ کہ زید وعمرو کو نہ کہ نامشروع جلسوں کو، یہ سراسر وقف پر ظلم ہے جو ایسا کریں وقف سے ان کا اخراج واجب ہے، کما مر عن الوجیز والدرر والدر''۔[2]

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراہیۃ، ج05، ص322

[2] فتاوی رضویہ، ج16، ص226

مزید اسی فتاوی رضویہ میں ایک مقام پر ایک سوال ''کہ عیدگاہ میں مسجد کے بستر وغیرہ لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ کے جواب میں آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے ارشاد فرمایا:

''عیدگاہ میں مسجد کا مال لے جانا ممنوع ہے''۔[1]

سوال: ایام تشریق سے کیا مرا ہے اور یہ کب سے کب تک ہیں؟

جواب: ایامِ تشریق سے مراد گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کے دن ہیں۔اس لئے کہ تشریق کے معنی ہیں گوشت کے ٹکڑے کرنا اور دھوپ میں خشک کرنا اور چونکہ ان دنوں میں اہلِ عرب قربانی کے گوشت کے ٹکڑے کر کے خشک کرتے تھے اس لئے ان کو ایامِ تشریق کہتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

ان التشریق تقدید اللحم وبه سمیت الایام الثلاثة بعد یوم النحر، اھ

تشریق گوشت کے ٹکڑے بنا کر خشک کرنے کو کہتے ہیں۔اسی وجہ سے یومِ نحر سے بعد کے تین ایام کو ایامِ تشریق کہتے ہیں۔[2]

المنجد میں تشریق کا معنی بھی اسی مفہوم کے ساتھ بیان کیا گیا:

التشریق هی ثلاثة ایام بعد عید الاضحی لان لحوم الاضاحی تشرق فیها، اھ

ایامِ تشریق عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن ہیں اس لئے کہ قربانی کا گوشت ان دنوں میں خشک کیا جاتا ہے۔[3]

---

[1] فتاوی رضویہ، ج 08، ص 584

[2] ردالمحتار علی درمختار، کتاب الصلوٰۃ، ج 3، ص 61

[3] المنجد، ص 523، دارالاشاعت، کراچی

سوال: تکبیرِ تشریق کسے کہتے ہیں؟

جواب: تکبیر تشریق یہ ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

سوال: قربانی کے دنوں میں تکبیرِ تشریق فرض نمازوں کے بعد کتنے دن تک کہی جاتی ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: نویں ذوالحجہ کی فجر سے تیرہ ذوالحجہ کی عصر تک ہر نمازِ فرض کی بعد جو جماعتِ مستحبہ سے ادا کی گئی، ایک بار تکبیر بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور تین دفعہ کہنا مستحب ہوتا ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز فرض پنجگانہ کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ایک بار تکبیر بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور تین بار افضل اسے تکبیر تشریق کہتے ہیں وہ یہ ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ [1]

سوال: تکبیر تشریق فرض نماز کے بعد کس وقت واجب ہے کیا سلام پھیرنے کے فوراً بعد یا پھر پوری نماز (بقیہ) پڑھ لینے کے بعد پڑھی جائے؟

جواب: ہر نماز کے فرض کے فوراً بعد تکبیرِ تشریق پڑھنا واجب ہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

ویجب تکبیر التشریق عقب کل فرض

یعنی تکبیرِ تشریق ہر فرض نماز کے بعد واجب ہے۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

---

[1] بہار شریعت، ج1، حصہ4، ص785

﴿عینی بلا فصل یمنع البناء﴾فلو خرج من المسجد او تکلم عامداًاو ساھیا او احدث عامداً سقط عنه التکبیر

یعنی ہرفرضِ عین کے بعد بلاتوقف (تکبیرِتشریق واجب ہے) کہ کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جونماز پر بنا کرنے کو مانع ہو۔پس اگرمسجد سے چلا گیا، بھولے سے یا جان بوجھ کر کلام کرلیا، قصداً وضوتوڑلیا تو اس سے تکبیرساقط ہوگئی۔[1]

بہارِشریعت میں ہے:

''تکبیرتشریق سلام پھیرنے کے فوراً بعد واجب ہے یعنی جب تک کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو کہ اس نماز پر بنانہ کرسکے، اگرمسجد سے باہر ہوگیا یا قصداً وضوتوڑدیا یا کلام کیا اگرچہ سہواً توتکبیرساقط ہوگئی اور بلاقصد وضوٹوٹ گیا تو کہہ لے''۔[2]

سوال: کیا تکبیرتشریق ہر مسلمان مرد وعورت پرنماز کے بعد واجب ہے؟

جواب: تکبیرتشریق ہراس امام پرواجب ہے جوشہر میں مقیم ہو یا جومقیم امام کی اقتداء کرے خواہ وہ مقتدی مسافر ہو یا دیہاتی یا عورت ہی کیوں نہ ہو۔

درمختار میں ہے:

و وجوبه علی امام مقیم بمصر وعلی مقتد مسافر او قروی او امراة با التبعیة

تکبیرِتشریق اس امام پرواجب ہے جوشہر میں مقیم ہو اور جواس امام کی اقتداء کرے چاہے وہ مقتدی مسافر ہو یا دیہاتی یا عورت ہو کیونکہ یہ سب اس وقت امام کے تابع ہیں۔[3]

سوال: نماز میں مسبوق ولاحق پرتکبیر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

[1] درمختارمع ردالمختار، ج3، ص63

[2] بہارشریعت، ج1، حصہ4، ص785

[3] درمختارمع ردالمختار، ج3ص64

جواب: نماز میں مسبوق اور لاحق پر بھی تکبیر لازم ہے لیکن یہ اس وقت تکبیریں کہیں گے کہ جب خود سلام پھیر لیں گے۔

درمختار میں ہے:

والمسبوق یکبر وجوباً کلاحق لکن عقب القضاء لمافاته

مسبوق بھی لاحق کی طرح تکبیر کہے گا لیکن یہ اپنی فوت شدہ رکعتیں ادا کرنے کے بعد کہے۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''مسبوق ولاحق پر تکبیر واجب ہے مگر جب خود سلام پھیریں اس وقت کہیں اور امام کے ساتھ کہہ لی تو نماز فاسد نہ ہوئی اور نماز ختم کرنے کے بعد تکبیر کا اعادہ بھی نہیں''۔[2]

سوال: کیا نفل وسنت اور وتر کے بعد بھی تکبیر واجب ہے؟

جواب: جی نہیں نفل وسنت اور وتر کے بعد تکبیر واجب نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

شمل الجمعه وخرج به الواجب کالوتر والعیدین والنفل و عندالبلخیین یکبرون عقب صلاۃ العیدلادائها بجماعۃ کالجمعۃ وعلیه توارث المسلمین فوجب اتباعه

جمعہ کے بعد تکبیر واجب ہے جبکہ نفل اور واجب اس سے خارج ہیں جیسے وتر اور عید کی نماز۔ علماءِ بلخ کے نزدیک نماز عید کے بعد بھی تکبیر ہے کیونکہ اس کی بھی جمعہ کی طرح جماعت قائم ہوتی ہے چونکہ اس پر مسلمانوں کا عمل ہے لہٰذا اس کی اتباع

---

[1] درمختار، ج3، ص65

[2] بہار شریعت، ج1، حصہ4، ص785

لازم ہے۔[1]

بہارِشریعت میں ہے:

"نفل و سنت و وتر کے بعد تکبیر واجب نہیں اور جمعہ کے بعد واجب ہے اورنمازعید کے بعد بھی کہہ لے"۔[2]

سوال: اگران دنوں کی نمازیں قضاء ہوگئیں اور پھر بعد میں قضاء کیں تو کیا تب بھی تکبیر واجب ہوگی؟

جواب: اگران دنوں کی نمازیں قضاء ہوگئیں اور پھرانھیں دنوں یعنی اسی ایامِ عید میں جماعت سے ادا کیں تو تب تکبیریں واجب ہونگی ورنہ نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

والمسئلة رباعية فائتة غيرالعيد قضاها فی ايام العيد ، فائتة ايام العيد قضاهافی غيرايام العيد،فائتة ايام العيد قضاها فی ايام العيد من عام آخر،فائتةايام العيد قضاها فی ايام العيدمن عامه ذالك ولايكبر الا فی الاخيرفقط كذا فی البحر

اس مسئلہ کی چارصورتیں ہیں۔(1) کسی اوردن کی فوت شدہ نمازیں ایام عید میں پڑھیں،(2) ایامِ عید کی فوت شدہ نمازیں کسی اوردن میں ادا کیں،(3) ایامِ عید کی فوت شدہ آیندہ سال ایامِ عید میں ہی ادا کیں،(4) ایامِ عید کی فوت شدہ اسی سال ایامِ عید میں ہی ادا کیں،ان چاروں صورتوں میں سے فقط آخری میں تکبیر کہے۔جیسا کہ بحر میں ہے۔[3]

بہارِشریعت میں ہے:

---

[1] ردالمحتار،ج3،ص63

[2] بہارشریعت،ج1،حصہ4،ص785

[3] ردالمحتار،ج3،ص63

''اور دِنوں میں نماز قضا ہوگئی تھی ایاّ م تشریق میں اس کی قضا پڑھی تو تکبیر واجب نہیں یونہی ان دنوں کی نمازیں اور دنوں میں پڑھیں جب بھی واجب نہیں یونہی سال گذشتہ کے ایام تشریق کی قضا نمازیں اس سال کے ایاّ م تشریق میں پڑھے جب بھی واجب نہیں ہاں اگر اسی سال کے ایاّ م تشریق کی قضا نمازیں اسی سال کے انہیں دنوں میں جماعت سے پڑھے تو واجب ہے''۔[1]

سوال: جو شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو کیا اس پر بھی تکبیرِ تشریق واجب ہے؟

جواب: منفرد یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے پر تکبیر واجب نہیں۔ البتہ کہہ لے صاحبین کہ نزدیک اس پر بھی واجب ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''منفرد پر تکبیر واجب نہیں۔ (جوہرہ نیرہ) مگر منفرد بھی کہہ لے کہ صاحبین کے نزدیک اس پر بھی واجب ہے''۔[2]

سوال: امام اگر بھول جائے اور تکبیرِ تشریق نہ کہے تو کیا مقتدی بھی اس کی اتباع میں نہ کہیں؟

جواب: امام اگر بھول جائے اور تکبیرِ تشریق نہ کہے تو مقتدی اس کی اتباع نہ کریں بلکہ وہ تکبیر کہیں۔

درمختار مع ردالمحتار میں ہے:

ویاتی المؤتم به وجوباً وان ترکه امامه ولو کان مسافراً او قرویاً اوامراۃ علیٰ قول الامام

امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کے مطابق مقتدی پر تکبیر کہنا واجب ہے اگرچہ امام

---

[1] بہار شریعت، ج1، حصہ4، ص786

[2] بہار شریعت، ج1، حصہ4، ص786

چھوڑ دے اگر چہ مقتدی مسافر ہو یا دیہاتی یا عورت ہو۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''امام نے تکبیر نہ کہی جب بھی مقتدی پر کہنا واجب ہے اگر چہ مقتدی مسافر یا دیہاتی یا عورت ہو''۔[2]

سوال: ایامِ تشریق میں اگر لوگ بازاروں میں اعلانیہ تکبیریں کہیں تو ان کو منع کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب: ان دنوں میں اگر لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہیں تو ان کو منع نہیں کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے:

ولا یمنع العامة من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر

ان دس دنوں میں عام لوگوں کو بازاروں میں تکبیریں کہنے سے منع نہ کیا جائے۔[3]

بہارِ شریعت میں ہے:

''ان تاریخوں میں اگر عام لوگ بازاروں میں بالاعلان تکبیریں کہیں تو انہیں منع نہ کیا جائے''۔[4]

سوال: نفل نماز پڑھنے والا اگر فرض نماز والے کی اقتداء میں نماز ادا کرتا ہے تو کیا اس پر بھی تکبیراتِ تشریق واجب ہیں؟

جواب: جی ہاں! اگر کسی نفل پڑھنے والے شخص نے فرض پڑھانے والے امام کی

---

[1] درمختار مع ردالمحتار، ج3، ص65

[2] بہارشریعت، ج1، حصہ4، ص786

[3] درمختار مع ردالمحتار، ج3، ص75

[4] بہارِ شریعت، ج1، حصہ4، ص786

اقتداء میں نفل ادا کئے تو امام کے تابع ہونے کی وجہ سے اس پر بھی تکبیرِ تشریق واجب ہوگی۔

ردالمحتار میں ''درمختار'' کی عبارت ''وعلی مقتد'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعلی مقتد ای ولو متنفلاً بمفترض

اور مقتدی پر تکبیرِ تشریق واجب ہوگی یعنی کہ اگرچہ وہ مقتدی نفل پڑھتے ہوئے فرض والے کی اقتداء کر رہا ہو۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''نفل پڑھنے والے نے فرض والے کی اقتدا کی تو امام کی پیروی اس مقتدی پر بھی واجب ہے اگرچہ امام کے ساتھ اس نے فرض نہ پڑھے''۔[2]

سوال: تو کیا اگر کوئی مقیم کسی مسافر کی اقتداء میں نماز ادا کرے تو اس پر تکبیرات لازم ہونگی یا نہیں؟

جواب: اگرچہ مسافر امام پر تو تکبیر لازم نہیں لیکن اس کی اقتداء میں جو بھی مقیم نماز ادا کریں گے ان پر تکبیرِ تشریق لازم ہوگی۔

درمختار میں ہے:

ولا علی امام مسافر......یجب علی من اقتدیٰ به من المقیمین لوجدان الشرط فی حقهم

اور مسافر امام پر بھی تکبیرات واجب نہیں ہاں جو مقیمین میں سے اس کی اقتداء کریں ان پر واجب ہے کیونکہ ان کے حق میں شرط پائی گئی۔[3]

---

[1] درمختار مع ردالمحتار، ج3، ص64

[2] بہارِ شریعت، ج1، حصہ4، ص785

[3] درمختار مع ردالمحتار، ج3، ص64

بہارِ شریعت میں ہے:

''اور مقیم نے مسافر کی اقتداء کی تو مقیم پر واجب ہے اگرچہ امام پر واجب نہیں''۔[1]

سوال: کیا عورتوں پر بھی تکبیراتِ تشریق واجب ہیں؟

جواب: عورتوں پر ویسے تو تکبیر واجب نہیں لیکن جب یہ کسی مرد کی اقتداء میں نماز ادا کریں گیں اور وہ امام بھی ان عورتوں کو اپنی نیت میں شامل کیے ہوئے ہوگا تو ان پر بھی واجب ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

یجب علی النساء اذا اقتدین بالرجال

تکبیرِ تشریق عورتوں پر تب واجب ہوگی جبکہ یہ مردوں کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''عورتوں پر واجب نہیں اگرچہ جماعت سے نماز پڑھی ہاں اگر مرد کے پیچھے عورت نے پڑھی اور امام نے اس کے امام ہونے کی نیت کی تو عورت پر بھی واجب ہے مگر آہستہ کہے''۔[3]

عیدین کی سنتیں اور آداب

عیدین کی چند سنتیں اور آداب مندرجہ ذیل ہیں:

(1) حجامت بنوانا (2) ناخن ترشوانا (3) غسل کرنا (4) مسواک

---

[1] بہارِ شریعت، ج1، حصہ4، ص785

[2] ھدایہ مع بنایہ، ج3، ص154

[3] بہارِ شریعت، ج1، حصہ4، ص785

کرنا (5) اچھے کپڑے پہننا، نیا ہوتو نیا ورنہ دھلا (6) انگوٹھی پہننا (7) خوشبو لگانا (8) صبح کی نماز مسجد محلہ میں پڑھنا (9) عیدگاہ جلد چلا جانا (10) نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا۔ (11) عیدگاہ کو پیدل جانا (12) دوسرے راستہ سے واپس آنا۔

حضرتِ سَیِّدُ نا ابُوہُرَیرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے رِوایَت ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خرج يوم العيد في طريق رجع في غيره

''نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم عِید کو (نَمازِ عید کیلئے) ایک راستہ سے تشریف لے جاتے اور دُوسرے راستے سے واپَس تشریف لاتے۔[1]

(13) سواری پر جانے میں حرج نہیں مگر جس کو پیدل جانے پر قدرت ہو اس کیلئے پیدل جانا افضل ہے اور واپسی میں سواری پر آنے میں حرج نہیں۔

(14) عیدگاہ کو نماز کیلئے جانا سنت ہے اگرچہ مسجد میں گنجائش ہو اور عیدگاہ میں ممبر بنانے یا ممبر لے جانے میں حرج نہیں۔

(15) عیدالفطر میں نماز کو جانے سے پیشتر چند کھجور کھالینا۔ تین، پانچ، سات یا کم وبیش مگر طاق ہوں، کھجوریں نہ ہوں تو کوئی میٹھی چیز کھالے، نماز سے پہلے کچھ نہ کھایا تو گنہگار نہ ہوا مگر عشاء تک نہ کھایا تو عتاب کیا جائے گا۔ اور عیدالاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھانا جب تک نماز سے فارغ نہ ہوجائیں کہ یہ سنت ہے۔

حضرتِ سیدنا بریدہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ولا يطعم يوم الاضحى حتى يصلى

نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم عِیدُ الفِطر کے دِن کچھ کھا کر نَماز کیلئے تشریف لے جاتے

---

[1] جامع تِرمذِی، ج1، ص233

تھے۔اور عید الاُضحٰی کے روز اُس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک نماز سے فارغِ نہ ہوجاتے۔[1]

اور ''بُخاری'' کی رِوایَت حضرتِ سَیِّدُ نا اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ سے ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لايغدويوم الفطرحتى يأكل تمرات اوردوسری روایت میں ہے ويأكلهن وترا

''نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم عِیدُ الفِطر کے دِن (نمازِ عید کیلئے) تشریف نہ لے جاتے جب تک چند کھجوریں نہ تَناوُل فرمالیتے......اور وہ طاق ہوتیں۔[2]

(16) خوشی ظاہر کرنا (17) کثرت سے صدقہ دینا (18) عیدگاہ کو اطمینان ووقار اور نیچی نگاہ کیے جانا۔(19) آپس میں مبارک باد دینا مستحب ہے اور راستے میں بلند آواز سے تکبیر نہ کہے۔

(20) نماز عید سے قبل نماز مطلقاً مکروہ ہے،عیدگاہ میں ہو یا گھر میں اس پر عید کی نماز واجب ہو یا نہیں، یہاں تک کہ عورت اگر چاشت کی نماز گھر میں پڑھنا چاہے تو نماز ہوجانے کے بعد پڑھے اور نمازِ عید کے بعد عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، گھر میں پڑھ سکتا ہے بلکہ مستحب ہے کہ چار رکعتیں پڑھے۔یہ احکام خواص کے ہیں،عوام اگر نفل پڑھیں اگرچہ نماز عید سے پہلے اگرچہ عیدگاہ میں انھیں منع نہ کیا جائے۔

(21) نماز کا وقت بقدر ایک نیزہ آفتاب بلند ہونے سے ضحوۂ کبرٰی یعنی نصف النہار شرعی تک ہے،مگر عید الفطر میں دیر کرنا اور عید الضحٰی جلد پڑھ لینا مستحب ہے اور سلام پھیرنے کے پہلے زوال ہوگیا تو نماز جاتی رہی۔

---

[1] جامع ترمذی ج1 ص234

[2] صحیح البخاری، ج1، ص130

قبر میں ایک ہزار انوار داخل

مَنقول ہے کہ جو شخص عِید کے دِن تین سومرتبہ ''سُبْحٰنَ اللہ وَبِحَمْدِہٖ'' پڑھے اور فَوت شُدہ مسلمانوں کی اَرْواح کو اِس کا ایصالِ ثواب کرے تو ہر مسلمان کی قَبْر میں ایک ہزار انوار داخِل ہوتے ہیں اور جب وہ پڑھنے والا خود مَرے گا، اللہ تعالٰی عَزَّ وَجَلَّ اُس کی قَبْر میں بھی ایک ہزار انوار داخِل فرمائیگا۔ (یہ وِرْد دونوں عِیْدَین میں کیا جاسکتا ہے۔[1]

❀ ❀ ❀

---

[1] مکاشفۃ القلوب، ص308

گیارہواں باب:

عقیقہ کا بیان

عقیقہ کا بیان احادیث کی روشنی میں

حضرتِ سلمان بن عامر ضبّی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مع الغلام عقیقة فاھریقوا عنہ دما وامیطوا عنہ الاذی

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اس کی طرف سے خون بہاؤ (یعنی جانور ذبح کرو) اوراس سے اذیت کو دور کرو یعنی اس کا سر منڈاؤ''۔[1]

حضرتِ اُمّ کُرز رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قالت سمعت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عن الغلام شاتان وعن الجاریة شاة ولا یضرکم ذُکرانا کُنّ او اناثا

ترجمہ: فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک، اوراس میں کوئی حرج نہیں کہ نر ہوں یا مادہ۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، جلد2ص822، باب العقیقہ، ابو داؤد، ج2ص392

[2] سُننِ ابو داؤد، ج2، ص392، باب العقیقہ

حضرتِ سَمُرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغلام مُرتَهن بعقيقته تُذبَح عنه يوم السابع ويُسمّى ويُحلَق راسه

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور سر منڈایا جائے۔[1]

نوٹ: گروی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پورا نفع حاصل نہ ہوگا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اور بعض نے کہا کہ بچہ کی سلامتی اور اس کی نشوونما اور اس میں اچھے اوصاف ہونا عقیقہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔

حضرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال عقَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة وقال يا فاطمة اِحلقي راسه وتصدقي بِزنة شعرِه فضة فوزنّاه فكان وزنُه درهماً اوبعضَ درهم

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی اور یہ فرمایا کہ اے فاطمہ! اس کا سر مونڈ وادو اور بالوں کے وزن کی چاندی صدقہ کرو تو ہم نے ان کے بالوں کا وزن کیا تو ایک درہم یا کچھ کم تھے۔[2]

حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عقَّ عن الحسن والحسين كبشاً كبشاً

---

[1] سُننِ ابوداؤد، ج2، ص392، باب العقيقه

[2] جامع ترمذی، ابواب الاضاحی، باب ماجاء فی العقیقه، ج1، ص410

ترجمہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا۔[1]

حضرتِ بُریدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

کنا فی الجاهلیة اذا وُلد لاحدنا غلام ذبح شاة ولطخ راسه بدمها فلما جاء الاسلام کنا نذبح الشاة یوم السابع ونحلق راسه نلطخه بزعفران

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جب ہم میں سے کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس کا خون بچے کے سر پر لیپ دیتا اب جب کہ اسلام آیا تو ساتویں دن ہم بکری ذبح کرتے ہیں اور بچے کا سر مونڈاتے ہیں اور سر پر زعفران لگا دیتے ہیں۔[2]

عقیقہ کے احکام

سوال: عقیقہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: بچہ پیدا ہونے کے شکریہ میں جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو عقیقہ کہتے ہیں۔[3]

سوال: عقیقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک عقیقہ مباح و مستحب ہے۔ یہ جو بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ عقیقہ سنت نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ سنت موکدہ نہیں ورنہ جب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے اس کا ثبوت موجود ہے تو مطلقاً اس کی سنیت سے انکار صحیح نہیں۔ بعض کتابوں میں یہ آیا ہے کہ قربانی سے یہ منسوخ ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ

---

[1] سُننِ ابوداؤد، ج2، ص392، باب العقیقه

[2] سُننِ ابوداؤد، ج2، ص393، باب العقیقه

[3] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص355

اس کا وجوب منسوخ ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ زکوٰۃ نے حقوقِ مالیہ کو منسوخ کر دیا یعنی ان کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔[1]

سوال: جب بچہ پیدا ہو اس وقت کون سے امور مستحب ہیں؟

جواب: جب بچہ پیدا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس کے کان میں اذان و اقامت کہی جائے اذان کہنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ بلائیں دور ہو جائیں گی۔ بہتر یہ ہے کہ داہنے کان میں چار مرتبہ اذان اور بائیں میں تین مرتبہ اقامت کہی جائے۔ بہت لوگوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اذان کہی جاتی ہے اور لڑکی پیدا ہوتی ہے تو نہیں کہتے۔ یہ نہ چاہئے بلکہ لڑکی پیدا ہو جب بھی اذان و اقامت کہی جائے۔ ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے اور سر مونڈنے کے وقت عقیقہ کیا جائے۔ اور بالوں کو وزن کر کے اتنی چاندی یا سونا صدقہ کیا جائے۔[2]

سوال: عقیقہ بچے کے پیدا ہونے کے کون سے دن کرنا چاہیے؟

جواب: عقیقہ بچے کی پیدائش سے ساتویں دن سنت ہے اور یہی افضل ہے اور اگر ساتویں دن نہ کر سکیں تو جس دن چاہیں کر لیں سنت ادا ہو جائے گی۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے، اور یہی افضل ہے۔ ورنہ چودھویں، ورنہ اکیسویں دن، ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو، وقت دن کا ہو''۔[3]

بہارِ شریعت میں ہے:

''عقیقہ کے لئے ساتواں دن بہتر ہے اور ساتویں دن نہ کر سکیں تو جب چاہیں

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 355

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 355

[3] فتاوی رضویہ، ج 20، ص 586

کر سکتے ہیں سنت ادا ہو جائے گی۔ بعض نے یہ کہا کہ ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن یعنی سات دن کا لحاظ رکھا جائے یہ بہتر ہے اور یاد نہ رہے تو یہ کرے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا اس دن کو یاد رکھیں اس سے ایک دن پہلے والا دن جب آئے وہ ساتواں ہوگا مثلاً جمعہ کو پیدا ہوا تو جمعرات ساتویں دن ہے اور سنیچر کو پیدا ہوا تو ساتویں دن جمعہ ہوگا پہلی صورت میں جس جمعرات کو اور دوسری صورت میں جس جمعہ کو عقیقہ کرے گا اس میں ساتویں کا حساب ضرور آئے گا''۔[1]

سوال: عوام میں مشہور ہے کہ جس بچے کا عقیقہ نہ کیا جائے وہ والدین کے حق میں شفاعت نہیں کرے گا یہ بات کہاں تک درست ہے؟

جواب: اسی طرح کا ایک سوال جب سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن سے ہوا تو انہوں نے ''فتاوی رضویہ'' میں جواب دیا:

''بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے مر گیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا عقیقہ وقت شریعت میں ساتواں دن ہے سات دن سے پہلے مر جانا درکنار، حدیث میں ہے کہ کچا حمل جو گر جاتا ہے وہ روز قیامت اپنا نال کھینچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولیٰ عزوجل سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرضخواہ اپنے قرضدار سے، یہاں تک کہ حکم ہوگا کہ، او کچے بچے، اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں لے جا''۔[2]

ہاں جس بچے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہو گیا اور بلا عذر باوصف استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 356

[2] سنن ابن ماجہ، ابواب الجنائز، ص 115

کرنے پائے گا۔

حدیث میں ہے:

الغلام مرتھن بعقیقته

لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے۔[1]

تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

یعنی اذا لم یعق عنه فمات طفلا لا یشفع فی ابویه

یعنی اگر بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچپن میں مرگیا تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔[2]

اشعۃ اللمعات میں ہے:

''اما احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ مے گوید معنی آنست کہ فرزند محبوس وممنوع ست از شفاعت، درحق والدین تاعقیقہ اوراندہند، واعتماد برقول آں امام اجل ست وظاہر آن ست کہ دی شنیدہ است از سلف کہ معنی ایں ست''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بچے کا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اس کو والدین کے حق میں شفاعت کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور اعتماد اس عظیم الشام امام نے اسلاف سے سنا ہوگا کہ اس کا معنی یہ ہے۔[3]

جو بچہ قبل بلوغ مرگیا اور اس کا عقیقہ کردیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا ان سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے وہ اس کی زندگی ہی میں ہے بعد مرگ کسی

---

[1] جامع صغیر، ج2، ص359، حدیث 5819

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت، ج3، ص16

[3] اشعۃ اللمعات، کتاب الصید، باب العقیقہ، الفصل الثانی، ج3 ص483

کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے توان کوثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعدموت قربانی کرنااجرعظیم ہے اس کے لئے بھی اوراس کے والدین کے لئے بھی۔[1]

سوال: نابالغ بچے کااگرکسی وجہ سے عقیقہ نہ کیا گیاہواوروہ مرگیاتوکیااس کے مرنے کے بعداگراس کاعقیقہ کیاجائے توعقیقہ کاثواب ملے گایانہیں؟اوریہ عقیقہ جائز ہے یانہیں؟

جواب: بچے کی موت کے بعدعقیقہ نہیں ہوسکتا۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''بچہ کی موت کے بعدعقیقہ نہیں ہوسکتا''۔[2]

سوال: میت کی طرف سے جس طرح قربانی کرناجائز ہے اسی طرح عقیقہ نہ کرنے کی اجازت نہ ہونے کی کیاوجہ ہے؟

جواب: میت کی طرف سے قربانی کرنابلاشبہ جائز ہے لیکن عقیقہ چونکہ نعمت کے شکرانے پردیاجاتاہےاورجب نعمت زائل ہوگئی تواس کامحل نہ رہالہذابعدموت عقیقہ ثابت نہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''مردہ کی طرف سے قربانی بلاشبہ جائز ہےاورعقیقہ شکرنعمت ہے بعدزوال نعمت اس کامحل نہیں، ولہذااموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدانہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔اورعقیقہ بعدموت کہیں ثابت نہیں۔''[3]

---

[1] فتاوی رضویہ،ج20،ص596

[2] فتاوی رضویہ،ج20،ص593

[3] فتاوی رضویہ،ج20،ص592

مزید اسی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''مُردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے''۔[1]

سوال: جو بچہ زنا سے ہوا اس کا عقیقہ کس پر ہے یعنی کیا زانی کرے گا یا اس بچے کی ماں کرے گی؟

جواب: ایسے بچے کا عقیقہ زانی پر نہیں کہ عقیقہ شکرِ نعمت ولادت ہے اور بچہ کی ولادت زانی کے لئے نہیں ہوتی صرف اس کی ماں کے لئے ہوتی ہے اس لئے اگر کرے تو اس کی ماں کرے زانی پر کچھ نہیں۔

فتاوی رضویہ میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

''سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ عورت کنواری تھی اور بچہ نکاح کے کوئی دو مہینے بعد پیدا ہوا، ایسی صورت میں زید اگر جانتا ہے کہ واقع میں یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے تو اسے اس کا عقیقہ کرنے کے کوئی معنی نہیں کہ عقیقہ شکر نعمت ولادت ہے اور بچہ کی ولادت زانی کے لئے نہیں ہوتی صرف ماں کے لئے۔''قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم للعاھر الحجر''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زانی کے لئے پتھر ہے۔''اس کا عقیقہ اگر کرے تو اس کی ماں کرے، اس کی شرکت میں حرج نہ ہوگا، اور ختنہ اور شادی اگر زید بھی کرے تو حرج نہیں اور شرکت بھی جائز ہوگی جبکہ کوئی معذور شرعی نہ ہو''۔[2]

سوال: کیا نانا اپنے نواسے کا عقیقہ کر سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! نانا اپنے نواسے کا عقیقہ کر سکتا ہے بلکہ ایک حدیثِ مبارک سے

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص593

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص594

ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ امامِ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ خودکیا جبکہ ان کے والدِ محترم حضرتِ علی المرتضی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے۔

حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عقَّ عن الحسن والحسين كبشاً كبشاً

ترجمہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا۔[1]

سوال: جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو تو کیا وہ خود اپنا عقیقہ کرسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! کرسکتا ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ جوانی بڑھاپے میں بھی اپنا عقیقہ کرسکتا ہے''۔[2]

سوال: عقیقہ میں لڑکے اورلڑکی دونوں کے لئے کتنے جانور قربان کرنے ہوں گے اورگائے کی قربانی میں اگر عقیقہ کا حصہ رکھیں توان کی طرف سے کتنے حصے رکھنے ہوں گے؟

جواب: لڑکے کے عقیقہ میں دوبکرے اورلڑکی میں ایک بکری ذبح کی جائے گی یعنی لڑکے میں نرجانوراورلڑکی میں مادہ مناسب ہے اورلڑکے کے عقیقہ میں بکریاں اورلڑکی میں بکرا کیا جب بھی حرج نہیں اورلڑکے کے عقیقہ میں دوبکریوں کی جگہ ایک ہی بکری کسی نے کی تو یہ بھی جائز ہے اورعقیقہ بھی ہوجائے گا۔

ایک حدیثِ مبارک سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ میں ایک ہی

---

[1] سُننِ ابوداؤد، ج2، ص392، باب العقيقه

[2] فتاوی رضویه، ج20، ص588

مینڈھا ذبح ہوا، اسی طرح عقیقہ میں گائے ذبح کی جائے تو لڑکے کے لئے دو حصے اور لڑکی کے لئے ایک حصہ کافی ہے یعنی سات حصوں میں دو حصے یا ایک حصہ اور اگر لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ایک ایک حصہ رکھا جائے تو تب بھی جائز ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن اُمّ کُرز قالت سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ شاۃ لا یضر کم اذکراناً کنّ ام اناثاً

ترجمہ: یعنی اُمّ کُرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: کہتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف ے ایک بکری اس میں حرج نہیں کہ نر ہوں یا مادہ۔[1]

اور لڑکے کی طرف سے ایک کرنے کے بارے میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل فرمائی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقّ عن الحسن والحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کبشاً کبشاً

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا۔[2]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''افضل یہ ہے کہ پسر کے لئے دو نر ہوں اور دختر کے لئے ایک مادہ کہ اس میں مقابلہ اعضا اکمل ہے، اور اگر نر و مادہ میں عکس ہو جب بھی کوئی حرج نہیں''۔[3]

بہارِ شریعت میں ہے:

---

[1] ابوداؤد، ج2، ص311

[2] ابوداؤد، ج2، ص313

[3] فتاوی رضویہ، ج20، ص593

''لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے اورلڑکی میں ایک بکری ذبح کی جائے یعنی لڑکے میں نرجانوراورلڑکی میں مادہ مناسب ہے اورلڑکے کے عقیقہ میں بکریاں اورلڑکی میں بکرا کیا جب بھی حرج نہیں اور عقیقہ میں گائے ذبح کی جائے تولڑکے کے لئے دو حصے اورلڑکی کے لئے ایک حصہ کافی ہے یعنی سات حصوں میں دو حصے یا ایک حصہ......لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریوں کی جگہ ایک ہی بکری کسی نے کی تو یہ بھی جائز ہے۔ایک حدیث سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ میں ایک مینڈھا ذبح ہوا''۔[1]

سوال: کیالڑکے کے عقیقہ میں دو جانور ذبح کرنا ضروری ہیں؟

جواب: جی نہیں! ضروری تونہیں البتہ افضل ضرور ہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''کم سے کم ایک تو ہے ہی،اور پسر کے لئے دو افضل ہیں،استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے''۔[2]

بہارِشریعت میں ہے:

''لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریوں کی جگہ ایک ہی بکری کسی نے کی تو یہ بھی جائز ہے۔ایک حدیث سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ میں ایک مینڈھا ذبح ہوا''۔[3]

سوال: اگرکوئی شخص دو یا دو سے زائد بچوں کا عقیقہ کرنا چاہے توکیا ایک بکری ذبح کرتے وقت تمام کی طرف سے نیت کرلینا کافی ہے یا ہر ایک کی طرف سے علیحدہ

---

[1] ملخص ازبہار شریعت،ج3،حصہ 15،ص 357

[2] فتاوی رضویہ،ج20،ص586

[3] بہارِشریعت،ج3،حصہ 15،ص 357

جانور ذبح کرنا ہوگا؟

جواب: بھیڑ یا بکری ایک سے زائد لوگوں کی طرف سے کفایت نہیں کرے گی جیسا کہ قربانی کے باب میں گزرا البتہ گائے یا اونٹ سات بچوں کی طرف سے ذبح کیا جا سکتا ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''گاؤ شتر از ہفت بچہ بسندہ کند و بز گوسفند جز یک را کفایت نیست، کما فی الاضحیۃ''

یعنی گائے اور اونٹ سات بچوں کی طرف سے کافی ہے۔ جبکہ بھیڑ اور بکری ایک سے زیادہ بچوں کے لئے کفایت نہیں کرتیں، جیسا کہ اضحیہ میں ہے''۔[1]

سوال: عقیقہ کا جانور کیسا ہونا چاہیے؟

جواب: عقیقہ کا جانور انھیں شرائط کے ساتھ ہونا چاہیے جیسا کہ قربانی کے لئے ہونا ضروری ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''ان امور میں احکام عقیقہ مثل قربانی ہیں، اعضا سلامت ہوں، بکرا بکری ایک سال سے کم کی جائز نہیں، بھیڑ، مینڈھا چھ مہینہ کا بھی ہوسکتا ہے جبکہ اتنا تازہ وفربہ ہو کہ سال بھر والوں میں ملا دیں تو دور سے تمیز نہ ہو''۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''عقیقہ کا جانور انھیں شرائط کے ساتھ ہونا چاہئے جیسا قربانی کے لئے ہوتا ہے''۔[3]

---

[1] فتاوی رضویہ، ج 20ص 581

[2] فتاوی رضویہ، ج 20، ص 584

[3] بہارِ شریعت، ج 3، حصہ 15، ص 357

سوال: اگر عقیقہ کے جانور کی عمر میں شک ہو بیچنے والا کہے کہ سال بھر کا ہے جبکہ بظاہر حالت مشکوک ہو تو کیا یہ جانور قربان کیا جا سکتا ہے؟

جواب: عقیقہ کے جانور کا سال بھر کا ہونے میں شک ہو تو فقط بیچنے والے کا بیان اس معاملے میں کافی نہیں کیونکہ ظاہر حالت اس کے مخالف ہے اور جانور بکنے میں اس کا نفع ہے لہٰذا اس کا بیان معتبر نہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ''سال بھر سے کم کی بکری عقیقے یا قربانی میں نہیں ہوسکتی، اگر مشکوک حالت ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہے۔ کہ سال بھر کی نہ ہونا معلوم ہو ''لان عدم العلم بتحقق الشرط کعلم العدم (کیونکہ شرط متحقق ہونے کا عدم علم اس کے عدم تحقق کے علم کی طرح ہے)'' خصوصاً بائع کا بیان کہ وہ اس سے زیادہ آگاہ ہے۔ اور سال سے کم کی ظاہر کرنے میں اس کا کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا عکس متوقع ہے کہ جب مشتری اپنے مطلب کی نہ جانے گا نہ لے گا...... جبکہ سال بھر کامل ہونے میں شک ہے تو اس کا عقیقہ ہے تو اس کا عقیقہ نہ کریں، اور قصاب کا قول یہاں کافی نہیں کہ بکنے میں اس کا نفع ہے۔ اور حالت ظاہر اس کی بات کو دفع کر رہی ہے''۔[1]

سوال: عیدالاضحیٰ کے روز عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ ھکذا فی الفتاوی الرضویہ۔[2]

سوال: کیا گائے کی قربانی میں عقیقہ کی نیت سے بھی حصہ رکھا جا سکتا ہے وضاحت سے بتائیں کیونکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جائز نہیں ہوتا لہذا پتا چلے کہ اس بارے میں حقیقت کیا ہے؟

جواب: قربانی کے جانور کے حصوں میں عقیقہ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ عقیقہ اولاد جیسی نعمت

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص583

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص587

ملنے پر شکرانے کے طور پر کیا جاتا ہے تو جس طرح قربانی میں نیت تقرب (اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے کی نیت) ہوتی ہے اسی طرح اس میں بھی نیت تقرب ہوتی ہے اور قربانی کے سب شرکاء کی نیت تقرب ہو خواہ وہ تقرب کسی دوسری قسم کا ہی کیوں نہ ہو مثلاً عقیقہ جیسا کہ مذکور ہوا یونہی حجِ قران و تمتع وشکار وغیرہ کا دم کہ سب سے تقرب مقصود ہوتا ہے (دم اور حج تمتع کی اس صورت میں جبکہ قربانی حرم میں ہو رہی ہو) لہذا ان سب کو اگر گائے یا اونٹ کی قربانی میں شامل کیا جائے تو سب ادا ہو جائیں گے۔

ردالمحتار میں ہے:

أن الشرط قصد التقرب من الكل ......وشمل ما لوكانت القربة واجبة على الكل أو البعض اتفقت جهاتهاأو لا كأضحية عنه واحصار وجزاء صيد و حلق ومتعة وقران خلافا لزفرلأن المقصود من الكل القربة وكذا لوأراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد

ترجمہ: تمام کے تمام جانور سے ثواب کی نیت کرنا شرط ہے....اس میں تمام صورتیں شامل ہیں کہ ثواب کل پر واجب ہو یا بعض پر، اس کی جہتیں متفق ہوں یا نہیں۔ جیسا کہ اس کی طرف سے قربانی کرنا اور دم احصار یعنی عمرہ سے روک دینے پر قربانی اور شکار کا فدیہ، حلق کروانے اور تمتع وقران کی قربانی، اس میں امام زفر کا اختلاف ہے کیونکہ مقصود تمام سے قربت یعنی ثواب ہے۔ اور ایسے ہی اگر ان میں سے بعض نے اس بچے کے عقیقے کی نیت کی کہ جو پہلے پیدا ہو چکا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس میں بھی ثواب کی صورت موجود ہے کہ عقیقہ نعمتِ اولاد پر شکر بجالانا ہے۔[1]

---

[1] ازردالمختار، ج9، ص472

فتاوی رضویہ میں سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن سے جب یہ سوال ہوا کہ ایک ہی جانور میں ''عمرو کا عقیقہ اور زید کی قربانی ہونا کیسا ہے؟'' تو جواباً آپ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''قربانی عقیقہ دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں لہذا دونوں صحیح ہو گئے''۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''قربانی کے سب شرکاء کی نیت تقرب ہو اس کا یہ مطلب ہے کہ کسی کا ارادہ گوشت نہ ہو اور یہ ضرور نہیں کہ وہ تقرب ایک ہی قسم کا ہو مثلاً سب قربانی ہی کرنا چاہتے ہیں بلکہ اگر مختلف قسم کے تقرب ہوں وہ تقرب سب پر واجب ہو یا کسی پر واجب ہو اور کسی پر واجب نہ ہو ہر صورت میں قربانی جائز ہے مثلاً دم احصار اور احرام میں شکار کرنے کی جزا اور سر منڈانے کی وجہ سے دم واجب ہوا ہو اور تمتع و قران کا دم کہ ان سب کے ساتھ قربانی کی شرکت ہوسکتی ہے۔ اسی طرح قربانی اور عقیقہ کی بھی شرکت ہوسکتی ہے کہ عقیقہ بھی تقرب کی ایک صورت ہے۔''[2]

یونہی ''فتاوی امجدیہ'' میں فرماتے ہیں:

''کتبِ فقہ میں مصرح کہ گائے اور اونٹ کی قربانی میں عقیقہ کی شرکت ہوسکتی ہے''۔

طحطاوی علی الدر میں ہے:

لو ارادوا القربة الاضحية اوغيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة اوتطوعا وكذلك ان اراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبله كذا ذكره محمد فی فوائد الضحايا

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص458

[2] بہار شریعت، ج3، حصہ 15، ص343

شلبیہ علی الزیلعی میں بدائع سے ہے:

وان اراد احدھم العقیقۃ عن ولد ولد من قبل جاز لان ذلك من جھۃ التقرب الی اللہ بالشکر علی ما انعم من الولد

توجب قربانی میں عقیقہ کی شرکت جائز ہوئی تو معلوم ہوا کہ گائے یا اونٹ کا ایک جزء عقیقہ میں ہوسکتا ہے اور شرع نے ان کے ساتویں حصہ کو ایک بکری کے قائم مقام رکھا ہے۔[1]

سوال: اس کے گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے؟

جواب: عقیقہ کے گوشت میں قربانی کے گوشت کی طرح مستحب یہ ہے کہ تین حصے کئے جائیں ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیز و اقارب کے لئے اور ایک مساکین کے لئے رکھا جائے۔ اور چاہے تو سارا خود رکھ لے یا سارا فقراء میں تقسیم کر دے یہ بھی جائز ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''گوشت بھی مثل قربانی تین حصے کرنا مستحب ہے۔ ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، اور چاہے تو سب کھالے خواہ سب بانٹ دے، جیسے قربانی''۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''گوشت کے تین حصے کریں ایک حصہ فقراء کا ایک احباب کا اور ایک حصہ گھر والے کھائیں''۔[3]

سوال: عقیقہ کا گوشت پکا کر کھلانا چاہیے یا کچا تقسیم کر دینا چاہیے؟

جواب: عقیقہ کا گوشت فقراء اور عزیز و اقربہ، دوست، احباب کو کچا تقسیم کر دیا جائے

---

[1] فتاوی امجدیہ، ج3، ص302

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص584

[3] بہارِ شریعت، ج3، حصہ15، ص357

یا پکا کر دیا جائے یا بطورِ ضیافت کھلا یا جائے، یہ سب صورتیں جائز ہیں اور پکا کر کھلانا کچا تقسیم کرنے سے افضل ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''پکا کر کھلانا کچا تقسیم کرنے سے افضل ہے''۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''اس کا گوشت فقراء اور عزیز وقریب دوست واحباب کو کچا تقسیم کر دیا جائے یا پکا کر دیا جائے یا ان کو بطورِ ضیافت ودعوت کھلا یا جائے یہ سب صورتیں جائز ہیں''۔[2]

سوال: مشہور ہے کہ عقیقے کے جانور کا گوشت ماں باپ، دادا دادی اور نانی نانی نہ کھائیں تو کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے، درست یہ ہے کہ اس کا گوشت دادا، دادی، نانا، نانی سب کھا سکتے ہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''سب کھا سکتے ہیں، یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے، **کلوا وتصدقوا وائتجرو** (کھاؤ، صدقہ کرو اور اجر کماؤ۔ عقود الدریہ میں ہے: **احکامھا احکام الاضحیہ** (عقیقہ کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے احکام ہیں)''۔[3]

مزید اسی میں ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

''عقیقہ کا گوشت آباء واجداد بھی کھا سکتے ہیں مثل قربانی اس میں بھی تین حصے کرنا مستحب ہے''۔[4]

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص584

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص357

[3] فتاوی رضویہ، ج20، ص590

[4] فتاوی رضویہ، ج20، ص586

بہارِ شریعت میں ہے:

''عوام میں یہ بہت مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ اور دادا دادی نانا نانی نہ کھائیں یہ محض غلط ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں''۔[1]

سوال: مشہور ہے کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈی نہیں توڑنی چاہیے کیا واقعی ایسا ہی ہے؟

جواب: ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں اور نہ توڑنا بہتر ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے، اور دفن کرنا افضل ہے''۔[2]

مزید اسی میں ایک مقام پر فرمایا:

''توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے''۔

قال الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ انه مذهب الامام مالك، والکسر مذهب الامام شافعی، قلت وقد صرح وعلمائنا ان مذهب عالم المدینة رضی الله تعالیٰ عنه اقرب الی مذهبنا ویصار الیه حیث لانص من اصحابنا کما فی ردالمحتار وغمزا لعیون، قلت لاسیما فی مثل مانحن فیه، فان الکسر لاینبغی عند مالك، ولو لم یکسر لم یعاقبه الشافعی رضی الله تعالیٰ عن الائمة اجمعین۔

ترجمہ: شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ (ہڈی کا) نہ توڑنا امام مالک کا مذہب ہے۔ اور توڑنا امام شافعی کا مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ عالم مدینہ کا مذہب ہمارے مذہب کے زیادہ قریب ہے۔ جہاں ہمارے اصحاب سے کوئی نص موجود نہ ہو وہاں انہی کے مذہب

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 357

[2] فتاوی رضویہ، ج20، ص586

کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ ردالمحتار اور غمز العیون میں ہے۔ میں کہتا ہوں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ جیسے مسائل میں کیونکہ امام مالک کے نزدیک توڑنا مناسب نہیں، اور اگر نہ توڑے تو امام شافعی اس پر عتاب نہیں فرماتے رضی اللہ تعالیٰ عن الائمۃ اجمعین''۔[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

''بہتر یہ ہے کہ اس کی ہڈی نہ توڑی جائے بلکہ ہڈیوں پر سے گوشت اتار لیا جائے یہ بچہ کی سلامتی کی نیک فال ہے اور ہڈی توڑ کر گوشت بنایا جائے اس میں بھی حرج نہیں۔ گوشت کو جس طرح چاہیں پکا سکتے ہیں مگر میٹھا پکایا جائے تو بچہ کے اخلاق اچھے ہونے کی فال ہے''۔[2]

سوال: عقیقہ کے جانور کی کھال کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کی کھال کا بھی وہی حکم ہے جو قربانی کے جانور کی کھال کے بارے میں بیان ہوا یعنی اپنے صرف میں لائیں، مساکین کو دیں یا کسی بھی نیک و جائز کام میں خرچ کریں۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''اس کی کھال کا وہی حکم ہے جو قربانی کی کھال کا ہے کہ اپنے صرف میں لائے یا مساکین کو دے یا کسی اور نیک کام مسجد یا مدرسہ میں صرف کرے''۔[3]

سوال: اس جانور کے سری پائے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: سری پائے بھی خود کھائیں خواہ عزیز و اقارب، مساکین وغیرہ جس کو چاہیں

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20ص591

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 357

[3] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 357

دیں شرعاً اجازت ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''سری پائے خود کھائے خواہ اقرباء مساکین جسے چاہے۔ خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق اس میں مقرر نہ فرمایا''۔[1]

سوال: بچے کا نام کیسا رکھا جائے؟

جواب: نام کسی بھی آدمی کی شخصیت کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے جس سے وہ پکارا اور پہچانا جاتا ہے اور جس طرح کسی بھی کتاب کا نام اس کی شناخت کا سبب ہوتا ہے اسی طرح کسی بھی شخص کے لئے اس کا نام ہر شعبے میں اس کی شناخت کا کام دیتا ہے، نام اچھا ہو تو انسان کا ضمیر بھی اچھا کام کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کا نام رکھنے کے لئے غور وفکر شروع ہو جاتا ہے ایسے میں باپ کو چاہیے کہ اپنے بچے کا اچھا نام رکھے کہ جس کے معنی بھی اچھے ہوں کہ یہ اس کی طرف سے اپنے بچے کے لئے پہلا اور بنیادی تحفہ ہوتا ہے جسے بچہ عمر بھر اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اوّل ماینحل الرجل ولدہ اسمہ فلیحسن اسمہ

یعنی آدمی سب سے پہلا تحفہ اپنے بچے کو نام کا دیتا ہے اس لئے چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔[2]

لہٰذا بچے کو اچھے نام کا تحفہ دینا چاہیے اور وہ نام کہ جن کے برے معنی ہوں ان سے احتراز کرنا چاہیے بلکہ بہتر یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ کرام علیہم

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص586

[2] جمع الجوامع، ج3، ص285، حدیث: 8875

الرضوان، تابعین یا دیگر بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسمائے طیبہ پر نام رکھیں جائیں۔

حدیث شریف میں ہے:

اُمّ المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نیک لوگوں کے نام پر نام رکھواوراپنی حاجتیں اچھے چہرے والوں (یعنی نیک لوگوں) سے طلب کرو۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''حدیث سے ثابت کہ محبوبانِ خدا انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے اسمائے طیبہ پر نام رکھنا مستحب ہے جبکہ ان کے مخصوصات سے نہ ہو''۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''بچہ کا اچھا نام رکھا جائے...... بہت لوگوں کے ایسے نام ہیں جن کے کچھ معنی نہیں یا ان کے برے معنی ہیں ایسے ناموں سے احتراز کریں۔ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اسمائے طیبہ اور صحابہ وتابعین و بزرگان دین کے نام پر نام رکھنا بہتر ہے امید ہے کہ ان کی برکت بچہ کے شامل حال ہو۔[3]

سوال: عبداللہ وعبدالرحمن نام رکھنا کیسا ہے؟

جواب: عبداللہ وعبد الرحمٰن نام رکھنا جائز بلکہ بہتر اور اللہ کو زیادہ پیارے ہیں، لیکن موجودہ دور میں بعض جگہ پر ان ناموں کو بگاڑ کر یا تخفیف کر کے پکارا جاتا ہے مثلاً عبدالرحمٰن کو رحمٰن کہہ کر بلاتے ہیں وغیرہ جو کہ ناجائز ہے، لہٰذا نام رکھنے سے پہلے ہی

---

[1] المسند الفردوس، ج2، ص58، حدیث: 2329

[2] فتاوی رضویہ، ج24، ص685

[3] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص356

اپنے علاقے کی عادت پر غور کرلیا جائے کہ کہیں آپ کے علاقے میں تو یہ بری عادت نہیں، اگر نہیں تو رکھ لیں اگر عادت ہے تو احتراز ہی بہتر ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب اسماء کم الی اللہ عبداللہ وعبدالرحمٰن

ترجمہ: حضرتِ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے سب ناموں میں سے اللہ کو سب سے زیادہ پیارے نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔[1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

احب الاسماء الی اللہ تعالیٰ عبداللہ و عبد الرحمٰن لکن التسمیۃ بغیر ھذہ الاسماء فی ھذا الزمان اولیٰ لان العوام یصغرون ھذہ الاسماء للنداء والتسمیۃ باسم یوجد فی کتاب اللہ تعالیٰ کا لعلی والکبیر والرشید والبدیع جائزۃ لانہ من الاسماء المشترکۃ ویراد فی حق العباد غیر ما یراد فی حق اللہ تعالیٰ

یعنی عبداللہ اور عبد الرحمٰن (دونوں نام) اللہ عزوجل کے ہاں سب سے پسندیدہ نام ہیں۔لیکن اس زمانے میں ان کے علاوہ کوئی اور نام رکھنا زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ عوام پکارتے وقت ان کو چھوٹا کر دیتے ہیں (یعنی بگاڑ دیتے ہیں) اور کتاب اللہ میں موجود نام جیسے علی، کبیر، رشید، اور بدیع رکھنا جائز ہیں کیونکہ یہ اسماء مشترکہ ہیں اور بندوں کے حق میں بولتے وقت وہ مراد نہیں ہوتی جو اللہ عزوجل کے لئے بولتے وقت مراد ہوتی ہے۔[2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب النھی عن التکنی---ج2، ص206

[2] عالمگیری، ج5، ص362

بہارِ شریعت میں ہے:

''عبداللہ وعبدالرحمن بہت اچھے نام ہیں مگر اس زمانہ میں یہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بجائے عبدالرحمن اس شخص کو بہت سے لوگ رحمن کہتے ہیں اور غیر خدا کو رحمن کہنا حرام ہے۔ اسی طرح عبدالخالق کو خالق اور عبدالمعبود کو معبود کہتے ہیں اس قسم کے ناموں میں ایسی ناجائز ترمیم ہرگز نہ کی جائے۔ اسی طرح بہت کثرت سے ناموں میں تصغیر کا رواج ہے یعنی نام کو اس طرح بگاڑتے ہیں جس سے حقارت نکلتی ہے اور ایسے ناموں میں تصغیر ہرگز نہ کی جائے لہذا جہاں یہ گمان ہو کہ ناموں میں تصغیر کی جائے گی یہ نام نہ رکھے جائیں دوسرے نام رکھے جائیں''۔[1]

سوال: بچے کا نام محمد یا احمد رکھنا کیسا ہے اور اگر جائز ہے تو اس کے آداب بتادیں؟
محمد نام رکھنا کیسا ہے؟

جواب: بچے کا نام محمد یا احمد رکھنا جائز ہے بلکہ ہر مسلمان کو اپنے بچوں کا نام ''محمد'' رکھنا چاہیے احادیث مبارکہ میں اس کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ چند ملاحظہ ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ولدله مولود فسماه محمد احبا لی وتبركا باسمی كان هوو مولوده فی الجنة

ترجمہ: ''جس کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نام پاک سے تبرک کے لئے اس کا نام محمد رکھے وہ اور اس کا لڑکا دونوں جنت میں جائیں گے''۔[2]

دوسری روایت میں بشارت کبریٰ ارشاد فرمائی:

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص356

[2] کنز العمال، بحوالہ الرافعی عن ابی امامہ، ج16، ص422، حدیث 45223

قال الله تعالیٰ عزوجل وعزتی وجلالی لااعذب احدا تسمی باسمك بالنار یامحمد

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے میری عزت وجلال کی قسم جس کا نام تمہارے نام پر ہوگا اسے دوزخ کا عذاب نہ دوں گا۔[1]

تیسری روایت میں ہے:

''روزِ قیامت دو شخص حضرت عزت کے حضور کھڑے کئے جائیں گے حکم ہوگا انہیں جنت میں لے جاؤ، عرض کریں گے: الٰہی! ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے ہم نے تو کوئی کام جنت کا نہ کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا:

ادخلا الجنة فانی الیت علی نفسی ان لایدخل النار من اسمه احمد ولا محمد

ترجمہ: جنت میں جاؤ میں نے حلف فرمایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہو دوزخ میں نہ جائے گا۔[2]

چوتھی روایت میں آداب نام اقدس ارشاد فرمایا:

اذا سمیتم الولد محمدا فاکرموه و اوسعوا له فی المجلس ولا تقبحوا له وجها

ترجمہ: ''جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لئے جگہ کشادہ کرو اور اسکی برائی کی طرف نسبت نہ کرو۔[3]

---

[1] تذکرة الموضوعات، لمحمد طاہر الفتنی، باب فضلِ اسمه واسم الانبیاء، ص 89

[2] الفردوس بماثور الخطاب، ج 5، ص 485، حدیث 8837

[3] تاریخِ بغداد، ترجمه محمد بن ابی اسماعیل العلوی، ج 3، ص 91

ہاں البتہ ایک بات کالحاظ رکھا جائے کہ اصلی نام محمد رکھیں اور پکارنے کے لئے کوئی اور نام مقرر کریں تاکہ ادب بھی ملحوظ خاطر رہے اس طرح کرنے سے نام کی فضلیت کے ساتھ ساتھ ادب کی برکتیں بھی نصیب ہونگیں۔

بہارشریعت میں ہے:

''محمد بہت پیارا نام ہے اس نام کی بڑی تعریف حدیثوں میں آئی ہے اگر تصغیر کا اندیشہ نہ ہوتو یہ نام رکھا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ عقیقہ کا یہ نام ہو اور پکارنے کے لئے کوئی دوسرا نام تجویز کرلیا جائے اور ہندوستان میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک شخص کے کئی نام ہوتے ہیں اس صورت میں نام کی برکت بھی ہوگی اور تصغیر سے بھی بچ جائیں گے۔[1]

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن کا بھی یہی عمل تھا۔ چنانچہ فتاوی رضویہ میں حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ماضر احدکم لوکان فی بیتہ محمد و محمدان وثلثۃ

''یعنی تم میں کسی کا کیا نقصان ہے اگر اس کے گھر میں ایک محمد یا دو محمد یا تین محمد ہوں۔

پھر فرمایا: ''ولہٰذا فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے اپنے سب بیٹوں، بھتیجوں کا عقیقے میں صرف محمد نام رکھا پھر نام اقدس کے حفظِ آداب اور باہم تمیز کے لئے عرف جدا مقرر کئے''۔[2]

سوال: یہ بتایئے کہ کس طرح کا نام نہیں رکھنا چاہیے؟

جواب: شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح الباری میں امام طبری علیہ الرحمہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

---

[1] بہارشریعت، ج3، حصہ 15، ص 356

[2] فتاوی رضویہ، ج24، ص689،

''ایسا نام نہیں رکھنا چاہیے (1) جس کے معنی برے ہوں یا (2) اس میں تزکیہ نفس ہو یا (3) اس میں سَبّ (یعنی گالی، اہانت یا عیب) کا معنی ہو۔ (علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: کہ میں کہتا ہوں: تیسری بات پہلی بات سے اخص (یعنی زیادہ خاص ہے) اگرچہ نام لوگوں کے لئے علامت ہوتے ہیں ان کے ذریعے صفت کی حقیقت مقصود نہیں ہوتی لیکن کراہت کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اس کا نام سنے کا تو گمان کرے گا کہ اس شخص کے اندر یہ صفت موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی شخص کے نام کو ایسے نام سے تبدیل فرمادیتے کہ جب اسے اس نام سے بلایا جائے تو وہ نام اس پر صادق آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد نام تبدیل فرمائے اور جو بھی تبدیل فرمائے وہ اس طور پر تبدیل نہیں فرمائے کہ ان ناموں کو رکھنا منع ہے بلکہ اس طور پر کہ انہیں بدل دینا بہتر ہے، نام اس لئے نہیں رکھا جاتا کہ مذکورہ شخص میں یہ وصف بھی موجود ہے بلکہ اسے دوسروں سے الگ پہچان دینے کے لئے نام رکھا جاتا ہے اسی وجہ سے مسلمان بُرے شخص کا نام حسن یعنی اچھا اور گنہگار شخص کا نام صالح یعنی نیک رکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ جب حضرت حزن رضی اللہ عنہ نے اپنا نام سہل سے نہیں بدلا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر سہل نام رکھنا لازم نہیں کیا، اگر یہ نام رکھنا ان پر لازم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی یہ بات کہ ''میں اپنے والد کا رکھا ہوا نام نہیں بدلوں گا'' ہرگز قبول نہ فرماتے۔[1]

سوال: بچہ زندہ پیدا ہوا اور مر گیا تو کیا اس کا نام رکھ سکتے ہیں؟

جواب: بچہ زندہ پیدا ہوا تو اس کا نام رکھا جائیگا۔

بہارِ شریعت میں ہے:

---

[1] فتح الباری، ج10، ج706، حدیث:6193

''بچہ...... زندہ پیدا ہو تو اس کا نام رکھا جائے اگرچہ پیدا ہو کر مر جائے''۔[1]

سوال: جو بچہ پیدا ہی مردہ ہوا ہو تو کیا اس کا بھی نام رکھنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں جو بچہ مردہ پیدا ہو اس کا بھی نام رکھا جائے۔

کنز العمال میں ہے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سموا أسقاطكم فانهم من أفراطكم

ترجمہ: تم اپنے ناتمام گرنے والے بچوں کے نام رکھو کیونکہ وہ تمہارے پیش رو ہیں۔''[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''بچہ زندہ پیدا ہو یا مردہ اس کی خلقت تمام ہو یا ناتمام بہرحال اس کا نام رکھا جائے اور قیامت کے دن اس کا حشر ہوگا۔''[3]

سوال: عقیقہ کا جانور، ذبح کس کو کرنا چاہئے؟ اور دُعائے عقیقہ کس طرح اور کس کو پڑھنی چاہئے؟

جواب: باپ اگر موجود ہو اور ذبح کرنا بھی جانتا ہو تو خود ذبح کرے یہی بہتر ہے اور وہ نہ ہو یا ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو کسی دوسرے کو اپنا نائب بنائے اور جو شخص ذبح کرے وہی دُعا بھی پڑھے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکر نعمت ہے۔ جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کر سکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے، اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے عقیقہ پسر میں کہ

---

[1] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص356

[2] کنز العمال، کتاب النکاح، قسم الأقوال، ج16، ص176

[3] بہار شریعت، ج01، حصہ4، ص841

باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ اِبْنِیْ فُلاَنٌ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعِظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِاِبْنِیْ مِنَ النَّارِ ط بِسْمِ اللہِ اَللہُ اَکْبَرْ

اے اللہ! یہ میرے فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے، اس کا خون اس کے خون، اور اس کا گوشت اس کے گوشت، اور اس کی ہڈی اس کی ہڈی، اور اس کا چمڑہ اس کے چمڑے اور اس کے بال اس کے بال کے بدلے میں ہیں، اے اللہ! اس کو میرے بیٹے کے لئے جہنم کی آگ سے فدیہ بنا دے۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے، اللہ بہت بڑا ہے۔

فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھتا ہو، لے، دختر ہو تو دونوں جگہ اِبْنِیْ کی جگہ بِنْتِیْ، اور پانچوں جگہ ''ہ'' ضمیر کی جگہ ''ھا'' ضمیر کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ فُلان اِبْنِ فُلاں یا فُلانہ بِنْتِ فُلانہ کہے۔ بچے کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔ [1]

سوال: کیا دُعائے عقیقہ پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: جی نہیں! ضروری تو نہیں پڑھ لینا بہتر ہے اور نہ پڑھی یا یاد نہ ہو تو تب بھی عقیقہ ہو جائے گا۔

بہارِ شریعت میں ہے:

''عقیقہ میں جانور ذبح کرتے وقت ایک دعا پڑھی جاتی ہے اسے پڑھ سکتے ہیں اور یاد نہ ہو تو بغیر دعا پڑھے بھی ذبح کرنے سے عقیقہ ہو جائے گا''۔ [2]

❀ ❀ ❀

---

[1] فتاوی رضویہ، ج20، ص585

[2] بہارِ شریعت، ج3، حصہ 15، ص 357

بارہواں باب:

ختنہ کا بیان

سوال: ختنہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ختنہ سنت ہے اور یہ شعائر اسلام میں سے ہے کہ مسلم و غیر مسلم میں اس سے امتیاز ہوتا ہے اسی لئے عرف میں اس کو مسلمانی بھی کہتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم رؤوف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خمس من الفطرۃ الختان والاستحداد وتقلیم الاظفار ونتف الابط وقص الشارب

ترجمہ: ''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں، ختنہ کرنا، موئے زیرِ ناف مونڈنا، ناخن ترشوانا، بغل کے بال اکھیڑنا اور مونچھیں کم کرنا''۔[1]

ردالمحتار میں ہے:

الختنان سنۃ للرجال من جملۃ الفطرۃ لا یمکن ترکھا

مردوں کے لئے ختنہ سنت ہے اور ان فطری کاموں میں سے ہے کہ جن کا چھوڑنا مناسب نہیں۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:

''ختنہ سنت ہے اور یہ شعار اسلام میں سے ہے کہ مسلم وغیرہ میں اس سے

---

[1] صحیح مسلم، ج 01، ص 128

[2] ردالمحتار، ج 05، ص 237

امتیاز ہوتا ہے اسی لئے عرف عام میں اس کو مسلمانی بھی کہتے ہیں صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ کیا اس وقت ان کی عمر شریف اسی برس کی تھی"۔[1]

سوال: ختنہ کی رسم کہاں سے شروع ہوئی؟

جواب: روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ختنہ کی رسم حکمِ الٰہی عزوجل سے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔

صحیح بخاری میں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اختتن ابراهيم النبی وهوابن ثمانين سنة بالقدوم

ترجمہ: حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے اسی (80) سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا تیشہ سے (ایک اوزار کا نام)"۔[2]

اس حدیثِ مبارک کے تحت مرآۃ المناجیح میں ہے:

"جب حضرتِ ابراہیم علیہ السلام اسی (80) سال کے ہوئے، تب حکمِ الٰہی پہنچا کہ اے ابراہیم ختنہ کرو۔ آپ نے اپنا ختنہ خود کرلیا اور ہوا غلط طریقہ سے تو آپ سخت زخمی ہوگئے۔ اس کے متعلق ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ [3] "، ترجمہ: اور جب ابراہیم کو اس کے ربّ نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرنا سنتِ

---

[1] بہار شریعت، ج 3، حصہ 16، ص 589

[2] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب: واتخذ اللہ ابرھیم خلیلاً، ج 1، ص 473

[3] پ 1، سورۃ البقرہ، آیت 124

ابراہیمی ہے آپ ہی سے یہ رسم جاری ہوئی''۔[1]

سوال: شعائرِاسلام، دین یا شعائرُاللہ سے کیا مراد ہوتی ہے؟

جواب: شعائر جمع شعیرہ یا شعارہ کی ہے جس کا مادہ ہے شعر یعنی باریک نشانی تو شعائرُاللہ، اللہ کی نشانیوں کو کہا جاتا ہے۔

شعائرِاسلام، دین یا شعائرُاللہ ان چیزوں کو کہتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرض کیں یا جو منع فرمائیں بلکہ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے نسبت ہو جائے وہ بھی شعارِاسلام، دین یا شعاراللہ بن جاتی ہے۔

شعائرِاسلام ، دین یا شعائرُاللہ کی علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں تفسیر بیان فرمائی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

''شعائر جمع شعیرہ یا شعارہ کی ہے جس کا مادہ ہے شعر یعنی باریک نشانی۔ان شعائر سے ہر وہ چیز مراد ہے جن کی تعظیم رب کی عبادت کی نشانی ہو یا وہ نشان جن کے قیام کا رب نے حکم دیا ہو لہٰذا وہ جگہ اور وہ وقت اور وہ علامات جو دین کی نشانیاں ہوں سب شعائرُاللہ ہیں۔

کعبہ، عرفات، مزدلفہ، صفا، مروہ، منیٰ، مسجدیں بزرگانِ دین کے مقابر وغیرہ ایسے ہی رمضان، عید، جمعہ وغیرہ ایسے ہی اذان، تکبیر، جماعت، نماز، ختنہ، داڑھی وغیرہ شعائرِدین ہیں۔یعنی دین کی پہچانیں دیکھو یہاں ربّ نے شعائر جمع کثرت ارشاد فرمایا اور من تبعیضیہ جس سے معلوم ہوا کہ شعائرُاللہ تو بہت ہیں ان میں سے ایک صفا و مروہ بھی ہیں لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن سے صرف صفا و مروہ پہاڑ اور ہدی کے جانور کا شعائرُاللہ ہونا ثابت ہے اور چیزیں شعائرُاللہ کہاں سے ہوئیں کیونکہ

---

[1] المناجیح، ج7، ص430

شعائر جمع کثرت جودس سے زیادہ پر بولی جاتی ہے۔قرآن نے بتایا کہ اسلام میں بہت سی چیزیں شعائر اللہ ہیں۔صفا ومروہ کی طرح جسے مقبول بندوں سے نسبت ہووہ شعائر اللہ ہے''۔[1]

تفسیر صراط الجنان میں فرمایا:

لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ [2]

ترجمہ: حلال نہ ٹھہرالو اللہ کے نشان۔

اس آیت میں دین کی نشانیوں کی قدر کرنے کا حکم فرمایا ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں اللہ عزوجل نے فرض کیں اور جو منع فرمائیں سب کی حرمت کا لحاظ رکھو۔نیز جو چیزیں اللہ عزوجل کی نشانیاں قرار پا جائیں ان کا احترام کرنا بہت ضروری ہے لہذا دینی عظمت والی چیزوں کا احترام کیا جائے گا۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝۳۲ [3]

ترجمہ: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

اس شعائر اللہ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں میں خانہ کعبہ،قرآنِ پاک، مساجد، بزرگوں کے مزارات وغیرہ سب ہی داخل ہیں بلکہ جس چیز کو اللہ عزوجل کے مقبول بندوں سے نسبت ہوجائے وہ بھی شعائر اللہ بن جاتی ہے جیسے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے قدم صفا ومروہ پہاڑوں پر پڑے تو وہ پہاڑ شعائر اللہ بن گئے اور ربّ کریم عزوجل نے فرما دیا:

---

[1] تفسیر نعیمی،ج2،ص97،98

[2] پ6،سورۃ المائدۃ،آیت2

[3] پارہ17،سورۃ الحج،آیت 32

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىٕرِ اللّٰهِ [1]

ترجمہ: بیشک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں۔ [2]

جامع البیان وتبیان القرآن میں ہے:

''شعائر شعیرہ کی جمع ہے، ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی علامت قرار دیا جائے، اس کو شعیرہ، شعار اور مشعرہ کہتے ہیں۔ جس ھدی یعنی قربانی کا جانور کو مکہ بھیجا جاتا ہے، اس کے گلے میں ہار، جوتا، یا درخت کی چھال ڈال دیتے ہیں۔ اس کو بھی شعار کہتے ہیں۔

شعائر کی شرعی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

حضرتِ عطاء نے فرمایا کہ شعائر اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اجتناب کیا جائے، اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شعائر اللہ سے مراد ہے اللہ کی حدود کی علامتیں، اس کا امر، اس کی نہی، اس کے مقرر کئے ہوئے فرائض اور محرمات۔

حضرتِ ابن عباس نے فرمایا شعائر اللہ سے مراد ہیں مناسک حج۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مشرکین کعبہ کا حج کرتے تھے، ھدی بھیجتے تھے، مشاعر کی تعظیم کرتے تھے اور سفر حج میں تجارت کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ایمان والو! شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرو۔

اور امام مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: کہ ''شعائر اللہ'' سے مراد صفا، مروہ، ھدی اور دوسرے مشاعر۔ [3]

---

[1] پ2، سورۃ البقرۃ، آیت 157

[2] صراط الجنان فی تفسیر القرآن، ج2ص376

[3] جامع البیان، جز6، ص55، تبیان القرآن، ج3، ص36

سوال: کیا مسلمانوں کے علاوہ بھی کسی قوم نے ختنہ کیا؟

جواب: مسلمانوں کے علاوہ قومِ یہود بھی ختنہ کرواتے تھے جیسا کہ ''حدیث ہرقل'' سے ظاہر ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

وکان ھرقل حزاء ینظر فی النجوم فقال لھم حین سالوہ انی رایت اللیلۃ حین نظرت فی النجوم ملك الختان قد ظھر فمن یختتن من ھذہ الامۃ قالوا لیس یختتن الا الیھود الخ

یعنی ہرقل بادشاہ کاہن تھا وہ ستاروں میں نظر رکھتا تھا اس نے لوگوں کے سوال کرنے پر بتایا کہ میں نے جب رات کو ستاروں پر نظر کی تو میں نے دیکھا کہ ملک الختان (ختنہ کروانے والوں کا بادشاہ) ظاہر ہو چکا ہے، پھر اُس نے اُن سے سوال کیا کہ اس اُمت میں ختنہ کون لوگ کرواتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ اس اُمت میں صرف یہود ختنہ کرواتے ہیں الخ۔[1]

سوال: بچے کا ختنہ کس عمر میں کروانا چاہیے؟

جواب: ختنہ کی مدّت سات سال سے بارہ سال کی عمر تک ہے اور بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ ولادت سے ساتویں دن کے بعد ختنہ کرنا جائز ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ابتداء الوقت المستحب للختان من سبع سنین الی اثنی عشرۃ سنۃ و ھو المختار کذا فی السراجیۃ

یعنی ختنہ کے لئے مستحب وقت سات سال سے بارہ سال تک ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ فتاوی سراجیہ میں ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، ج 1، ص 5

[2] عالمگیری، ج 5، ص 357

بہارِ شریعت میں ہے:

''ختنہ کی مدت سات سال سے بارہ سال کی عمر تک ہے اور بعض علماء نے یہ فرمایا کہ ولادت سے ساتویں دن کے بعد ختنہ کرنا جائز ہے''۔[1]

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ختنہ کس عمر میں کیا گیا؟

جواب: روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔

مدارج النبوہ میں ہے:

''حضرتِ عبدالرحمن بن عوف اپنی والدہ سے جن کا نام ''شفا'' تھا روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا جس وقت حضرتِ آمنہ سے فرزند تولد ہوا تو وہ میرے ہاتھ میں آیا۔ جو ختنہ شدہ تھا''......مزید اسی میں فرماتے ہیں: ''جاننا چاہیے کہ جمہور اہلِ سیر کا مذہب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ان تمام عزت وکرامت میں سے جو رب العزت کے حضور مجھے حاصل ہے یہ ہے کہ میں ختنہ کردہ پیدا ہوا۔ اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ ارشاد، ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے''۔[2]

سوال: آج بھی اگر کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جسے ختنہ کی حاجت نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ختنہ میں جو کھال کاٹی جاتی ہے اگر پیدائشی طور پر کسی بچے کے نہ ہو تو ختنہ کی حاجت نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

---

[1] بہار شریعت، ج3، حصہ 16، ص589

[2] مدارج النبوہ، ج2، ص30،32

الصبی اذالم یختن ولایمکن ان یمدجلدته لتقطع الا بتشدید و حشفته ظاهرة اذا رآه انسان یراه کأنه ختن ینظرالیه الثقات وأهل البصر من الحجامین فان قالواهوعلی خلاف مایمکن الاختتان فانه لا یشدد علیه ویترك کذافی الذخیرة

وہ بچہ کہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہواور نہ ہی اس کے عضو پر اتنی کھال ہو کہ جسے کاٹنے کے لئے کھینچنا بغیر تکلیف کے ممکن ہواوراس کا حشفہ اتنا ظاہر ہو کہ دیکھنے والا یہ اسے ختنہ شدہ ہی شمار کرے، تو ایسے شخص کو ماہرین کو دکھایا جائے گا، اگر وہ کہہ دیں کہ اس کے ختنے نہیں ہو سکتے تو اس کو اب تکلیف نہیں دی جائے گی، جیسا ہے ویسا ہی رہنے دیا جائے گا، اور ذخیرہ میں ایسا ہی ہے۔[1]

بہارِشریعت میں ہے:

''بچہ پیدا ہی ایسا ہوا کہ ختنہ میں جو کھال کاٹی جاتی ہے وہ اس میں نہیں ہے تو ختنہ کی حاجت نہیں۔ اور اگر کچھ کھال ہے جس کو کھنچا جا سکتا ہے مگر اسے سخت تکلیف ہوگی اور حشفہ یعنی سپاری ظاہر ہے تو حجاموں کو دکھایا جائے، اگر وہ کہہ دیں کہ نہیں ہو سکتی تو چھوڑ دیا جائے، بچہ کو خواہ مخواہ تکلیف نہ دی جائے''۔[2]

سوال: اگر کوئی بالغ شخص مسلمان ہوا تو کیا اسے بھی ختنہ کیا جائے گا؟

جواب: اور جس بالغ لڑکے کا ختنہ نہ ہوا ہو تو وہ اپنے ہاتھ سے کرلے یا کسی ایسی عورت سے نکاح کرلے جو اس کام کو جانتی ہو، اس کے بعد چاہے تو چھوڑ دے، اور اگر یہ صورتیں نہ ہوسکیں تو نائی سے ختنہ کرواسکتے ہیں۔ کیونکہ ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ستر دیکھنا دکھانا جائز ہے۔

---

[1] عالمگیری، ج5، ص357

[2] بہارشریعت، ج3، حصہ16، ص589

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا أمکن أن یختتن نفسه فعل والالم یفعل الاأن یمکنه أن یتزوج أویشتری ختانة فتختنه وذکرالکرخی فی الجامع الصغیرویختنه الحمامی

اگر وہ خود ختنہ کرسکتا ہوتو خود کرے وگرنہ نہ کرے، ہاں اگراس کے لئے نکاح کرنا یا کنیز شرعی خریدنا ممکن ہوتو ان سے ختنہ کرائے اور امام کرخی علیہ الرحمہ نے جامع الصغیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ بالغ آدمی کا ختنہ حمام والا کرے۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''ایک صاحب خدمت اقدس حضور سید عالم ﷺ میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے حضور پرنور ﷺ نے فرمایا:

الق عنك شعرالکفرثم اختتن۔ رواہ الامام احمد وابوداؤد

فرمایا: زمانۂ کفر کے بال اتار پھر اپنا ختنہ کر۔ اسے امام احمد اور ابوداود نے روایت کیا۔

ہاں اگر خود کرسکتا ہوتو آپ اپنے ہاتھ سے کرلے یا کوئی عورت جو اس کام کو کرسکتی ہو ممکن ہوتو اس سے نکاح کرادیا جائے وہ ختنہ کردے، اس کے بعد چاہے تو اسے چھوڑ دے، یا کوئی کنیز شرعی واقف ہوتو وہ خریدی جائے۔ اور اگر یہ تینوں صورتیں نہ ہوسکیں تو حجام (نائی) ختنہ کردے کہ ایسی ضرورت کے لئے ستر دیکھنا دکھانا منع نہیں۔

درمختار میں ہے:

ینظرالطبیب الی موضع مرضها بقدر الضرورة

[1] عالمگیری، ج05، ص357

یعنی بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت طبیب جائے مرض (خواہ وہ جائے پردہ ہو) کو دیکھ سکتا ہے۔[1]

سوال: اسلام لانے والا شخص اگر ایسا بوڑھا ہو کہ ختنہ کی طاقت نہ رکھتا تو کیا کرے؟

جواب: بوڑھا شخص مسلمان ہوا ختنہ کرانے کی طاقت ہو تو ضرور کیا جائے ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الشيخ الضعيف اذااسلم ولايطيق الختان ان قال أهل البصر لايطيق يترك لان ترك الواجب بالعذر جائزفترك السنة أولیٰ كذافی الخلاصه

ترجمہ: بوڑھا کمزور شخص نے جب اسلام قبول کرے اور حالت یہ ہے کہ یہ ختنے کی طاقت نہیں رکھتا (تو اس کے بارے حکم شرعی یہ ہے کہ) اگر تو ماہر شخص یہ کہہ دے کہ یہ طاقت نہیں رکھتا تو اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ واجب کا ترک عذر (شرعی) کی وجہ سے جائز ہے تو سنت کو ترک کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا اور خلاصہ میں ایسا ہی ہے۔[2]

فتاوی رضویہ میں ہے:

''اگر ختنہ کی طاقت رکھتا ہو تو ضرور کیا جائے''۔[3]

بہارِ شریعت میں ہے:

''بوڑھا آدمی مشرف بہ اسلام ہوا جس میں ختنہ کرانے کی طاقت نہیں تو ختنہ

---

[1] فتاوی رضویه، ج22، ص593

[2] عالمگیری، ج5، ص357

[3] فتاوی رضویه، ج22، ص593

کرنے کی حاجت نہیں''۔[1]

الحمدللہ عزوجل! قربانی، عیدین عقیقہ اورختنہ کے موضوع پر چند مسائل جمع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اسے اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطافرمائے۔ اوراسے عوام کے لئے فائدہ منداورحصولِ علم دین کا ذریعہ اورراقم کے لئے مغفرت کا سبب بنائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

❀ ❀ ❀

---

[1] بہار شریعت، ج3، حصہ 16، ص589

مصادر و مراجع

کتاب کا نام	مصنف کا نام	مطبوعہ
القرآن	کلامِ الٰہی عزوجل	مکتبۃ المدینہ کراچی
کنزالایمان	امام احمد رضا خان	مکتبۃ المدینہ کراچی
تفسیرخزائن العرفان	مفتی نعیم الدین مرادآبادی	مکتبۃ المدینہ کراچی
تفسیرکبیر	امام فخرالدین رازی	مکتبہ علومِ اسلامیہ لاہور
تفسیرروح المعانی	شہاب الدین سید محمود آلوسی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
تفسیرخازن	علاءالدین علی بن محمد بغدادی	دارالکتب العلمیہ بیروت
تفسیرمظہری	قاضی محمد ثناءاللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
تفسیرروح البیان	شیخ اسماعیل حقی بروسی	داراحیاءالتراث العربی بیروت
الجامع البیان	ابوجعفر محمد بن جریر طبری	دارالفکر بیروت
تفسیرجلالین مع جمل	امام جلال الدین سیوطی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
الفتوحاتِ الالٰہیۃ	امام سلیمان بن عمر العجیلی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
تفسیرتبیان القرآن	علامہ غلام رسول سعیدی	فرید بک سٹال لاہور
تفسیرصراط الجنان	مفتی محمد قاسم القادری	مکتبۃ المدینہ کراچی

تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خان نعیمی	مکتبہ اسلامیہ لاہور
صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم	امام مسلم بن الحجاج قشیری	قدیمی کتب خانہ کراچی
جامع الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید بن ماجہ	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث	مکتبہ رحمانیہ لاہور
کنز العمال	علامہ علاؤالدین علی متقی	دارالکتب العلمیہ بیروت
مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	دارالکتب العلمیہ بیروت
سنن نسائی	ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
السنن الکبری	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	دارالفکر بیروت
مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	دارالفکر بیروت
تہذیب التہذیب	احمد بن علی بن محمد بن حجر	دارالکتب العلمیہ بیروت
مصنف ابن ابی شیبہ	محمد بن ابی شیبہ	دارالکتب العلمیہ بیروت
مصنف عبدالرزاق	حافظ عبدالرزاق بن ہمام	دارالکتب العلمیہ بیروت
کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم	دارالکتب العلمیہ بیروت
الترغیب والترہیب	امام زکی الدین بن عبدالعظیم	بیروت
تذکرۃ الموضوعات	محمد طاہر الفتنی	کتب خانہ مجیدیہ ملتان
الفردوس بماثور الخطاب	شیرویہ بن شہر دار بن شیرویہ	دارالکتب العلمیہ بیروت
المسند الفردوس	حافظ سیرویہ بن شہر دار الدیلمی	دارالفکر بیروت
فتح الباری شرح بخاری	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی	قدیمی کتب خانہ کراچی

عمدۃ القاری شرح بخاری	امام بدرالدین محمود بن احمد العینی	دارالکتب العلمیہ بیروت
ارشادالساری شرح بخاری	شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی	دارالکتب العلمیہ بیروت
شرح النووی علی المسلم	امام محی الدین ابوزکریا یحی بن شرف النووی	قدیمی کتب خانہ کراچی
المنہاج شرح صحیح مسلم	امام محی الدین ابوزکریا یحی بن شرف النووی	بیروت
شرح معانی الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی	مکتبہ رحمانیہ لاھور
جمع الجوامع	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی	دارالفکر بیروت
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	ملاعلی بن سلطان قاری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
مرآۃ المناجیح	مفتی احمد یار خان نعیمی	نعیمی کتب خان گجرات
اشعۃ اللمعات	شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی	فرید بک سٹال لاہور
تاریخ بغداد	محمد بن ابواسماعیل العلوی	دارالکتاب العربی بیروت
جامع الصغیر	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی	دارالکتب العلمیہ بیروت
التیسیر شرح جامع الصغیر	علامہ عبدالرؤف مناوی	مکتبۃ الامام الشافعی ریاض
معجم کبیر للطبرانی	سلیمان بن احمد بن ایوب	مطبوعہ قاہرہ
مدارج النبوہ	شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی	ضیاء القرآن لاہور
الہدایہ	امام ابوالحسن علی بن ابی بکر	مکتبہ رحمانیہ لاہور
بنایہ شرح ہدایہ	ابومحمد محمود بن احمد العینی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
فتح القدیر	امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

بدائع الصنائع	علاؤالدین ابوبکر بن سعود کاسانی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
البحر الرائق	محمد بن حسین بن علی طوری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
درمختار	علامہ علاؤالدین حصکفی	مکتبہ امدادیہ ملتان
ردالمحتار	علامہ محمد امین ابن عابدین شامی	مکتبہ امدادیہ ملتان
فتاوی عالمگیری	شیخ نظام الدین	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
محیط برہانی	امام برھان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ	بیروت
بزازیہ	قاضی خان	مطبوعہ کراچی
شرح وقایہ	حافظ محمد عبدالاحد	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
شرح شرح النقایہ	ملاعلی قاری	مکتبہ رحمانیہ لاہور
خلاصۃ الفتاوی	امجد الطاہر بن عبدالرشید بخاری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
الفقہ الاسلامی والادلہ	ڈاکٹر وحبہ ذحیلی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
فتاوی خانیہ	فقیہ النفس امام قاضی خان	قدیمی کتب خانہ کراچی
غنیۃ المستملی	شیخ ابراہیم حلبی	مکتبہ نعمانیہ کوئٹہ
فتاوی تتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
مراقی الفلاح شرح نورالایضاح	شیخ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
کتاب الاختیار	عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی	دارالمعرفہ بیروت
حجۃ اللہ البالغہ	احمد بن ابراہیم المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	قدیمی کتب خانہ کراچی
جدالممتار	امام احمد رضا خان بریلوی	مکتبۃ المدینہ کراچی

فتاوی رضویہ	امام احمد رضا خان بریلوی	رضا فاؤنڈیشن لاہور
فتاوی امجدیہ	مفتی محمد امجد علی اعظمی	مکتبہ رضویہ کراچی
فتاوی فقیہِ ملت	جلال الدین احمد امجدی	شبیر برادرز لاہور
فتاوی فیض الرسول	جلال الدین احمد امجدی	شبیر برادرز لاہور
بہارِ شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی	مکتبۃ المدینہ کراچی
رسائلِ نعیمہ	مفتی احمد یار خان نعیمی	ضیاء القرآن لاہور
رسالہ ابلق گھوڑے سوار	امیر اہلسنت محمد الیاس قادری	مکتبۃ المدینہ کراچی
تذکرۃ الانبیاء	حافظ قاضی عبد الرزاق چشتی	ضیاء العلوم پبلکیشنز راولپنڈی
رفیق الحرمین	امیر اہلسنت محمد الیاس قادری	مکتبۃ المدینہ کراچی